

[وقائع عبدالقادر خانی]

حصہ اول

ترجمہ ★ مولوی معین الدین افضل گڑھی

ترتیب و حواشی ★ محمد ایوب قادری بی۔ اے

معارف ★ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

★ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ ★ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ★

علم و عمل

(جلد اوّل)

(وقائع عبد القادر خانی)

ترجمہ

مولوی معین الدین افضل گڈھی

ترتیب و حواشی

محمد ایوب قادری بی۔ اے

تعارف

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

ناشر

سید الطاف علی بریلوی۔ بی۔ اے (علیگ)

رجسٹرار

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل

متصل سر سید گرلس کالج

ناظم آباد بی۔ روڈ۔ کراچی۔

تعداد طبع ایک ہزار

قیمت Rs 2.4

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک۔ کراچی

سنہ ۱۹۶۰ء



فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم



تقریب

(سید الطاف علی بریلوی)

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کی جانب سے "علم و عمل"۔ "وقائع عبد القادر خانی" جلد اول کو زیور طبع سے آراستہ کرا کر علمی دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ہمیں غیر معمولی مسرت ہے۔ غیر معمولی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کی اہمیت و افادیت کے ماسوا اُس کے ساتھ چند در چند عزیز یادیں بھی وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کے سایۂ عاطفت میں ۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء حیاتِ مستعار کے جو سب سے زیادہ قیمتی پندرہ سال گزرے اُس کے لاتعداد اور گوناگوں فوائد میں سے ایک بہت بڑا فائدہ آں مرحوم و مغفور کے مشہورِ زمانہ کتب خانۂ حبیب گنج سے استفادہ تھا۔

علی گڈھ شہر سے ۲۸ میل دور ریاست حبیب گنج میں ایک وسیع و عریض گڑھی، کوٹھی، محلسرائے اور پائین باغ نواب صاحب کی شانِ امارت کے مظہر تھے تو اُن کے جذبۂ دینی کی یادگار ایک حسین و جمیل مسجد تھی، ساتھ ہی نواب صاحب نے اپنے ذوقِ علمی کی تسکین کے لئے گڑھی میں ایک بلند و بالا عمارت کتب خانہ کے لئے تعمیر کرائی تھی جس میں سات ہزار نادر و منتخب کتابیں جن میں سے اکثر قلمی تھیں کمالِ حُسنِ ترتیب سے محفوظ کی گئی تھیں۔ کتب خانہ میں اہلِ علم و تحقیق کے قیام کے لئے متعدد آرام دہ کمرے تھے۔ صبح سے دو پہر تک کے اوقات نواب صاحب بہ نفسِ نفیس کتب خانہ میں صرف فرماتے کتب خانہ

کے مہتمم مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی مع اپنے ماتحت عملہ کے دن رات مصروف کار رہتے اور تشنگان علم کو اُن کی ضرورت کی کتابوں کی نشان دہی اور اُن سے استفادہ کرنے میں مدد دیتے۔ حضرت نواب صاحب کی اجازتِ خاص سے کتابوں کی نقل اور اُن کے ترجمہ کا انتظام بھی ممکن ہو جاتا تھا۔

راقم نے متذکرہ سہولتوں سے بساط بھر فائدہ اٹھایا اور اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کی تاریخ اور علمی و تعلیمی تحریکات سے متعلق بکثرت کتابوں کے مطالعہ کے ماسوا چند اہم کتابوں کو نقل و ترجمہ بھی کرالیا۔ انھیں آخر الذکر کتابوں میں "وقائع عبدالقادر خانی" ہے جس کو باضافہ نام "علم و عمل" جناب مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی نے میرے لئے فارسی سے اُردو میں ترجمہ فرما دیا۔ $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۸}$ کے بڑے سائز پر یہ کتاب چھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

عزیزی و محبی محمد ایوب قادری بی۔ اے کے تشریحی و وضاحتی نوٹس نے مسودہ کو قریب قریب دوگنا کر دیا۔ لہٰذا کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلا حصہ نذرِ ناظرین ہے۔ دوسرا حصہ اگلے سال پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ! کتاب کس پایہ کی ہے؟ اور اس پر کس درجہ محنت صرف کی گئی ہے؟ اس سے معلومات میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ مطالعہ کرنے والے حضرات کو خود بخود ہو جائے گا۔ مگر پھر بھی اس کتاب کے ایک خاص علمی پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ مؤلف وقائع کو علم ہیئت و فلکیات پر بڑا تبحر حاصل ہے جس کی مثالیں کتاب میں جابجا ملتی ہیں۔ باقی ؏ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

(بریلوی)

تعارف

ایک نادر خود نوشتہ تذکرہ

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم

شاہانِ دہلی کے خراجِ مال کا دائرہ تو حدود ہندوستان میں محدود تھا۔ لیکن خراجِ کمال کے دائرے میں ایران و توران اور عرب و روم، سب ہی شامل تھے۔ ان دور و دراز ممالک سے شرفاء جوق جوق ہندوستان آتے، یہاں اُن کے جوہر پرکھے جاتے، اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق کامیاب ہوتے۔ اس طرح ہزاروں گمنام آئے، نامور ہو کر دنیا سے گئے۔ یہ نشانِ امتیاز اُس وقت تک قائم رہا جبکہ سلطنت کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔

میرزا غالب اور نواب ضیاء الدین احمد خاں اُن قافلوں کی یادگار تھے جو دورِ آخر میں شاہجہان آباد پہونچے۔ اسی دور سے اُس وقائع نگار کا تعلق ہے جس کے تذکرہ پر یہ تبصرہ ہے۔

محمد شاہ کے زمانے میں ایک بست سالہ نوجوان عالم احمد نامی ہرات سے ہندوستان آئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ محمود خاں اور اشرف خاں افغان، ایران کو تہ و بالا کر رہے تھے۔ یہ نوجوان فن حدیث میں ماہر تھے۔ دلّی پہنچکر چندے بیکار رہے۔ بالآخر غازی الدین خاں کے مدرسہ میں پیش نماز مقرر ہوئے۔ مولوی نذیر محمد مدرسہ کے مدرس تھے اور میرزا جان متولی۔ ان دونوں بزرگوں نے نووارد عالم، احمد کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا۔ پر اس خاندان میں شادی کرادی۔ تین لڑکے ہوئے۔ تینوں سپاہی۔ دو گمنام رہے۔ ایک نے نام پایا۔ ان کا نام محمد اسلم تھا۔ والدہ کی رحلت کے بعد بنگالہ گئے۔ اور عالی جاہ قاسم علی خاں کے لشکر میں ملازمت پائی۔ ساز و سامان درست کرکے اہل و عیال کو طلب کیا۔

یہ دلّی سے چل کر مراد آباد پہنچے۔ اسی عرصہ میں بنگالے کا رنگ بدل گیا۔ دوسرا خط پہنچا کہ جہاں ہو وہیں رہو۔ میں خود آتا ہوں۔ محمد اسلم بصد دشواری بریلی پہنچے، سواری کا گھوڑا مر گیا۔ خود بیمار ہو گئے۔ بے یار و مددگار سرائے میں پڑے تھے۔ ایک دوکاندار نے دیکھا جو کبھی غازی الدین خاں کے مدرسہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ پہچانا۔ آشنا پرستی دیکھو۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو۔ جواب دیا کہ کرتا تو کچھ نہیں۔ مجبور ہوں۔ نہ روئے ماندن نہ پائے رفتن۔ کہا کچھ فکر مت کرو۔ میں بیل گاڑی اپنے اہل و عیال کے لئے مراد آباد بھیجتا ہوں۔ اُس میں مراد آباد چلے جاؤ۔ آرام سے پہنچ جاؤ گے۔ جو کچھ میرے پاس ہے آپ کا ہے۔ آغا مُراد آباد پہنچے۔ ناتوانی کا یہ عالم کہ مُشتِ استخواں کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ چند ماہ زندہ رہے۔ مرض کا غلبہ ہاتھ خالی۔ آخر رحلت کی۔ ایک

بیوہ ایک ہشت سالہ بچہ چھوڑا۔ اس بچے کو قرآن ماں نے پڑھایا۔ مولوی شرف الدین صاحب کی خدمت میں علوم دینیہ و ادبیہ حاصل کئے۔ جوان ہو کر رؤسا رام پور میں سے ایک رئیس کے مصاحب ہو گئے تھے۔ محمد اکرم نام تھا۔ آشنا تخلّص۔ شادی مراد آباد میں ہوئی۔ بہت با اخلاق جوانِ صالح تھے۔ ان ہی کے فرزند مولوی عبد القادر صدر الصدور تھے جن کے نوشتہ تذکرہ کو اہلِ نظر کے سامنے لانا مقصود ہے۔

یہ تذکرہ اُس زمانہ کا وقائع نامہ ہے جب کہ انگریزوں کا تسلّط ہندوستان پر ہو رہا تھا۔ زمانہ بدل رہا تھا۔ پرانے آئین اور رسوم مٹ رہی تھیں، جدید قائم ہو رہی تھیں۔ زبان بہت صاف اور چست فارسی ہے۔ طرزِ تحریر سادہ، محققانہ اور آزادانہ۔ بہت سے چشم دید واقعات و معاملات ایسے سے ہیں جو ہر چند اب خواب و خیال ہو چکے تاہم سُننے اور سمجھنے کے قابل ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بہت سے خیال درست ہو سکتے ہیں۔ اتنا دلچسپ ہے کہ میں نے تین بار پڑھا ہے۔ تاہم چوتھی مرتبہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس تبصرے کے ذریعے سے بعض خاص خاص حصّے اُس تذکرہ کے عام نگاہوں کے سامنے لاؤں۔ بڑی خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ اُس وقت کی سوسائٹی کے حالات ہو بہو بیان کئے ہیں۔ خصوصاً علمی و اخلاقی پہلو سے ترقی کر رہے ہیں یا تنزّل۔ یہ نہ ہو کہ اس خیالِ باطل میں کہ گذشتہ زمانہ جہالت و تاریکی کا تھا اب علم و روشنی کا ہے، ہم کسی تباہی کے غار میں جا پڑیں ہم کو کشادہ دلی سے واقعات پر نظر کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ اسلاف میں کیا خوبیاں تھیں ہم میں کیا ہیں۔ اُن میں خوبیاں ہوں لے لیں۔ ہم میں جو خامیاں ہوں اُن کی اصلاح کریں۔ عموماً یہ خیال ہے کہ یہ زمانہ علم کا ہے گزشتہ جہل کا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ صورتِ حال برعکس ہے۔ وہ علم کے حقیقی شیفتہ تھے، ہم نام کے۔ جملہ بالا میں "یہ زمانہ" آپ کو لندن اور پیرس نہ لے جائے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کا جائزہ

لیں۔ لندن اور پیرس کی شاہراہیں جگ مگا رہی ہوں اور ہم اپنی تنگ گلیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں تو یہی کہیں گے بڑا اندھیرا ہے۔ کجا بود اشہب کجا تاختم۔

اچھا اب ذرا اصلی داستان سنئے۔ محمد اکرم آشنا تخلّص سے شناسا ہو چکے۔ مولوی عبد القادر صدر الصدور مؤلف تذکرہ ان ہی کے لڑکے تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ دادی پہلے سے رام پور میں تھیں۔ اکلوتی بیٹی کی محبت نانی کو بھی مراد آباد سے رام پور لے آئی۔ ان ہی دونوں بڑی بوڑھیوں کی نگرانی میں عبد القادر کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ سب سے اوّل صحتِ زبان کا مرحلہ تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس بچے کی دادی شاہجہاں آباد کی تھیں۔ تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"زبان کھلنے پر میں نے دادی کی زبان سیکھی جو شاہجہاں آباد کی اُردو تھی۔ میری دادی نے میری ماں کو بھی شاہجہاں آباد کی اُردو سکھائی تھی۔ اگر کوئی محاورہ مراد آباد کا میری ماں کی زبان سے نکلتا جو شاہجہاں آباد کے محاورے کے خلاف ہوتا تو میری دادی فوراً ٹوک دیتیں"

جب زبان سے الفاظ نکلنے لگے تو مفتی شرف الدین صاحب نے (جو رام پور کے مشہور بافیض عالم تھے) یہ آیۂ کریمہ پڑھائی:۔

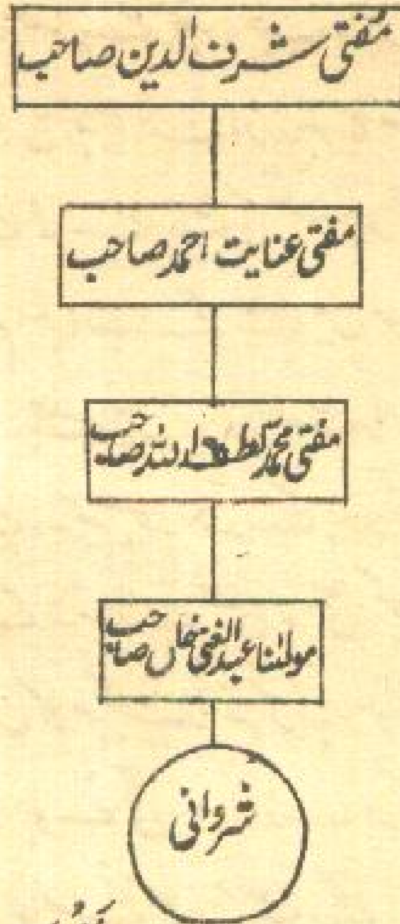
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا	سب تعریف اُس اللہ کے لئے ہے جو اولاد نہیں رکھتا اور نہ کوئی اُس کے مُلک میں شریک ہوا اور نہ کوئی کمزوری کا سہارا ہے اُس کی بڑائی کرو بڑا جان کر۔

اس کے بعد دادی اور نانی نے کھانے وغیرہ کے آداب سکھائے، اس طرح کھاؤ کہ دیکھنے والے کو گھن نہ آئے۔ منہ سے چبانے کی آواز نہ نکلے۔ پانی ایک ساتھ اتنا نہ پی جاؤ کہ اُچھو ہو جائے۔ دوسرا کھاتا ہو تو اُس کی طرف نظر

نہ جماؤ۔ کسی محفل میں جاؤ تو بلا اجازت آگے بڑھ کر برابر نہ جا بیٹھو بلکہ اجازت پانے پر سامنے کسی قدر فاصلہ سے بیٹھو۔ جب والد اُن کو مفتی صاحب کی خدمت میں لے جاتے تو جناب ممدوح ہر وقت اور ہر کام کے لئے جو دعائیں ہیں تعلیم فرماتے۔ یہ چار سال کے عمر سے پہلے کی تعلیم تھی۔ جب چار سال چند ماہ کے ہوئے تو بہ رسم اسلام احباب کے جلسے میں مولانا نے قرآن شریف شروع کرایا۔ اُنھوں نے اُسی جلسے میں سورۂ اقرار حفظ پڑھ دی۔ یہ سورہ اپنی والدہ سے زبانی یاد کر چکے تھے۔ رسم بسم اللہ کے بعد قرآن شریف دادی نے پڑھایا۔ جب تک سبق یاد کر کے نہ سُناتے چھٹی نہ ملتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کھانا بھی نہ ملتا۔ سات برس کی عمر میں کلام مجید ختم کر لیا۔ مولانا نے نماز یاد کرا دی تھی۔ سات برس کی عمر کے بعد نماز کی تاکید ہونے لگی۔ دروازے پر مکتب بٹھانے کی مقدرت نہ تھی۔ محلے کے مکتب میں عام بچے بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے باپ اور دادی نے ان کو وہاں نہ بھیجا اور چودہ برس کی عمر تک گھر میں تعلیم پاتے رہے۔ "تا چاردہ سالگی خانہ آموز بودم"۔ دادی نے پند نامۂ سعدی اور منطق الطیر فرید الدین عطار پڑھائی۔ باپ کو جب مصاحبت سے فرصت ملتی تو چند سطریں، گلستاں، بوستاں کی پڑھا دیتے، خط پڑھنے کو دیتے۔ یہ کوشش رہتی کہ ایک بار پڑھا کر دوبارہ نہ بتائیں بلکہ یہ خود ایک بار سُن کر اپنی زبان سے ادا کریں۔ اگر کبھی کہتے بھول گیا تو پہلے ملامت ہوتی پھر بتاتے۔

سنہ ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں پندرہ برس کی عمر میں مولانا شرف الدین سے علوم عربیہ کی تحصیل شروع کی نحو، منطق، طبیعات، الٰہیات و فلسفہ، معانی و بیان اور اصول و فقہ یہ علوم مولانا کی خدمت میں حاصل کئے۔

راقم مضمون شروانی کو بھی نسبت تلمذ مولانا سے ہے۔ دیکھو اور میرے فخر پر رشک کرو۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

حاصل کلام کہ ابھی یہ علوم حاصل کرنے تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، ہیئت و ہندسہ، حساب، فرائض۔ اسی عرصہ میں کابل سے زمان شاہ لاہور آپہنچے۔ انگریزی فوج نواب رام پور کے تمام خاندان کو نواب سعادت علی خاں کے فرزند کے ساتھ رام پور سے لکھنؤ لے گئی مولوی عبدالقادر کا سلسلۂ تعلیم درہم و برہم ہوگیا۔ جو تحصیلِ علوم کی تھی وہ چار سال کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔

اُنیس ۱۹ برس کی عمر تھی کہ ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں اُن کا چہرہ مولوی ضیاء النبی نے اپنے رسالہ میں لکھدیا (یعنی فوج کے رسالہ میں ملازم ہوگئے) (اب وہ صورت ہی بگڑگئی "چہرہ" کیسا اور "رسالہ" کہاں) مولوی صاحب اُن کے حال پر بہت شفقت فرماتے

تھے۔ تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"اگرچہ میرے تمام ولی نعمتوں نے مجھ پر ہمیشہ استحقاق سے زیادہ شفقت فرمائی ہے مگر بموجب مقولہ الشرف للمتقدم (پہلا رتبہ میں زیادہ ہے) اُن کا زیادہ ممنون ہوں"

ملازم تو فوج میں تھے، مگر مولوی صاحب کی صحبت میں علم حدیث، تفسیر اور فقہ کی تصحیح اور مقابلہ کا اکثر چرچہ رہتا تھا۔ کبھی علم مناظر، اصطرلاب، ہندسہ کا شغل رہتا، کبھی فنِ ہیئت پر بحث ہوتی۔ اس طرح ان علوم سے واقف ہونے کا موقع مولوی عبدالقادر کو بھی ملا، اور جو کمی تحصیل میں رہ گئی تھی وہ بہت کچھ پوری ہوگئی۔

تذکرہ میں ہندسہ اور اصطرلاب کے متعلق مولوی ضیاءالنبی کے بعض سوال اور اپنے جواب نقل کئے ہیں۔ (ذرا ٹھہر کر یہ غور فرمالیجئے کہ یہ صورتِ تعلیم بالغان تو نہیں ہے۔ یقینی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تعلیم زمانۂ حال کی ایجاد ہے۔)

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عرصے میں مؤلف تذکرہ کی شادی بھی ہوگئی تھی۔ چنانچہ وہ چند تغیرات کے بعد والد سے اجازت لے کر مُرادآباد اپنی سسرال کو گئے۔ یہ سفر مؤلف کی زندگی میں اہم ہے۔ اس سے اُن کی زندگی کا عملی دور شروع ہوتا ہے۔ اور جو تعلیم پائی تھی عمل اُس کے حُسن و قبح کو عیاں کرے گا۔

مرادآباد میں مختلف لوگوں سے ملے۔ شدہ شدہ ڈائرکٹر سے ملے، اُن کے ذریعہ سے حکام سے اسی عرصہ میں سررشتہ کے کام سے واقفیت حاصل کی۔ اس زمانے کے واقعات چند صفحوں میں لکھے ہیں۔ اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اجنبیت کے ہر موقعہ پر احتیاط سے کام کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اب ذرا ایک لطیفہ

ملاحظہ ہو۔ ایک روز ڈائرکٹر سے ملنے گئے۔ صاحب کے کہار نے اطلاع کی "ایک مولوی سلام کو آئے ہیں" بُلا لیا، اُس روز سے ڈائرکٹر نے مولوی کہنا شروع کیا۔ مولوی مشہور ہو گئے۔

ایک موقعے پر لکھتے ہیں:۔

"مولوی کا خطاب مجھ کو کہار نے دیا۔ شہرت ڈائرکٹر صاحب نے بخشی۔ اب میں اس خطاب سے تنگ آگیا ہوں"

نام باقی ماہتاب باقی ہے

شروانی

مقدمہ

از محمد ایوب قادری۔ بی۔ اے (مرتب)

خود نوشت سوانح حیات اور یادداشتیں (MEMOIRS) تاریخ کے آخذ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان میں مؤلف کی ذات اور شخصیت بہت زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور واقعات کا توازن و تناسب قائم نہیں رہتا۔ کسی حد تک یہ صحیح ہے لیکن تاریخ کا تجربہ کار طالب علم اس سقم کا بہ آسانی پتہ لگا لیتا ہے اور واقعات کا مطالعہ ان کے صحیح پس منظر کے ساتھ کرنے میں اس کو کوئی خاص دقت نہیں ہوتی۔ خود نوشت سوانح اور یادداشتوں کے مطالعہ کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ بعض وقت مؤلف ایسے واقعات کا ذکر کرتا ہے جن کو دوسرے سوانح نگار اور مورخ غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی یہی "غیر اہم" واقعات بعض مسائل کی صحیح تصویر تیار کرنے کے لئے نہایت اہم اور ضروری ثابت ہوتے ہیں۔ اگر سوانح حیات اور یادداشتیں کسی تاریخی شخصیت کی مرتب کی ہوئی ہوتی ہیں تو ان کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ زمان و مکان کا بھی اس کی افادیت پر بہت اثر ہوتا ہے۔ زیر نظر مجموعہ مولوی عبد القادر رام پوری کے خود نوشت حالات اور یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ مولوی صاحب نہایت عالم و فاضل شخص تھے یہ "وقائع" اوائل انیسویں صدی

کے متحدہ ہند کے سیاسی، معاشرتی اور علمی حالات کا ایک نادر مرقع ہے
اس میں اس دور کے بکثرت ایسے تاریخی واقعات ملتے ہیں جو اب تک ہمارے
مورخین کی نظر سے پوشیدہ تھے۔

اس کتاب میں انیسویں صدی کے ابتدائی دور کی داستان ہے۔ اس وقت غیر ملکی اقتدار
کے ساتھ ساتھ برصغیر ہند و پاکستان میں مغربی تہذیب و تمدن کا دائرہ اثر بھی
بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۰۱ء میں نواب سعادت علی خاں، نواب وزیر اودھ نے روہیل کھنڈ
اور دوآبہ انگریزوں کو دے دیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کا دہلی پر قبضہ ہوگیا۔ انھوں
نے مغل حکمراں شاہ عالم ثانی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر آہستہ آہستہ اپنے سیاسی
اقتدار اور غلبہ کو وسیع سے وسیع تر کیا۔ اسی زمانہ میں مؤلف "وقائع" مولوی عبدالقادر
نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ بعض انگریز حکام کی مہربانی اور تعلق
سے بنگال کا سفر کیا، مراد آباد۔ دہلی۔ مضافات دہلی، راجپوتانہ اور اجمیر میں وہ داروغہ پولیس
سر رشتہ دار عدالت دورہ، صدر امین اور مفتی وغیرہ رہے۔ وہ جہاں
جہاں پہنچے وہاں کے مفصل حالات لکھے ہیں، علماء و عمائدین کا ذکر کیا
ہے۔ معاشی اور سماجی حالات خاص طور سے بیان کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مولوی
عبدالقادر کا یہ بیان کس قدر تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔

مؤلف نے وقائع کو ۱۸۳۱ء میں مرتب کیا۔ اگرچہ مواد پہلے سے قلمبند کر لیا
گیا تھا۔ حبیب گنج کے نسخہ میں آخری اوراق موجود نہیں ہیں۔ کتاب کو دو
حصوں میں شائع کرنا تجویز ہوا ہے۔ پہلی جلد روہیل کھنڈ، بنگال اور دہلی کے
حالات پر مشتمل ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ ۱۸۱۹ء تک کے حالات آ گئے ہیں،

دوسری جلد راجپوتانہ کی ریاستوں اور اجمیر کے بیان میں ہے۔ پہلی جلد کو ہم نے چھ ابواب پر تقسیم کیا ہے پہلا باب مؤلف کے خاندان، تعلیم ابتدائی ملازمت اور رامپور کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں سفر بنگال کا بیان ہے اور بقیہ چار ابواب میں دہلی اور مضافات دہلی کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں۔

مؤلف "وقائع" مولوی عبدالقادر کے پردادا، احمد ابن مرزا محمد اسحاق[1] متبحر عالم اور فاضل تھے علوم متداولہ میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اپنے زمانہ کے محدث تھے۔ آبائی وطن ہرات سے سیاسی حالات کی خرابی کی وجہ سے سنہ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء اور سنہ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء کے درمیان وہ دہلی آئے۔ اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے نواب غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔ دہلی ہی میں شادی کرلی۔ مرزا احمد محدث کا انتقال سنہ ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء میں ہوا۔ انہوں نے تین بیٹے مرزا معظم، مرزا اعظم اور مرزا اسلم یادگار چھوڑے۔ مرزا معظم عین عالم شباب میں گھوڑے سے گر کر انتقال کر گئے۔ مرزا اعظم اپنے والد کی حیات میں دکن چلے گئے۔ پھر ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ مرزا اسلم دہلی میں رہے۔ انہوں نے سنہ ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰ء میں نواب عالی جاہ قاسم علی خاں والی بنگالہ کے لشکر میں ملازمت کرلی، اہل وعیال بنگال جانے کے ارادہ سے مراد آباد آئے کہ اسی درمیان میں نواب قاسم علی خاں کی حکومت ختم ہوگئی مرزا احمد اسلم

---

[1] مرزا نصیر الدین (ابن مرزا عبدالہادی بن مولوی عبدالقادر) نے نواب نجیب الدولہ کے حالات میں ایک کتاب "نجیب التواریخ" لکھی ہے اس میں اپنے خاندان کا مختصر سا سلسلۂ نسب بھی تحریر کیا ہے اور خود کو امیر تیمور کی اولاد میں بتایا ہے۔ (نجیب التواریخ ص ۱ قلمی مملوکہ سید الطاف علی بریلوی)

بنگال سے بحالت علالت براہِ بریلی، مراد آباد پہنچے جہاں ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے مرزا محمد اکرم نامی ایک بیٹا یادگار چھوڑا جس کی عمر اُس وقت آٹھ سال کے قریب تھی۔ مرزا محمد اکرم اپنی والدہ کے ہمراہ مُراد آباد سے اپنے خالو مولوی محمد مقیم کے یہاں رام پور آگئے۔ رام پور ہی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ جب ۱۹ سال کی عمر ہوئی تو مراد آباد میں محلہ مغل پورہ میں مرزا غلام مصطفےٰ بیگ کی دختر سے شادی ہوگئی۔ مرزا محمد اکرم کو علماء کی صحبت سے رغبت تھی۔ خاص طور سے مفتی شرف الدین رام پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ فرماتے تھے۔ تمام عمر صاحبزادہ نظام علی خاں خلف نواب فیض اللہ خاں بہادر کی مصاحبت میں رہے۔ شعر و شاعری سے ذوق تھا۔ آشنا تخلص فرماتے تھے ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں رام پور میں انتقال ہوا۔ تین بیٹے یادگار چھوڑے۔ مولوی عبد القادر، مرزا محمد ناصر اور مرزا غلام باسط۔

مولوی عبد القادر ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ دادی اور نانی نے بڑی توجہ سے تعلیم و تربیت فرمائی۔ صحت زبان کا خاص طور سے خیال رکھا گیا کہ شاہجہاں آباد کے محاورہ کے خلاف نہ ہو نشست و برخاست اور خور و نوش کے آداب سکھلائے گئے۔ اور ان کی مشق کرائی گئی۔ جب عمر چار سال چار ماہ کی ہوئی تو حسب رواج رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی اور باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ مفتی شرف الدین رام پوری نے بسم اللہ پڑھائی، دادی نے قرآن شریف کی تعلیم دی اور سات سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم سے فارغ ہوگئے۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی دادی نے شروع کرائی ان ہی بزرگ خاتون سے پندنامہ سعدی اور منطق الطیر وغیرہ کتابیں پڑھیں اگر والد کو فرصت ملتی تو وہ گلستاں اور بوستاں کی چند سطریں پڑھا دیتے۔ اسی طرح چودہ سال کی عمر تک مولوی عبد القادر گھر پر ہی تعلیم پاتے رہے۔

مولوی عبدالقادر نے ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۵ء میں پندرہ سال کی عمر میں مولانا شرف الدین رام پوری سے علوم متداولہ کی تحصیل شروع کی مولانا شرف الدین اپنے عہد کے ممتاز اور نامور عالم تھے۔ نحو، منطق، طبیعات، الہیات، فلسفہ، معانی وبیان اور اصول فقہ وغیرہ مولانا شرف الدین کی خدمت میں حاصل کئے۔ مولوی نورعالم رام پوری سے میبذی کے کچھ اسباق پڑھے۔ مفتی شرف الدین صاحب کی خدمت میں چار سال تک تحصیل علم کا سلسلہ جاری رہا۔ تحصیل علم سے ابھی فراغ حاصل نہ ہوا تھا کہ رام پور میں بعض سیاسی حالات کی نااستواری کی وجہ سے مولوی عبدالقادر کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ اور تعلیم مکمل نہ ہوسکی۔ ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں مولوی عبدالقادر۔ مولوی ضیاء النبی رام پوری کے فوج کے رسالے میں ملازم ہوگئے۔ مولوی ضیاء النبی صاحب کی صحبت بابرکت میں علم تفسیر، حدیث، فقہ کی تصحیح اور مقابلہ کا اکثر چرچا رہتا۔ کبھی مناظرہ، اصطرلاب اور ہندسہ کا شغل رہتا۔ کبھی فنِ ہیئت پر بحث ہوتی۔ اس طرح مولوی عبدالقادر کو ان علوم سے واقف ہونے کا خوب موقع ملا۔ اور تحصیل علم میں جو کمی رہ گئی تھی وہ بہت کچھ پوری ہوگئی۔

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مولوی عبدالقادر کی شادی ہوچکی تھی۔ سسرال مرادآباد میں تھی۔ جب وہ اپنی سسرال مرادآباد آگئے تو وہاں سرکاری عملہ کے دو ایک انگریز افسروں سے تعارف ہوگیا۔ ان لوگوں نے مولوی عبدالقادر کو جوہر قابل پایا۔ مرادآباد کے رجسٹرار مسٹر کارٹن نے مولوی عبدالقادر کو ٹھاکر دوارہ کا تھانے دار مقرر کردیا۔ جہاں انھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے علم، تجربہ، دیانت داری اور محنت سے اس شورہ پشت علاقہ میں نظم ونسق قائم کردیا۔ چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار کے واقعات ختم ہوگئے اور جلد ہی اعلیٰ حکام کی نظروں میں ایک مقام حاصل ہوگیا۔ ان کا اعتماد بڑھ گیا۔ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں مولوی عبدالقادر کی دادی کا انتقال

ہوا۔ اسی دوران میں ان کو امروہہ کا تھانیدار مقرر کیا گیا۔ کیونکہ اس طرف بھی نظم و نسق چنداں قابلِ اعتبار نہ تھا۔ چوری و غارتگری کے ہنگامے برپا تھے۔ مولوی عبدالقادر نے مقامی حالات کے پیش نظر اپنی صوابدید سے انتظام کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس علاقہ کا نظم و نسق بھی درست کر دیا۔ اس زمانہ میں سپرنٹنڈنٹ کا تبادلہ ہو گیا اور مولوی عبدالقادر مستعفی ہو گئے۔ ویلڈر صاحب اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد مولوی عبدالقادر سے متعارف تھا۔ اس نے اردو زبان سیکھنے کی غرض سے اُن کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ مولوی عبدالقادر نے اپنے علم فضل، قابلیت و اہلیت اور اور موقعہ شناسی و وفاداری کی بنا پر ویلڈر صاحب کی نظروں میں ایک خاص اعتماد حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ اس کو اُن کی مفارقت کسی وقت گوارا نہ تھی بعض لوگوں کو یہ تعلق و ارتباط ناگوار ہوا اور انھوں نے کلکٹر مراد آباد کو سمجھایا کہ اسسٹنٹ کلکٹر مقامی حضرات سے بہت ربط و ضبط رکھتا ہے جو نامناسب ہے کلکٹر نے ویلڈر کو متنبہ کیا کہ مقامی لوگوں سے زیادہ رسم و راہ نہ رکھی جائے۔ مولوی عبدالقادر کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً اس ملازمت سے بھی قطع تعلق کر لیا۔

مولوی عبدالقادر کے سابق محسن کارٹن صاحب بنگال جا چکے تھے انھوں نے بنگال سے اُن کی طلبی کا پروانہ معہ سفر خرچ کے بھیجا کہ وہ جلد دیناج پور پہونچیں۔ چنانچہ فوراً سفر کی تیاری کر دی اور بنگال پہونچ گئے۔ وہاں وہ سرکاری ملازم نہ ہوئے مگر کارٹن صاحب کے مشورہ سے مختلف اوقات میں دو زمینداروں کی جاگیر کے انتظام میں منسلک رہے۔ اس کے بعد ڈھاکہ، کلکتہ اور مرشد آباد کی سیر کی اور وہاں کے علماء فضلاء اور امراء سے ملے۔ غرض قریب تین سال بنگال میں

گزارے۔ اس کے بعد اپنے والد کی طلبی پر واپس ہوئے اور ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء میں اپنے وطن رام پور پہنچ گئے۔

اس وقت ویلدر صاحب دہلی میں عدالت دورہ سے منسلک تھے۔ جب اُن کو مولوی عبدالقادر کی بنگال سے واپسی کا علم ہوا تو اُنھوں نے لکھا کہ "تم دہلی چلے آؤ یہاں ملازمت کا موقعہ ہے" مولوی عبدالقادر ویلدر صاحب کی اس طلبی پر رمضان ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء میں دہلی روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ویلدر صاحب نے جس جگہ کے لئے مولوی عبدالقادر کو بُلایا تھا وہ صیغہ ہی ایک دوسرے انگریز گارنر صاحب سے متعلق ہو گیا۔ لہٰذا اب اس تقرر کا تو کوئی سوال نہ رہا البتہ ویلدر صاحب نے دوسری یہ تجویز پیش کی کہ مولوی عبدالقادر کے بھائی غلام باسط کو تھانہ باؤلی (دہلی)، میں تھانہ دار مقرر کر دیا جائے اور وہ نگرانی کریں اور خود مولوی عبدالقادر سے شاہنامہ پڑھنا تجویز کیا۔ جب گارنر صاحب کو معلوم ہوا کہ ویلدر صاحب نے مولوی عبدالقادر رام پوری کو عدالت دورہ کی سررشتہ داری کی امید میں بلایا تھا تو اُس نے اُن کو ہی سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ اور ویلدر صاحب کو شرمندگی کا موقعہ نہ دیا۔ گارنر صاحب خود بھی مولوی عبدالقادر کے حالات سے غائبانہ واقف تھا۔

مولوی عبدالقادر عدالت دورہ میں سررشتہ دار مقرر ہو گئے تو گارنر صاحب ان کی قابلیت واہلیت سے اس قدر متاثر ہوا اور ان پر اس قدر اعتماد کیا کہ جب اُس کا تبادلہ کوہستان کو ہوا تو تمام عملہ کا انتظام اُس وقت تک کے لئے مولوی عبدالقادر کے سپرد کیا گیا جب تک کہ کوئی دوسرا افسر نہ پہونچے، گارنر صاحب کے تبادلہ کے بعد عدالت دورہ کا کام ویلدر صاحب سے متعلق ہوا۔ اسی زمانہ

میں گورنر جنرل لارڈ ماٹرا نے شمالی ہند کا دورہ کیا۔ جب گورنر جنرل کا لشکر نواحِ دہلی (ہانسی وغیرہ) میں پہنچا تو لشکر کا حفاظتی انتظام مولوی عبدالقادر کے سپرد ہوا۔ لشکر میں چوری وغیرہ کا کوئی واقعہ نہ ہوا۔ گورنر جنرل کے دورہ کے بعد مولوی عبدالقادر دہلی پہونچے۔ دہلی کے آثار و عمارات کو دیکھا۔ وہاں کے علماء و صلحاء سے ملے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز؁ زندہ تھے۔ ان کی مجالس میں شرکت کی۔ پھر عدالت دورہ پر واپس آگئے۔ گوہانہ، حصار اور ہانسی کے متعلقات کو دیکھا۔ اسی درمیان میں ایک چپراسی غیر حاضر ہوگیا۔ کسی نے کہدیا کہ ویلدر صاحب کہتے تھے کہ یہ سررشتہ دار (مولوی عبدالقادر) کی بد انتظامی کی بات ہے۔ بھلا اُن کو اتنی برداشت کہاں، فوراً ایک اطلاعی عرضی لکھی۔ ۲۷ جون ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء کو وطن کی راہ لی اور تین روز میں رام پور پہنچ گئے۔

رام پور میں نواب عنایت اللہ خاں نے مولوی عبدالقادر خاں کو اپنی مصاحبت میں رکھا اور کتاب "شافیہ" بطور وقت گزاری کے پڑھنے لگے۔ ۲۰ رجب ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء کو مولوی عبدالقادر کے والد ماجد مرزا محمد اکرم آشنا کا انتقال ہوگیا۔ اس جانکاہ حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالقادر لکھتے ہیں:-

> "اس زمانہ میں غلہ گراں اور قرضہ بہت، باپ نے از قسم زیور باغ، زمین کچھ نہ چھوڑا، اور سارے شہر سے جان پہچان۔ چند روز تک چھوٹے بڑوں کی تعزیتی آمد و رفت سے زخم پر نمک پاشی رہی اور روز کے گزارے کی دلخراش فکر علیحدہ بالآخر ولی نعمت (نواب عنایت اللہ خاں) کی امداد سے سبکدوشی ہوئی۔"[1]

نواب عنایت اللہ خاں کا تعلق علاقہ کوہستان، الموڑہ، وغیرہ سے ہاتھی اور کتھے کی تجارت

---

[1] علم وعمل ص ۳۲۹

کا تھا اس سلسلہ میں محصول سے متعلق کچھ قضیہ ہوگیا۔ اس کے تصفیے کے لئے مولوی عبدالقادر کوہ الموڑہ کے حاکم کے پاس بھیجے گئے۔ جب سفر سے واپسی ہوئی تو دکبر ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں پھر ویلڈر صاحب نے اُن کو دہلی طلب کرلیا۔ وہ ان کے سرشتہ دار مقرر ہوگئے۔ ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء میں اجمیر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور ویلڈر صاحب اجمیر کے بندوبست کے لئے روانہ ہوئے۔ مولوی عبدالقادر ساتھ گئے۔

اوائل رمضان ۱۲۳۳ھ مطابق جولائی ۱۸۱۸ء میں مولوی عبدالقادر اجمیر پہونچے اور سیسے کی کان اور اس کی آمدنی و مصارف کی تحقیقات کے لئے ان کا تقرر ہوا۔ انھوں نے بڑی خوبی اور قابلیت سے اس کام کو انجام دیا اس کے بعد وقتاً فوقتاً دوسرے کام مثلاً اجمیر کی تجارت کی آمدنی کے نقشہ کی درستی وغیرہ کے فرائض انجام دئے۔ مارچ ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء میں فتویٰ نویسی کا کام اُن کے سپرد ہوا۔ اسی عہدہ کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی درگاہ کی امینی بھی سپرد ہوئی۔ اُنھوں نے درگاہ کے انتظام میں بعض اصلاحات کیں اتفاق سے درگاہ کے پُرانے قبر پوش کو جس کی چاندی ضائع ہو رہی تھی جلوا دیا اور بڑے خیمے کی بجائے جس پر ہر پانچ چھ سال کے بعد چار پانچ ہزار روپیہ لگتا تھا۔ اس پر ایک عمارت سات ہزار روپئے کے تخمینہ کی تعمیر کرانی شروع کی۔ یہ بات خوش عقیدہ خدام اور پیرزادگان کو سخت ناگوار ہوئی اور ان لوگوں نے مولوی عبدالقادر کے خلاف درخواست دے دی۔ جس کے نتیجہ میں وہ درگاہ کی امینی کے عہدہ سے ہٹا دئے گئے اور بدستور مفتی اور صدر امین رہے۔ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء میں وطن رخصت پر آئے۔

مولوی عبدالقادر نہایت ذہین، موقعہ شناس اور سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ ویلڈر صاحب یا دوسرے متعلقہ افسر تو برائے نام منتظم بندوبست تھے بیشتر انتظامات کی

راجاؤں سے معاملات و معاہدات، تشخیص و جمعبندی، شہروں کی آبادی، فصل خصومات وغیرہ یہ تمام معاملات مولوی عبدالقادر کے مشورے اور رائے سے انجام پاتے تھے۔ یہ صحیح اور مخلصانہ مشورہ دیتے۔ اس لئے حکام ان کی قدر کرتے تھے۔

جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مولوی عبدالقادر نے "وقائع" کو اپنے وطن رامپور میں ۱۲۴۷ھ ۱۸۳۱ء میں مرتب کیا۔ غالباً ۱۸۳۱ء میں یا اس سے کچھ قبل ملازمت سے سبکدوش ہو کر اجمیر سے واپس آگئے ہوں گے ۱۸۳۱ء کے بعد مولوی عبدالقادر کے تفصیلی حالات نہیں ملتے صاحب تذکرہ کاملانِ رامپور لکھتے ہیں۔

"اجمیر، راجستھان، جبلپور، ناگپور میں بڑے بڑے عہدوں پر ملازم رہے لارڈ ولیم بنٹنگ نے مُرادآباد میں صدر الصدور کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے مرادآباد میں محلہ بھٹی میں سکونت اختیار کی۔ سرکار کمپنی نے خطاب "خان بہادر" اور خلعت دیا ۱۲۵۴ھ ۱۸۳۸ء میں ملازمت ترک کر کے دہلی گئے۔ دہلی میں شاہ ظفر کے پاس چھ مہینے رہے...... دہلی سے پھر مُرادآباد آئے۔ اسی دوران میں نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے (۱۲۵۶ھ ۱۸۴۰ء لغایت ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۵ء) مسند نشین ہو کر طلب فرمایا۔ ذاتی ملاقات کے علاوہ ریاست کے دیرینہ نمک خوار تھے فوراً رامپور آئے عدالت دیوانی و فوجداری پر مفتی مقرر فرمایا۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ کی نگرانی اور حاکم مرافعہ کی خدمات سپرد ہوئیں۔ آپ کی شادی مرادآباد کے بھٹی محلّہ میں شیخ فیض اللہ قریشی کی دختر سے ہوئی یہ بزرگ مفتی یونس کی اولاد میں سے تھے"[1]

---

[1] تذکرہ کاملانِ رامپور از حافظ احمد علی خاں شوق ص ۲۳۴-۲۳۵ (ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء)

مولوی عبدالقادر اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی کے اکثر اشعار موقعہ بہ موقعہ "وقائع" میں بھی موجود ہیں جس سے ان کی قادر الکلامی اور پختہ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ غمگین تخلص تھا۔ اُردو کا کچھ نمونہ کلام بھی "وقائع" میں ہے۔ منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں۔

"عربی فارسی اُردو بھاکا مرہٹی سب زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ کلیات ان کا گم ہوگیا، مگر اُردو اور فارسی کچھ شعر ملے کر درج تذکرہ ہوئے"

کیوں کر نہ کروں پیری میں مَیں سیر جہاں کی	دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گذری کا
حرم میں برہمن رکھا نام میرا	گیا دیر میں تو مسلمان ٹھیرا
پر اس بُت کے نزدیک کیا جانے غمگین	ہوا کفر ثابت کہ ایمان ٹھیرا
یہ ہے قسمت کی خوبی دیکھئے میرے جنازے پر	نمازی یہاں تلک بہکے کہ اک تکبیر کم کردی
کس کی چتون نے مجھ کو مارا ہے	اپنی آنکھوں کا جرم سارا ہے" [1]

مولوی عبدالقادر کا جس طرح کلیات مفقود ہے اسی طرح اس فاضل کی دوسری تصنیفات بھی آج معدوم ہیں۔ اتفاق سے انھوں نے ۱۸۳۱ء تک کی تصنیفات کی ایک فہرست "وقائع" نقل کردی ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) رسالہ ہشت ورقی۔ اس رسالہ میں جد حضرت کے زمانہ سے شاہ عالم ثانی کی وفات تک ہر ایک بادشاہ کی مدت حکومت اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں حکومت منتقل ہونے کے حالات لکھے ہیں۔

(۲) تعلیقات بر جامع البرکات۔ شیخ عبدالحق دہلوی۔

---

[1] انتخاب یادگار۔ از منشی امیر احمد مینائی ص ۲۷۴ (تاج المطابع ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء)

(۳) شرح حکم مرتضوی در منافع امر و نہی مصطفوی۔

(۴) سہو الکلام علماء علام۔

(۵) ترجمہ رسالہ حسن العقیدہ شاہ ولی اللہ دہلوی

(۶) شرح رسالہ عقائد۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۷) رموز اسمار معبودان ہنود

(۸) شرح میزان البلاغت شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۹) تعلیقات بر شمائل ترمذی

(۱۰) کشف حقیقت دعا و اجابت

(۱۱) رسالہ قبلہ نما۔ اس رسالہ سے صحیح مذہبی راستہ معلوم ہو سکتا ہے۔

(۱۲) رسالہ عروض۔ مختصر و مفید ہے۔

(۱۳) قواعد اُردو۔ یہ کتاب ویلدر کے پاس رہ گئی۔

(۱۴) حکایاتِ زبان اردو۔ اس رسالہ میں ساٹھ حکایتیں ہیں جن میں بازاری، تاجر، صوفی، علماء، مشائخ اور دفتری لوگ، غرض کہ ہر طبقہ کے محاورات کہانیوں کے انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی ویلدر صاحب کے پاس رہ گئی۔

(۱۵) امثال ہندی و فارسی۔ دونوں زبانوں کی وہ مشہور امثال جن کا مطلب ایک ہو اُس رسالہ میں درج کی گئی ہیں۔

(۱۶) تاریخ احوال اجمیر و مارواڑ۔ اس کتاب کی نقل ویلدر صاحب نے سرجان مالکم کے پاس بھیجدی تھی۔

(۱۷) رسالہ شطرنج:۔ یہ وہ رسالہ ہے جسکے مطالعہ سے شطرنج باز کو تہذیب اخلاق، منطق، حکمت، کلام، طب، ہندسہ، فقہ اور اصول وغیرہ علوم کا شوق پیدا ہو جائے کیونکہ اس میں ہر فن کے نمونے کھیل کی شکل میں

بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۸) رسالہ آدابِ نکاح۔ اس رسالہ میں فلسفۂ نکاح اور شرعی احکام کو عقلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۱۹) رسالہ فوائد صوم۔

(۲۰) برہان۔ اس رسالہ میں رمل، جفر، شگون، فال، قرعہ، استخارہ، تسخیر اور ٹوٹکہ کا باطل ہونا اور جادو کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

(۲۱) رسالہ امکان خرق عادات۔ اس رسالہ میں عقلی طور پر خرق عادات کی حقیقت کی تشریح کی گئی ہے۔

(۲۲) تربیت و تعلیم علوم و تربیت اطفال۔

(۲۳) طریق انتظام ملک۔

(۲۴) طرز تحریر۔ اس رسالہ میں احکام، اخبار، عرضی، ترجمہ، علمی مطالب، معاملاتِ شوقیہ، تعزیت، تہنیت، سفارش کے لکھنے کا فرق، اور رزیڈنسی و ایجنسی کی تحریر کی وضع بیان کی گئی ہے۔

اپنی تصنیفات کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

> "میرے بعد جس کے بھی ہاتھ یہ رسائل لگیں اگر اپنے ہی نام سے شائع کر دے تب بھی ہم خوش ہیں اور اگر کسی نالائق کے ہاتھ پڑ گئے وہ تو دوا فروشوں کے حوالہ کر دے گا"[1]

بد قسمتی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبد القادر کا یہ اندیشہ صحیح نکلا اور یہ تمام قیمتی ذخیرہ

---

[1] علم و عمل۔ ص ۲۰۷

کتب آج قطعاً ناپید ہے اور علمی دنیا اُن سے استفادہ کرنے سے محروم ہے۔

مولوی عبدالقادر کے اس مجموعۂ تصانیف کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) مذہبی (۲) تاریخی (۳) علمی و ادبی۔ مذہبی تصنیفات ہیں۔ (۱) تعلیقات بر جامع البرکات (۲) شرح حکم مرتضوی (۳) ترجمہ رسالہ حسن العقیدہ (۴) شرح رسالہ عقائد شاہ عبدالعزیز (۷) کشف حقیقتِ دعا و اجابت (۸) رسالہ قبلہ نما (۹) رسالہ آدابِ نکاح (۱۰) رسالۂ فوائد صوم۔ (۱۱) برہان (۱۲) رسالہ امکان فرق عادات۔ شامل ہیں یہ تصنیفات مولوی عبدالقادر کے علم و فضل پر دال ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث، فقہ، عقائد اور کلام پر کیسی ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ مولوی عبدالقادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے خانوادہ سے خاص طور سے متاثر ہیں۔ افکار و خیالات کے اعتبار سے بھی ولی اللہی مسلک کے متبع ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی مجلس وعظ میں بڑی عقیدت سے شریک ہوتے ہیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہید کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔

تاریخی کتابوں میں (۱) رسالہ ہشت ورق اور (۲) تاریخ احوال اجمیر و مارواڑ ہیں۔ پہلی کتاب تو صرف آٹھ اوراق پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ مختصر سا رسالہ ہوگا۔ دوسری کتاب تاریخ احوال اجمیر و مارواڑ ضخیم ہونی چاہیئے۔

علمی و ادبی عنوان کے تحت (۱) سہو اقلام علماء علام (۲) شرح میزان البلاغت شاہ عبدالعزیز (۳) رسالہ عروض (۴) قواعد اردو (۵) حکایات زبان اردو (۶) امثال ہندی و فارسی (۷) رسالہ شطرنج (۸) تربیت و تعلیم علوم و تربیت اطفال (۹) طریق انتظام ملک (۱۰) طرز تحریر آتی ہیں۔ ان کتابوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر نے اس زمانہ میں بعض کتابیں اردو زبان میں لکھی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کتابیں انگریزی

حکام کو اُردو سکھانے کی غرض سے تصنیف کی ہوں گی۔ اُردو نثر کی ابتدائی اور تدریجی ترقی کے مطالعہ میں یہ تصنیفات خاص اہمیت کی مالک ہیں۔ مگر افسوس کہ آج ان نوادر کے صرف نام ہی ملتے ہیں۔ اس سلسلہ میں رسالہ عروض، قواعد اُردو، حکایات زبان اُردو اور امثال ہندی و فارسی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولوی عبدالقادر جس طرح صاحب تصنیف تھے اسی طرح صاحب درس بھی تھے اور اس فن سے ان کو طبعی مناسبت تھی پہلی مرتبہ جب وہ مراد آباد پہنچے تو وقت گذاری کے لئے مُراد آباد کی شاہی مسجد میں پہنچ جاتے وہاں اکثر طلبا رکتابیں لے آتے اور مولوی عبدالقادر سے استفادہ کرتے۔ سفر بنگال میں بھی بعض لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ نواب عنایت اللہ خاں نے رام پور میں ان سے "شافیہ" پڑھی اکثر انگریز حکام نے اُردو فارسی کی تحصیل کی لیکن جب ۱۸۳۸ء کے بعد وہ دہلی پہنچے تو اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب (ف ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب (ف ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء)۔ شاہ ابوسعید مجددی (ف ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء) شاہ غلام علی (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) شاہ محمد اسمٰعیل (ف ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) مولوی رشید الدین خاں (ف ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) اور مولانا فضل امام (ف ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء) وفات پا چکے تھے۔ ان کے جانشین اور فیض یافتہ علماء مسند درس و تدریس اور سجادہ رشد و ہدایت سنبھالے ہوئے تھے، اور دہلی کی علمی روایات برقرار تھیں۔ اکثر علماء درس و تدریس اور علوم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف تھے۔

ان علمائے ربانیین میں شاہ مولانا محمد اسحاق (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) شاہ احمد سعید مجددی (ف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) شاہ عبدالغنی (ف ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) مفتی صدر الدین (ف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) مولانا مملوک علی (ف ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) اور مولوی کریم اللہ دہلوی (ف ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) مولوی کرامت علی (ف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)

سر فہرست ہیں۔ ان ہی علماء کے ساتھ ہمارے مولوی عبد القادر بھی دہلی میں درس دیتے ہیں چنانچہ آخری زمانہ کے نامور عالم (شمس العلماء) میاں نذیر حسین دہلوی نے (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) مولوی عبد القادر سے تحصیل علم کی [1] دہلی کی یہ علمی فضا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ چنانچہ جب ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں نواب صدیق حسن تحصیل علم کی غرض سے دہلی پہونچے تو اس وقت کی دہلی کے متعلق اُن کے سوانح نگار لکھتے ہیں :۔

"دہلی کو نہ صرف مہاراجگان ہند کی راجدھانی اور سلاطین مغلیہ کی دار السلطنت ہونے کا فخر حاصل رہا ہے بلکہ وہ ہمیشہ اکتشافات علمی اور نشر علوم مذہبی کا جامعہ کلیہ، صناعات و فنون کا بیت الحکمت اور معارف سلوک و طریقت اور ارشاد کا مرجع عام رہا ہے۔ اگرچہ پچھلے زمانہ میں طوائف الملوکی اور مسلمانوں کی جلد جلد تنزل پذیر حالت نے اس کو بجائے دار السلطنت ہونے کے بازیچہ روزگار اور بجائے سرچشمہ علوم و فنون ہونے کے ماتم کدہ علم و عمل اور بجائے ادب گاہ صفا ہونے کے دار الفتن بنا دیا تھا جس کو ایک مختصر مگر جامع اور مانع الفاظ میں اجڑا دیار کہہ سکتے ہیں۔ پھر بھی اس کی خاک پاک میں جابجا ایسے طلائی ذرے موجود تھے جو اس کی مٹی کو اکسیر شعار اور اس کے در کی جبیں سائی کو سرمایۂ سعادت کونین بنائے ہوئے تھے۔ دور دور کے تشنگانِ علم اور طالبان سلوک شدِّ رحال کر کے وہاں آتے تھے اور نعمت علم و سلوک سے متمتع اور سیراب ہو کر واپس جاتے تھے" [2]

---

[1] الحیاۃ بعد المماۃ از فضل حسین ص ۳۶ (مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء)

[2] مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والاجاہی از نواب علی حسن خاں حصہ دوم ص ۱۰ (مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)

بقول صاحب تذکرہ کاملانِ رام پور جب مولوی عبدالقادر دہلی پہونچے تو آخری مغل بادشاہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ سے بھی ان کا تعلق رہا اور اس زمانہ کی مجلس میں ایک امتیاز کے مالک ہوئے - مرزا غالب اور نواب مصطفٰے خاں شیفتہ سے روابط تھے - مولوی عبدالقادر شاعری میں اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لغات اور اصطلاحات کی بھرمار ہو - مرزا غالب کا اس زمانہ میں مشکل پسندی کی طرف رجحان تھا وہ مرزا بیدل کے پیرو تھے جیساکہ وہ خود فرماتے ہیں -

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا   اسد اللہ خاں قیامت ہے

مرزا غالب بڑی جانکاہی اور جگر کاوی سے ایسا کلام کہتے تھے جو الفاظ و تراکیب کے لحاظ سے نہایت پرشکوہ اور شاندار معلوم ہوتا مگر معنٰی کے اعتبار سے چیستاں ہوتا تھا مولوی عبدالقادر عمگینؔ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ انداز میں مرزا غالبؔ کو سمجھایا کہ مشکل لغات اور پُرشکوہ الفاظ، کلام کی خوبی نہیں ہیں اور یہ طرز و انداز صحت مندانہ فکر اور قبولیت عام کے عنصر سے عاری ہے[1] اس واقعہ کو خواجہ الطاف حسین حالیؔ اس طرح لکھتے ہیں -

"ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رام پوری نے جو نہایت ظریف الطبع تھے جن کو چند روز قلعہ دہلی سے تعلق رہا تھا مرزا (غالب) سے کسی موقعہ پر یہ کہا کہ آپ کا ایک شعر سمجھ میں نہیں آتا اور اسی وقت دو مصرعے خود موزوں کرکے مرزا کے سامنے پڑھے -

پہلے تو روغنِ گُل بھینس کے انڈے سے نکال   پھر دوا جتنی ہے گُل بھینس کے انڈے سے نکال

---

[1] ملاحظہ ہو یادگار غالب از خواجہ الطاف حسین حالی ص ۹۸ تا ۱۰۲ (شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور ۱۹۳۲ء)

مرزا سُن کر سخت حیران ہوئے اور کہا کہ حاشا یہ میرا شعر نہیں ہے۔ مولوی عبدالقادر نے
از راہِ مزاح کے کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے اور دیوان ہو تو میں اب
دکھا سکتا ہوں آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھ پر اس پیرایہ میں اعتراض کرتے ہیں اور گویا یہ
جتاتے ہیں کہ تمہارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں"[1]

صاحب تذکرہ کاملان رام پور اس سلسلہ میں یہ نشاندہی فرماتے ہیں کہ مرزا غالب سے نواب مصطفےٰ خاں نے کہا کہ مولوی (عبدالقادر) صاحب نے آپ کے کلام سے ظرافت کی ہے[2]

خواجہ الطاف حسین حالی اس قسم کے واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان نکتہ چینیوں اور تعریضوں سے مرزا غالب متنبہ ہوئے اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہِ راست پر آ گئی۔

مولوی عبدالقادر نے اردو زبان کے محاورات تذکیر و تانیث، سند الفاظ، اور کلام کی سلاست و روانی کے سلسلہ میں بڑی صحت مندانہ بحث کی ہے اور جانبدارانہ انداز میں میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا پر بھی تنقید کی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر جیسے نقادان سخن کی نکتہ چینیوں اور تعریضوں سے مرزا غالب نے مشکل پسندی کو چھوڑ کر سلاست و روانی کو اختیار کیا۔

مولوی عبدالقادر، نواب محمد سعید خاں، نواب رام پور کے عہد میں دہلی سے رام پور گئے نواب صاحب نے اول عدالت دیوانی و فوجداری میں مفتی مقرر فرمایا۔ اور اس کے بعد مدرسہ عالیہ کے نگراں اور حاکم مرافعہ مقرر ہوئے اور آخر وقت تک رام پور میں رہے رام پور میں عام طور

---

[1] یادگارِ غالب ص ۱۰۱

[2] تذکرہ کاملانِ رام پور ص ۲۴۳

سے مولوی عبدالقادر چیف کے نام سے مشہور تھے۔ ۷ رجب ۱۲۶۵ھ [1] میں رام پور میں انتقال ہوا اور مولانا جمال الدین کے حظیرہ میں دروازہ کے پاس بیریوں کے نیچے دفن ہوئے۔ منشی امیر احمد مینائی مرحوم لکھتے ہیں کہ "پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر پائی۔ بارہ سو پینسٹھ میں رجب کی ساتویں تاریخ زیر خاک آرام کیا۔" [2]

منشی امیر احمد مینائی مرحوم کا یہ بیان کہ مولوی عبدالقادر نے پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر پائی درست نہیں ہے کیونکہ مولوی عبدالقادر کی پیدائش ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء کی ہے جیسا کہ انھوں نے خود مختلف بیانات میں کہا ہے اور ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں ان کا انتقال ہوا لہذا انتقال کے وقت ان کی عمر ستر سال کی تھی نہ کہ بقول منشی امیر احمد مینائی ۶۵ سال کی۔

مولوی عبدالقادر نے دو بیٹے یادگار چھوڑے، بڑے بیٹے مولوی مرزا عبدالہادی اور چھوٹے مرزا عبدالقیوم تھے۔ مولوی عبدالہادی سرکار انگریزی میں ملازم رہے اور ڈپٹی کلکٹری تک ترقی کی۔ ان کے صاحبزادے مرزا نصیر الدین تھے جنھوں نے مشہور روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے حالات میں ایک کتاب "نجیب التواریخ" مرتب کی تھی۔ نصیر الدین کے بیٹے مرزا امیر الدین ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ تھے۔ کراچی میں انتقال ہوا۔ مرزا عبدالقیوم کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

ترتیب کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ مترجم نے تمام ترجمہ ایک دفتر [3] میں لکھا ہے نہ کوئی عنوان ہے نہ پیراگراف، ابواب کی تقسیم، پیراگرافوں کی پابندی، عنوانات یہ سب

---

[1] ۷ رجب ۱۲۶۵ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۴۹ء۔

[2] انتخاب یادگار ۲۷۳

[3] مصنّف کا خود نوشت نسخہ عبدالسلام کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

ہمارے قائم کئے ہوئے ہیں۔ مترجم نے ترجمہ میں لفظی پابندی پر زور دیا ہے ہم نے بامحاورہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے۔ اصل کتاب جابجا کرم خوردہ ہے۔ اس لئے ترجمہ میں بھی وہ مقامات چھوٹے ہوئے ہیں۔ خاص طور سے انگریزی حکام کے نام نہایت غلط تحریر ہوئے ہیں۔ حتی الوسع ان ناموں کی صحت کردی گئی ہے لیکن پھر بھی بعض مشتبہ معلوم ہوتے ہیں ترتیب و حواشی کے سلسلہ میں ہمیں سب سے زیادہ مدد اپنے ذاتی کتب خانہ سے ملی۔ اس کے علاوہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے کتب خانوں سے بھی مدد ملی۔ بعض اہم کتابیں مخدومی مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب اور محترمی مولوی محمد سلیمان بدایونی صاحب کے ذخائر علمی سے ملیں جس کے لئے ہم ان ہر دو بزرگوں کا منت پذیر ہوں۔

جن کتابوں کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ہے۔ ان میں مؤلف کے نام، مطبع، مقام اور سن طباعت کو ضرور لکھا گیا ہے اکثر ایسی کتابیں ملیں جن میں سن طباعت یا بعض اوقات مقام طباعت بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قوسین میں مطبوعہ لکھ دیا ہے۔ خاتمہ کتاب میں دو ضمیمے نوابان رام پور اور دہلی کے رزیڈنٹ و ایجنٹ۔ فہرست کتب حوالہ جات اور اشاریہ بھی شامل کئے گئے ہیں۔

آخر میں ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ اگر اس کتاب کے حواشی یا ترتیب میں کوئی سقم یا کمی نظر آئے تو اس کو خاکسار مرتب کی قلت علمی اور بے بضاعتی پر محمول فرمائیں۔

کراچی۔

خاکسار۔ محمد ایوب قادری
۲۰؍ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ
مطابق ۱۹؍ جنوری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا خمیرِ اوّلین آب و گل سے عبارت ہے
اور آخر کار زیرِ خاک ہی جانا ہے۔ چنانچہ ہماری یہ آمد و رفت
خود اختیاری نہیں بلکہ یہ چند روزہ زندگی بھی کسی اور ہی کے
قبضہ میں ہے جو بے حد ہوشیار اور بے مثل قدرت والا
ہے۔ جس نے اس قالبِ خاکی میں جان ڈالی پھر عقل و
ہوش بخشا اور ہماری جنس میں سے ایک ایسی ذات[1] کو پسند
کیا جس نے تمام اشیاء کو کانٹے کی تول کر دکھایا تاکہ ہم لوگ
ظلم و ستم سے باز رہیں اور جب عالمِ آخرت میں پہونچیں تو ہمیشہ
آرام سے رہیں یہ بے بضاعت اس سے زیادہ کیا حمد و ثنا
کر سکتا ہے۔

عبدالقادر

[1] حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

باب اوّل

خاندان

میرے بزرگوں میں اسحاقؔ نامی آذربائیجان میں ایک خانہ نشین شخص تھے جو خشک سالی کی بنا پر آذربائیجان سے ہرات پہونچے اور چند روز وہاں قیام کیا اور ہرات میں احمد نامی . . . بیٹا[1] بچپن ہی میں رہنمائی کی بنا پر سب سے پہلے سینہ کو گنجینۂ عرفان بنایا، احمد نے اُس زمانہ میں ہندوستان کا راستہ لیا، جبکہ محمود خاں اور اشرف خاں افغان، ایران میں ہنگامے کر رہے تھے۔ احمد سیدھے دہلی پہونچے کچھ عرصہ تک ان کو کسی نے نہ پوچھا یہاں تک کہ جو کچھ سرمایہ پاس تھا خورد و نوش میں ختم ہوگیا اور سوائے رحمت باری کے کوئی ذریعہ نہ رہا تب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور بغیر کسی کی دستگیری کے مدرسہ غازی الدین[2] میں امامت کی جگہ مل گئی اور مولوی نذیر محمد مدرس اور مرزا جان (متولی) سے دوستانہ بلکہ برادرانہ راہ و رسم پیدا ہوگئی۔ مرزا احمد کا ایک برلاسی نسل کی لڑکی سے عقد ہوگیا جس سے تین لڑکے محمد اعظم، محمد معظم اور محمد اسلم پیدا ہوئے سب نے پیشہ سپہ گری اختیار کیا، محمد معظم عالم نوجوانی میں نظام الدین اولیاؒ کے راستہ

---

[1] و [2] (مرزا) اسحاق ۱۰۹۰ھ ۱۶۷۹ء میں تبریز میں پیدا ہوئے اور نادر شاہ کی جنگ میں ہرات میں فوت ہوئے مرزا احمد (مرزا) اسحاق کے بیٹے تھے تحصیل علوم مروجہ نامور علمائے کی علم حدیث میں محدث کا درجہ رکھتے تھے ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء اور ۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء کے درمیان دہلی آئے احمد محدث کا ۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء میں انتقال ہوا۔

(تذکرہ کاملان رام پور از حافظ احمد علی خاں شوق ص ۳۶۸، ۳۶۹ مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء)

[3] مدرسہ غازی الدین خاں فیروز جنگ المتوفی ۱۷۱۰ء (والد نظام الملک آصف جاہ اول) نے اجمیری دروازہ کے پاس قائم کیا تھا مدرسہ کی عمارت کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کرائی تھی اور پاس ہی مقبرہ بنوایا جہاں خود دفن ہوئے۔ اس مدرسہ کا دوسرا دور ۱۷۹۲ء میں شروع ہوا اور ۱۸۲۵ء میں یہ مدرسہ دہلی کالج میں تبدیل ہوگیا جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی کی ایک مشہور درسگاہ تھی۔ مولوی عبدالحق صاحب نے "مرحوم دہلی کالج" میں مدرسہ غازی الدین کا بانی فیروز جنگ ثانی خلف نظام الملک آصف جاہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی ص ۲۳ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۲۳ء و "مرحوم دہلی کالج" از مولوی عبدالحق ص ۳ مفید عام پریس لاہور ۱۹۴۵ء)

میں گھوڑے سے گر کر جاں بحق تسلیم ہوا اور محمد معظم باپ کی اطلاع بغیر دکن کو روانہ ہو گیا پھر اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ محمد اسلم باپ کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا اور اس کا نکاح خواجہ محمد امین پسر خواجہ محمد اسحاق کی لڑکی کے ساتھ ہو گیا خواجہ محمد امین اس شہر دہلی میں نووارد تھے اس کے بعد جب شہر دہلی ایرانی مسلمانوں[۲] اور کافران دکن[۳] کے ہاتھوں تباہ ہوا تو محمد اسلم والدین کے حکم سے اپنی بیوی اور ہفت سالہ لڑکے محمد اکرم کو چھوڑ کر قاسم علی خان[۴] عالیجاہ کے لشکر میں بنگال پہونچے اور وہاں اپنی آسائش کا سامان فراہم کر لیا اور وہیں رہنے کا ارادہ کر لیا کہ........[۵] خط لکھا کہ نامہ بر کے ہمراہ فوراً چلے آئیں وہ وہاں سے روانہ ہو کر مراد آباد پہونچے تھے کہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور دوسرا نامہ بر پہونچا کہ جہاں بھی پہونچے ہوں آگے پیر نہ بڑھائیں جہاں بھی ہوں اس شہر مراد آباد میں خاندان رستم خاں عالمگیری کے کہ......[۶] سید احمد امیر کبیر قشول افغانان کھیڑ کے درمیان بھی کوئی شناسائی نہ رکھتے تھے ان کے ہمسایہ کے مکان پر........[۶] اور ان بزرگوار نے جو کچھ نوکری میں فراہم کیا تھا قاسم علی خاں کی شکست[۷] میں.........[۸] اور بہ ہزار دشواری بانس بریلی تک آیا اور کاروان سرائے میں قیام کیا سواری کا گھوڑا مر چکا تھا گوڑی پاس نہ رہی تھی راستہ کی تکالیف کی وجہ سے سخت بخار میں مبتلا ہوا اور بیماری نے طول کھینچا اب گو........[۹] بھا لیکن چل نہیں سکتا تھا........[۱۰] آرام لیا.........[۱۱] دروازہ پر آیا.........[۱۲] سوداگر سے کے

۲ه حملۂ نادرشاہ ۱۷۳۹ء ۳ه مرہٹہ گردی ۱۷۵۷ء

۴ه قاسم علی خاں کو انگریزوں نے ۱۷۶۰ء میں میر جعفر کی بجائے مرشد آباد کا نواب بنایا تھا۔

۵ه یہ مقام کرم خوردہ ہے۔ مفہوم واضح ہے کہ محمد اسلم نے اپنے اہل و عیال کو بلانے کا ارادہ کیا تھا

۶ه و ۶ه یہ مقامات کرم خوردہ ہیں ۷ه قاسم علی خاں نواب مرشد آباد نے جب انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننا پسند نہ کیا تو انگریزوں نے ۱۷۶۳ء میں دوبارہ میر جعفر کو مرشد آباد کا نواب بنا دیا ۱۷۶۴ء میں قاسم علی خاں بریلی پہونچے حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے بہت کچھ دلدہی اور خاطر مدارات کی اور اپنی پناہ میں لے کر آنولہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقام اتر چھیدی میں نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی حویلی میں مقیم کیا جہاں وہ پانچ سال رہے ۱۷۷۷ء میں قاسم علی خاں کا دہلی میں انتقال ہوا۔ (حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی صفحہ ۳۲ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۶۹۵-۷۱۳ از غلام حسین طباطبائی مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۹۷ء تاریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ مؤلفہ رحمن علی طیش مطبوعہ مطبع اشاعت آرہ ۱۹۱۰ء تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار صفحہ ۳۱۰-۳۱۵ مؤلفہ لالہ حیدر فرق مطبوعہ مطبع اکبری پٹنہ ۱۹۱۵ء

۸ه، ۹ه، ۱۰ه، ۱۱ه و ۱۲ه یہ مقامات کرم خوردہ ہیں مگر سیاق و سباق سے مفہوم واضح ہے۔

لڑکے نے جس کی دہلی میں مدرسہ (غازی الدین) کے سامنے دکان تھی اس کو (محمد اسلم) دیکھ کر پہچان لیا اور کہاکہ میاں تمہارے بیوی بچے تو مراد آباد میں ہیں تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا کچھ نہیں تنگدستی اور ناتوانی کی وجہ سے نہ چلنے کی طاقت ہے اور نہ رہنے کی کوئی صورت، سوداگر نے کہاکہ جو کچھ ہمیں میسّر ہے وہ تمہاری ہی برکت سے ہے کل میں اپنے آدمیوں کو بلانے کے لئے مراد آباد بہلی بھیج رہا ہوں اس سے بہتر کیا ہوگا کہ تم اس میں بیٹھ کر آرام سے گھر پہونچ جاؤ انہوں نے اس کی اس آشنا دوستی کی خوب داد دی اور علی الصباح بریلی سے مراد آباد کو روانہ ہوگئے اور مٹھی بھر ناتواں ہڈیوں کو بصد دشواری گھر پہونچایا چند روز زندہ رہے، مرض میں زیادتی ہوتی رہی علاج کے لئے ہاتھ تنگ تھا آخرکار اس خاکدان کو چھوڑ ہی دیا اور سید احمد کے اصطبل کے متصل قبرستان میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔[1]

مرزا محمد اکرم

محمد اسلم نے ایک ہشت سالہ لڑکا مسمی محمد اکرم چھوڑا جس کا سرپرست سوائے اس کی ماں کے کوئی نہ تھا ماں نے ہی اس کو قرآن شریف پڑھایا اس کے بعد مادر مشفقہ اپنی بڑی بہن سے ملاقات کے لئے مصطفےٰ آباد عرف رام پور آئیں رام پور مراد آباد سے جانب مشرق دس کوس کے فاصلے پر ہے ان کی بہن مولوی محمد مقیم صاحب[2] (نواب فیض اللہ خاں کے فرزند محمد علی خاں کے استاد) کی بیوی تھیں انہوں نے کہاکہ بنسبت مراد آباد کے تمہارا یہاں رہنا بہتر ہے کیونکہ وہاں تمہارا غم خوار کون ہے؟ انہوں نے بھی اس کو منظور کر لیا۔ . . . .[3] تو دل سے سن کر کبوتروں کو اپنے ہم عمر دوستوں کے

---

[1] مرزا محمد اسلم کا انتقال مراد آباد میں ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء میں ہوا (تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۶۹)

[2] مولوی محمد مقیم نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی طرف سے بطریق سفارت گورنر کے پاس بھی آتے جاتے تھے (تذکرہ کاملان رامپور ص ۳۶۳)

[3] یہاں ایک صفحہ متن کتاب سے غائب ہے مگر اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس مقام پر مولوی عبدالقادر نے اپنے والد مرزا محمد اکرم اور اپنی پیدائش کا ذکر کیا ہے مرزا محمد اکرم کا مفصل حال تذکرہ کاملانِ رام پور میں تحریر ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے:-

"مرزا محمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم —— مرزا محمد اسلم کے انتقال کے وقت مرزا اکرم کی عمر سات سال کی تھی آپ اپنی والدہ کے ساتھ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء میں اپنی خالہ مولوی محمد مقیم کی بیوی کے گھر رام پور آئے تحصیل علم کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء میں آپ کی شادی مراد آباد محلہ مغلپورہ میں مرزا غلام مصطفےٰ بیگ کی دختر سے ہوئی عطاری کی صحبت سے رغبت تھی اردو شاعری کا مذاق بھی تھا آشنا تخلص تھا تمام عمر صاحبزادہ نظام علی خاں خلف نواب فیض اللہ خاں کے مصاحبوں میں رہے ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں رام پور میں انتقال ہوا اور شاہ بغدادی کے احاطہ مزار میں چبوترہ کے نیچے دفن ہوئے آپکے تین فرزند مولوی مفتی عبدالقادر خاں، مرزا

(اگلے صفحہ پر)

سپرد کیا[1]

تعلیم و تربیت

اسی عرصہ میں میری نانی جو میری دادی کی طرح سوائے میری والدہ کے کوئی اور اولاد نہ رکھتی تھیں اس (والدہ) کی جدائی سے پریشان تھیں۔ میری دادی کے بلانے پر گھر اور عزیزوں کو مُراد آباد چھوڑ کر رام پور پہونچ گئیں اور اپنی لڑکی کے ساتھ رہنے لگیں چار سال تک یہ دونوں بوڑھیاں میری پرورش کرتی رہیں۔ میری زبان کھلتے ہی سب سے پہلے لفظ اماں، ابا سے آشنا ہوئی اور وہ (دادی) میری والدہ کو بھی دہلی کی اُردو سکھاتی تھیں اور ہمیشہ یہ رہتا کہ جو بات مراد آباد کے محاورہ کی، دہلی کے محاورہ کے خلاف زبان پر آتی ان (والدہ) کو اس پر فوراً متنبہ کر دیتیں جب میری زبان سے حرف صاف نکلنے لگے تو مولانا (مفتی شرف الدین رام پوری) نے مجھے آیہ کریمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا[2] بطریق رسم سکھائی۔ پھر دادی اور نانی نے خورونوش کا وہ طریقہ جس سے دیکھنے والے کو ناگوار نہ گزرے، بتایا کہ غٹ غٹ کی آواز نہ نکلے اور پانی کا اتنا گھونٹ نہ لے کہ حلق میں گھٹ جائے اور کسی کے سامنے اشیائے خوردنی دیکھ کر اس پر نظر نہ جمائے اور بے بلائے جا کر پہلو بہ پہلو نہ بیٹھے بلکہ اجازت ہوتے ہوئے فاصلہ سے سامنے بیٹھے آنکھ ناک اور منہ کو صاف رکھے۔

بسلسلہ صفحہ گزشتہ:۔

محمد ناصر اور مرزا غلام باسط یادگار چھوڑے"۔ (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۳۶۹)

منشی امیر احمد مینائی انتخاب یادگار میں لکھتے ہیں:۔

"مرزا محمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم مرد متین تھے ظریف و ذہین تھے کلام میں لطافت ہے ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء سال رحلت ہے پچھتر سال کی عمر پائی چند شعر ملے وہ درج تذکرہ ہوئے۔

شانہ جو ہاتھ سے اک بار گر پڑا | آنکھوں کی اپنی جب اسے مستی نظر آئی
آخر کار نہ اٹھا بزم سے زنی ظالم | ایسے ملنے کے نہیں ناز اٹھانے والا

(انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی مطبع المطابع لکھنؤ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء)

مرزا محمد اکرم کا سال وفات ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء ہے انتخاب یادگار میں سال وفات صحیح نہیں لکھا ہے اسی طرح ان ہر دو تذکرہ نویس مولف تذکرہ کاملان رام پور و مولف انتخاب یادگار نے جس جگہ مولوی عبدالقادر خاں کا حال تحریر کیا ہے وہاں ان کے والد کا نام مرزا محمد اکرم کے بجائے مرزا محمد کرم لکھا ہو جو صحیح نہیں ہے۔

[1] ایسا معلوم ہوتا ہو کہ مولوی عبدالقادر کو بچپن میں کبوتروں سے دلچسپی تھی جب ان کو نصیحت کی گئی تو کبوتر دوستوں کے سپرد کر دیئے۔

[2] (ترجمہ) سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو اولاد نہیں رکھتا اور نہ کوئی اس کے ملک میں شریک ہوا اور نہ کوئی کمزوری کا سہارا ہے اس کی بڑائی کرو بڑا جان کر۔

میرے والد جب مجھ کو مولانا (مفتی شرف الدین) کے سامنے لے جاتے تو وہ ہر کام اور ہر وقت کی مقررہ دُعائیں مجھے تعلیم فرماتے، چنانچہ جب میری عمر کے چار سال چند ماہ گزر گئے تو برسم اہلِ اسلام طے ہوا کہ بزمِ احباب میں قرآن شریف کی تعلیم شروع کرائی جائے حسب الارشاد جناب مولانا (مفتی شرف الدین) میں نے سورۂ اقرا زبانی پڑھ دی اگرچہ ہنوز حرف شناس نہ تھا مگر والدہ صاحبہ کی زبانی یاد کر چکا تھا اس کے بعد دادی صاحبہ نے قرآن شریف کی تعلیم دی جب تک آموختہ ٹھیک نہ سُن لیتی تھیں کسی بات کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ بلکہ کبھی کبھی یاد کر لینے سے پہلے کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف ختم ہوا اور حضرت مولانا نے نماز سکھائی، اب کچھ نماز کی تاکید بھی مجھ پر ہونے لگی چونکہ اس وقت جداگانہ معلم رکھنے کی گنجائش نہ تھی اور والدین خرد سالی کی بنا پر عام مکتبوں میں جہاں عام لوگوں کے بچے بھی ہوتے ہیں بھیجنا مناسب نہ سمجھتے تھے لامحالہ چودہ برس کی عمر تک گھر میں پرورش پاتا رہا۔ دادی نے پند نامہ سعدی (کریما) اور منطق الطیر خواجہ فرید الدین عطار پڑھائی اس کے بعد والد صاحب اگر مصاحبت (صاحبزادہ نظام علی خاں) سے جو شبانہ روز کی حاضر باشی تھی فرصت پاتے تو کبھی چند سطر گلستاں کی اور کبھی ایک دو شعر بوستاں کے اور کبھی کسی کی تحریر پڑھنے کے لئے مجھے دیتے اور اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا کہ جو بات ایک مرتبہ میری زبان سے ٹھیک نکل گئی اس کو دوبارہ خود نہ کہتے بلکہ میں ہی اس کو کہتا اور اگر میں اپنی فراموشی کا اظہار کرتا تو کچھ سخت سُست کہنے کے بعد یاد دلا دیتے۔

والد صاحب کو جس وقت فرصت ملتی روزانہ ایک مرتبہ حضرت مولانا (مفتی شرف الدین) کی خدمت میں حاضر ہو کر مذہبی و ادبی علوم اور تہذیب اخلاق حاصل کرتے تھے، حضرت مولانا کی تعلیم کی برکت سے میرے والد نے باوجود عالم جوانی کے اقوال و افعال میں وہ طرز بزرگانہ حاصل کر لیا کہ رندوں اور زاہدوں کے دل مسخر ہونے لگے۔

کوائف رام پور

جب میری عمر تیرہ سال ہو گئی[1] تو شہر (رام پور) میں ایک عام حادثہ پیش آیا کہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء کو نواب فیض اللہ خاں[2] والی شہر نے ایک ذیل کے عارضہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ مولف کی سن پیدائش ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء ہے۔

[2] نواب فیض اللہ خاں پسر نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء میں آنولہ میں پیدا ہوئے جب انتظامی امور کے لحاظ سے روہیل کھنڈ کی تقسیم کی گئی تو شاہ آباد اور رام پور وغیرہ کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو ملا ۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر (باقی اگلے صفحہ پر)

میں جو نا گہاں ان کی پشت پر نکل آیا تھا اس دار فانی کو چھوڑ کر ملک جاودانی کی راہ لی اور نواب محمد علی خاں[1] ان کے بڑے لڑکے اور ولی عہد ان کے جانشین ہوئے اور باپ کے خزانہ کو جو ستر لاکھ سے زیادہ نصرت خاں مرحوم کے مکان میں اس کے لڑکوں شجاعت خاں، فیض محمد خاں اور دوست محمد خاں کی تحویل میں تھا وہاں سے اٹھوا کر اپنے گھر منگوا لیا لیکن بموجب فرد تین لاکھ روپے کی اشرفیاں کم نکلیں اور یہ تینوں فرزند پابہ زنجیر ہوئے۔

نواب محمد علی خاں کے سب بھائی یعنی حسن علی خاں، فتح علی خاں، غلام محمد خاں، یعقوب علی خاں قاسم علی خاں اور کریم اللہ خاں (جو اب تک[2] صحیح سالم مراد آباد میں ہیں) اور عموی زادوں میں

(سلسلہ صفحہ گزشتہ)

قبضہ کر کے صرف رام پور کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو چھوڑا۔ یہ رئیس نہایت باتدبیر۔ شجاع۔ مدبر۔ خدا ترس اور پابند شرع تھا۔

(اخبار الصنادید از حکیم نجم الغنی رام پوری جلد اول ص ۵۹۸ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

[1] نواب محمد علی خاں نواب فیض اللہ خاں کے سب سے بڑے بیٹے تھے ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء میں پیدا ہوئے ان کی شادی محب اللہ خاں ولد دوندے خاں کی بیٹی اجان بیگم کے ساتھ ہوئی تھی جس سے احمد علی خاں پیدا ہوئے۔ نواب فیض اللہ خاں نے محمد علی خاں ہی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی زندگی ہی میں اپنے تمام عہدہ داروں بیٹوں اور بھتیجوں سے محمد علی خاں کو نذریں دلوا دی تھیں جیسا کہ جنگ نامہ دوجوڑہ سے اندازہ ہوتا ہے:

خلف ان میں تھا اک محمد علی — اسی پر پدر کی تھی شفقت ولی

وہ از بسکہ تھا پاک عالی مزاج — یہ چاہا پدر نے کہ دوں اسکو راج

لہٰذا اسے اپنے جیتے ہی جی — زروئے ولی عہدی دستاری دی

یہ کہتا تھا ہر ایک سے اے حبیب — محمد علی خاں ہے عالی نصیب

تولد ہوا گھر میں جب یہ پور — اسی دن سے دولت نے پایا ظہور

کیا اس لئے میں نے مختار اسے — دل و جاں سے کرتا ہوں میں پیار اسے

تم اس کو رئیس اپنا جانا کرو — کہے حکم جو اس کو ا نا کرو

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۰۶ و ۵۰۵)

[2] یعنی سال تدوین کتاب ۱۸۳۱ء

نصر اللہ خاں پسر نواب عبد اللہ خاں اور مصطفٰے خاں[1] پسر نواب اللہ یار خاں اور احمد یار خاں پسر نواب محمد یار خاں[2] (جو اب تک ٹانڈہ میں بسر اوقات کر رہے ہیں) سب نے اس کے فرمان پر سر تسلیم خم کر لیا مصطفٰے خاں اس وقت لکھنؤ میں تھے۔ مگر غلام محمد خاں نے جو نواب محمد علی خاں کا حقیقی بھائی تھا اور باپ کے زمانہ سے ریاست کے خواب دیکھ رہا تھا اپنے دل میں کچھ اور منصوبہ گانٹھا اگرچہ مسند نشین نے پہلے چاروں بھائیوں کو بطور خلعت ذوتسوا منشر فناں عطا کیں اور غلام محمد خاں کو جو اُن میں کمسن تھا مصاحبت اور فوجی مختاری کا امتیاز بھی بخشا لیکن اس کے حوصلے نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ فوج کے شوریدہ سروں مثل خاندان محمد عمر خاں اور مصطفٰے خاں عرف بچو خاں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور کہا کہ اس شخص کی ریاست میں اعلیٰ و ادنیٰ میں کوئی امتیاز نہ رہے گا[3] جیسا کہ اُس کے لڑکے کی خصلت سے ظاہر ہے۔

---

[1] مصطفٰے خاں نواب اللہ یار خاں کے فرزند تھے نواب فیض اللہ خاں نے اپنی ایک بیٹی (نواب محمد علی خاں کی حقیقی بہن) کا عقد مصطفٰے خاں کے ساتھ کر دیا تھا اور بطور فرزند کے ان کی پرورش کرتے تھے شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو "امتیاز الدولہ مبارز الملک نواب مصطفٰے خاں بہادر حشمت جنگ" کا خطاب دیا تھا رام پور کا نام ان ہی کے نام پر مصطفٰے آباد رکھا گیا نواب محمد علی خاں کے معاملہ کی کوشش نواب آصف الدولہ کے دربار میں نواب مصطفٰے خاں نے کی۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۹۴، ۲۹۵، ۵۹۴)

[2] نواب محمد یار خاں علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ کے پسر چہارم تھے آنولہ سے چار میل بجانب مشرق ٹانڈہ عرف محمد نگر میں سکونت ہو گئی۔ شاعری سے ذوق تھا امیر تخلص تھا ابتدا میں قائم چاند پوری سے مشورہ کرتے تھے اور انتہا میں مصحفی سے تلمذ ہوا۔ نواب امیر خاں کی سرپرستی کی بدولت قدوی لاہوری، میر محمد نعیم پروانہ علی شاہ مراد آبادی، میاں عشرت، حکیم کبیر علی سنبھلی وغیرہ ٹانڈہ میں مقیم رہے مصحفی نے ٹانڈہ کی پر لطف صحبتوں کو بڑی حسرت و آرزو سے لکھنؤ میں یاد کیا ہے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد ۱۱۸۸ھ میں شجاع الدولہ نے ٹانڈہ کو تاخت و تاراج کیا فیض اللہ خاں نے نواب محمد یار خاں کو رام پور بلا لیا اور پچاس ہزار روپے سالانہ مصارف کے لئے مقرر کر دیئے ذی قعدہ ۱۱۹۱ھ میں نواب محمد یار خاں کا رام پور ہی میں انتقال ہوا۔ (اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۵۶، ۵۵۹۔ انتخاب یادگار صفحہ ۳۱، ۳۲) تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ ص ۳۴۳ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ص ۱۹۰، ۱۹۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء) تذکرہ شعرائے اردو مؤلفہ میر حسن دہلوی ص ۱۳ مطبوعہ دہلی ۱۹۴۰ء۔ گلشن ہند از مرزا علی لطف ص ۳۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۰۶ء تذکرہ ہندی از مصحفی ص ۱۳-۱۵ مطبوعہ دہلی ۱۹۳۳ء طبقات الشعراء از قدرت اللہ شوق ص ۱۳۶ (تلخیص از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی علیگڑھ ۱۹۳۶ء)

[3] حکیم نجم الغنی رام پوری نے اپنی کتاب میں ان تمام اسباب کو مفصل بیان کیا ہے جن کی بنا پر سرداران روہیلہ نواب محمد علی خاں سے بگڑ بیٹھے

(اگلے صفحہ پر)

نوابؒ محمد علی خاں کی معزولی

جب (محمد عمر خاں اور مصطفےٰ خاں عرف بجو خاں) کے دونوں خاندان جو برادری، بہادری اور زور و زر کے لحاظ سے اس لشکر میں ممتاز تھے رئیس سے بدگمان ہوگئے، تب اوروں کو بھی اپنا ہمنوا کر لیا۔ بتاریخ ۱۴ محرم ۱۲۰۹ھ[1] کہ ابھی دو پہر بھی نہیں ہوا تھا ملا بدرالدین کو غلام محمد خاں نے رئیس (نواب محمد علی خاں) کے پاس یہ پیام لے کر بھیجا کہ اس کے سردار نہایت بددِل ہو کر میرے پاس آئے ہیں ان کی تسلی کے لئے ان کو دیوانخانہ میں لاتا ہوں حضور والا بے دماغ نہ ہوں بلکہ تسلی بخش کلمات فرما دیں۔ حکم ہوا لے آؤ اسی اثناء میں خدمت گار نے ادب سے جھک کر عرض کی کہ اس وقت شہر میں کچھ اور ہی شہرت اُڑ رہی ہے کہ ایک بھائی باپ کی مسند کا طالب آ رہا ہے، امیر پاک باطن نے (خدمت گار سے) فرمایا کہ ارے لڑکے بکواس نہ کر، اوّل تو وہ میرے بیٹے کے بجائے ہے دوسرے اس نے مجھ سے پختہ عہد و پیمان کر لیا ہے لوگ آپس میں بھڑانا چاہتے ہیں اس کے اور میرے درمیان تفرقہ ڈال کر اپنی گرم بازاری چاہتے ہیں۔ یہ باتیں ختم ہی ہوئی تھیں کہ دیکھا ایک گروہ کا گروہ ڈھال تلوار اور زرہ بکتر سے لیس محل سرائے کے زینے پر چڑھا چلا آ رہا ہے، نواب محمد علی خاں نے بھائی (غلام محمد خاں) کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ اس سرو سامانی کے ساتھ یہ گروہ کیوں آ رہا ہے؟ تب اس نے کہا:-

برادر چناں با برادر بگفت	کہ من حرف حق را نخواہم نہفت
کہا بھائی نے اپنے بھائی سے یوں	نہیں حرف حق کو چھپا ہی سکوں
ستمگارہ و کجرو و خود سری	نزیبد ترا بر جہاں سروری
تو ظالم ہے خود سر ہے بدکار ہے	تری سروری بس نہ درکار ہے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)
نواب محمد علی خاں کی طبیعت سخت گیر تھی وہ دربار آصفی کے آداب ان پٹھانوں پر جاری کرنا چاہتا تھا جنکے یہ لوگ عادی نہ تھے۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۰ و ۲۰۹)
نواب آصف الدولہ کی تعلیم و صحبت سے نواب محمد علی خاں نے مذہب امامیہ بھی اختیار کر لیا تھا۔
قیصر التواریخ جلد اول از کمال الدین حیدر حسینی ص ۱۰۳ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۰۶ء

[1] اخبار الصنادید جلد اول) اور انتخاب یادگار میں اس ہنگامہ کی تاریخ ۱۳ محرم ۱۲۰۹ھ تحریر ہے۔ [2] حکیم نجم الغنی رامپوری نے منتخب العلوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ نواب غلام محمد خاں نے کہا کہ "وہ آپ مسند سے اُتر جائیے تمام لوگ آپ سے ناراض ہیں اور میری فہمائش کو خیال میں نہیں لاتے۔ میں انکو بھی سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا اور انکو بھی فہمائش کرتے کرتے عاجز آگیا (اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۱۵)

تو بر خیز بنشیں بیک گوشۂ — رسانم ہمانجا ترا توشۂ
تو اب اٹھ یہاں سے پکڑ ایک گوشہ — تجھے میں وہیں پر دلاؤں گا توشہ!
شنید این و آمد چو شیر زیاں — کہ ناگہ رسد بر سر گلہ باں
یہ سنکر غضنفر جو بپھرا اُٹھا — سر گلہ باں پر اچانک سے پڑا
سپر باز لشکر ز سالار تیغ — تو گوئی کہ برق جہاں ست در میغ
ہر لشکری کی تھی تلوار شاہ — چمکتی تھی بجلی ز ابر سیاہ

اس مار پیٹ کے ہنگامے[1] میں اچانک امیر کا دامن پیر کے نیچے آگیا پیر پھسلا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس وقت غلام محمد خاں کے دستہ کے ایک بہادر جوانمرد غلام نامی[2] نے پیچھے سے تلوار ماری اوروں نے بھی چاہا کہ وہیں اس کا کام تمام کردیں لیکن سیف الدین[3] خاں خود سپر بن کر درمیان میں آ گئے بہادر خاں اور عظیم اللہ خاں (فرزند مصطفےٰ خاں) بھانجے نے پالکی میں ڈال کر دیوان عام کے مشرقی دروازے سے جواب نہیں ہے باہر نکالا اور باپ کی محلسرائے میں کریم اللہ خاں اور حسن علی خاں کی والدہ[4] کے پاس پہنچا دیا[5] اور کلو نام جراح کو علاج کے لئے مقرر کیا[6]۔

---

[1] حکیم نجم الغنی رام پوری نے جام جہاں نما (از قدرت اللہ شوق) کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جب نواب محمد علی خاں تلوار لے کر جھپٹے تھے تو سپاہی کائی کی طرح پھٹ گئے تھے گھبراہٹ میں بعض چبوترے کے تلے گر گئے نواب محمد علی خاں نے نواب غلام محمد خاں پر کئی وار کئے مگر سرداروں کی سپروں کی آڑ کی وجہ سے ان کے کوئی زخم نہ آیا" (اخبار الصنادید جلد اول ص۶۱)

[2] حکیم نجم الغنی نے لکھا ہے کہ یہ تلوار بلند خاں نے ماری تھی۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص۶۱)

[3] سیف الدین خاں اور بہادر خاں نواب محمد علی خاں کے ماموں تھے (انتخاب یادگار ص۴۳)

[4] کریم اللہ خاں کی والدہ کا نام نہایت بیگم تھا جو قبیلہ بنزوال سے تھیں اور حسن علی خاں کی والدہ کا نام تاج بیگم تھا یہ قبیلہ کمال زئی سے تھیں (اخبار الصنادید جلد اول ص۶۱)۔

[5] محل میں پہنچکر نواب محمد علی خاں نے اپنے لڑکے نواب احمد علی خاں کو دو نصیحتیں کیں" ایک تو یہ کہ میں امامیہ مذہب ہوں اگرچہ جانتا ہوں کہ تجہیز و تکفین میری اس مذہب پر نہ ہوسکے گی مگر تم کو اپنے مذہب سے آگاہ کردیا! دوسری نصیحت یہ ہے کہ تم نواب وزیرالملک (نواب آصف الدولہ) کی سرکار میں متعین ہونا وہ ضرور تمہاری کمک کرینگے اور تم رئیس ہوجاؤ گے مگر وقت پاکر بطرز مناسب میرے دشمنوں سے انتقام ضرور لینا" یہ کہکر بے ہوش ہوگئے" (انتخاب یادگار ص۴۴)

[6] مولف جنگ نامہ دو جوڑہ نے معالج کا نام عبد الغفور لکھا ہو اور حکیم ظاہر کیا ہے۔
(اگلے صفحہ پر)

نواب غلام محمد خاں کی مسند نشینی

(ان واقعات کے بعد) ہر شخص نے نواب غلام محمد خاں کی نوابی کا مجرا ادا کیا۔ نواب محمد علی خاں کی حکومت کا رویہ بے حد پریشان کن تھا فوجی سردار جو چاہتے کر گزرتے، اُسی روز نصرت خاں کے لڑکوں کو رہائی مل گئی نواب محمد علی خاں کی مسند نشینی کے ۲۶ روز بعد ظالموں کا دست ستم کم ہوا[1] آخر خاص مشیروں کی یہ رائے ہوئی کہ مظلوم امیر (نواب محمد علی خاں) کی شہر میں نگہداشت دُشوار ہے قلعہ خام (گڑھی) میں جو شہر سے باہر بجانب شمال کوس بھر کے فاصلہ پر واقع ہے (اور ابھی تک اس کے آثار باقی ہیں) رکھا جائے چنانچہ سید حسن شاہ[2] کو بیگمات

بسلسلہ صفحہ گزشتہ:-

بلایا شتابی سے عبد الغفور ‏‏‏‏ جو ٹانکے لگانے میں تھا ذی شعور
زمانے میں جا زخم کی دوخت کی ‏‏‏‏ دل سرد کو آتش گرم دی
جو ٹانکے لگے ساٹھ سے چار کم ‏‏‏‏ تو غفلت میں مجروح کا آیا دم
(اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۱۶)

[1] نواب محمد علی خاں ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء کو مسند نشین ہوئے اور ۱۴ محرم الحرام ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء کو معزول ہوئے۔ اس طرح ان کا دورِ حکومت صرف ۲۶ روز ہوا۔

[2] سید حسن شاہ والد سید علی شاہ کو ترمذ سے نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ نے آنولہ میں بلا کر مقیم کیا سید علی شاہ کا انتقال آنولہ میں ہوا اور وہیں نواب علی محمد خاں کے مقبرے کے پاس تالاب کے شمالی مغربی گوشہ میں دفن ہوئے ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۸ء میں جب روہیلوں اور فرخ آباد والوں کے درمیان جنگ ہوئی تو نواب سعد اللہ خاں کو سید حسن شاہ گود میں لے کر ہاتھی میں بیٹھے اور خدا کے فضل سے نواب سعد اللہ خاں مامون و محفوظ رہے جس وقت نواب فیض اللہ خاں رام پور میں آئے تو سید حسن شاہ کو بھی مع اہل و عیال رام پور میں لے آئے اور بہت اعزاز و اکرام سے رکھا (تذکرہ کاملان رام پور ص ۱۰۹ سفر نامہ مخلص مرتبہ ڈاکٹر اظہر علی ص ۸۶ مطبوعہ ہندوستان پریس رام پور ۱۹۴۶ء حیات حافظ رحمت خاں ص ۳۵)

مولف اخبار الصنادید نے نواب محمد علی خاں کے واقعات کے سلسلے میں سید حسن شاہ ہی کا نام بطور ضامن تحریر کیا ہے اور ان کا یہ بیان ہمعصر شہادتوں مثنوی معظم، جنگ نامہ تسلیم، نظم عبدی، نظم ضامن وغیرہ پر مبنی ہے مگر منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ حافظ جمال اللہ صاحب پیر و مرشد نواب غلام محمد خاں نواب محمد علی خاں کے ضامن بنے تھے اور جب نواب محمد علی خاں مار ڈالے گئے "اور یہ خبر محل میں پہونچی ادھر آپ (نواب محمد علی خاں) کی بہنوں نے حضرت شاہ جمال اللہ صاحب قدس سرہٗ کے پاس کسی کو بھیجا کہ حضرت یہ کیا ہوا" اور اُدھر نواب غلام محمد خاں صاحب بہادر نے بھی حضرت کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے مطلق

کے پاس بھیجکر اُن کی حفظ جان کے متعلق قسم کے ساتھ پختہ عہد کرلیا کہ نہایت حفاظت اور راحت و آرام سے لے جائیں گے اور وہاں کے نگہبانوں کے سپرد کردیں گے۔ دوسرے روز نیا رئیس باپ کی جگہ ایوان میں آیا اور درباریوں کو مجرائی اور سلامی کا موقع دیا اور تینوں بھائیوں کو جو اس سے بڑے تھے یعنی حسن علی خاں، فتح علی خاں اور نظام علی خاں کو چھ ہزار روپے سالانہ کا اضافہ فرمایا بارہ ہزار پہلے سے مل رہے تھے اس کے بداندیشوں نے اس پر آمادہ کردیا کہ قیدی امیر کو ختم ہی کر دینا چاہیے سننے میں آیا ہے کہ اس کے زخم اچھے ہونے لگے ہیں اور جرّاح رقم کے لالچ میں وہاں سے ہٹتا ہی نہیں، ایک رات سید خاں

بسلسلہ صفحہ گزشتہ:-

خبر نہیں کہ نواب محمد علی خاں بہادر کو کس نے قتل کیا وہاں حضرت کا یہ حال رہا کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا تھا اُسی وقت سے پیٹ میں درد شدید پیدا ہوگیا تھا مضطربانہ ٹہل رہے تھے اور پسینہ متصل جاری تھا یہاں تک کہ پاؤں عرق میں غرق ہو جاتے تھے۔ یہ پیغام جو شخص لے گیا تھا اُس سے بدمزہ ہوکر فرمایا کہ خیر ہم نے تو خمیازہ ضامن ہونے کا اُٹھایا کہ گھڑی دو گھڑی میں میرا کام تمام ہے مگر کہدینا کہ تم سب کے واسطے بہت بُرا ہوا اور یہ امر باعث زوال دولت ہوگیا۔ نو دس بجے تک کی یہ گفتگو تھی مرید جمع ہوتے جاتے تھے سورۂ یٰسین کی تکرار ہو رہی تھی اسی حالت میں گیارہ بجے دن کو انتقال فرمایا۔ (انتخاب یادگار ص۴۶) اس سلسلے میں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ منشی امیر احمد مینائی نے نواب محمد علی خاں کے قتل کی تاریخ ۲۰ر صفر سنہ ۱۲۰۹ھ لکھی ہے نجم الغنی خاں نے ۲۱ر محرم سنہ ۱۲۰۹ھ دفن کی تاریخ لکھی ہے۔ (اخبار الصنادید ص۶۳) حالانکہ قتل کی تاریخ نجم الغنی خاں ۲۲ر محرم کی شب تحریر کرتے ہیں۔ (اخبار الصنادید ص۶۱۹) اور تذکرہ کاملان رام پور کے بیان کے مطابق شاہ حافظ جمال اللہ کے انتقال کی تاریخ ۳ر صفر سنہ ۱۲۰۹ھ (تذکرہ کاملان رام پور ص۹)

لہ حکیم نجم الغنی خاں مثنوی معظم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ میں صاحبزادہ مصطفےٰ خاں ابن اللہ یار خاں ابن علی محمد خاں بہادر کے توسط سے جن سے نواب محمد علی خاں کی حقیقی بہن منسوب تھی آصف الدولہ تک خفیہ داد خواہی کی اور عرضی بھیجی اس پر انہوں نے لکھا کہ نواب محمد علی خاں مجروح کو فوراً یہاں بھیجدو ہم یہاں انگریزی ڈاکٹروں سے ان کی مرہم پٹی کرائیں گے جب اس مضمون کا شقہ آصف الدولہ کا رام پور میں پہونچا تو سب افسروں نے صلاح کی کہ نواب محمد علی خاں کا کام تمام کر دینا چاہیے ورنہ بڑا جھگڑا پیدا ہوگا۔" (اخبار الصنادید ص۶۱۹) اور منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں کہ "جب مرہم پٹی ہوتے ہوتے زخموں میں اندمال کی صورت نظر آنے لگی ایک پہری پر جو سپاہی کھڑا تھا اس سے نواب نے کہا کہ اے سُنتا ہے اب میرے زخم اچھے ہو چکے ہیں سرداروں سے کہدینا کہ ایک ایک سے سمجھوں گا اور مونچھوں کی رسیاں بٹواؤں گا۔" (انتخاب یادگار ص۴۶)

کے ہمراہ جو نواب غلام محمد خاں کا پُرانا کارگزار تھا امین الدین خانساماں کسرّولؑ کے کلالوں میں سے اور منساپور ربیہ (بجسریہ) اور اعلام روہیلہؑ اس بیہودہ کام کے لئے وہاں پہونچے اور بحالت خواب اعلام نے پستول کی گولی ان کے سینہ پر ماری خانساماں نے گلا گھونٹ دیا امین الدین (کلال) ان کے سینۂ بے کینہ پر چڑھ بیٹھا اور ان (نواب محمد علی خاں) کی روح عالم جاودانی میں پہونچ گئی آخر شب میں اس گروہ نے شہر میں آکر خونِ بے گناہ کے غازہ سے اپنی سرخروئی ظالم امیر (نواب غلام محمد خاں) کے سامنے ظاہر کی۔ صبح صادق کے ہوتے ہی سرکاری چوبدار برادروں اور سرداروں کے گھر گیا اور یہ فرمان پہونچایا کہ رات نواب محمد علی خاں نے خودکشی کر لی ان کی تجہیز و تکفین کے لئے چلنا چاہیئے چنانچہ سب لوگ گئے اور نہلا کفنا کر اس مقبرہ میں جہاں اِن کا بہت سا خاندان سو رہا ہے دفن کر دیا لیکن باوجود اس لیپا پوتی کے وہ خونِ ناحق چھپ نہ سکا اور جو واقعہ گزرا تھا اکثر کی زبان زد ہو گیا وہاں سے (یعنی دفن سے واپسی پر) تمام لوگوں نے رئیس کے سامنے آکر رسمِ تعزیت ادا کی کیونکہ وہ اس کا شفیق بھائی تھا رئیس بھی کلمات حسرت آمیز زبان پر لاتا کہ میرا قوتِ بازو نہ رہا اور آنکھوں سے آنسو پونچھتا لوگ نواب آصف الدولہ کو اس (نواب محمد علی خاں) کا حامی سمجھتے تھے اس لئے ایک محضر تیار کیا گیا اور ناکردہ گناہ کو اس کی طرف منسوب[3] کیا اسی پر فسخ بیعت کی بنیاد رکھی اور اسی کو اپنے نفس کا قاتل تحریر کیا، اس محضر نامہ کو خاندانیوں اور خورد و کلاں افغانی سرداروں کی مہروں سے قابلِ اعتماد بنا دیا محمد اکبر[4] خاں خلف

لہ کسرّول مراد آباد کا ایک محلہ ہے جہاں کلال شودر کی آبادی ہے۔

ٹہ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری اور منشی امیر احمد مینائی نے اس کا نام اعلام کے بجائے الہام خاں لکھا ہے۔

(اخبار الصنادید ص۶۱۹ ، انتخاب یادگار ص۳۶)

ٹہ محضر کا مضمون یہ تھا "نواب محمد علی خاں نے غیرت کی وجہ سے تمنچہ مار کر خودکشی کر لی ہے شب کو ان کی آرام گاہ میں فیر ہوا دیکھا تو وہ مرے پڑے تھے" (اخبار الصنادید جلد اول ص۶۲۴)

ٹہ نواب محمد اکبر خاں حافظ الملک کی شہادت کے بعد رام پور میں سکونت پذیر ہو گئے نواب فیض اللہ خاں نے اپنی ایک بیٹی مینا بیگم کی ان کے ساتھ شادی کر دی اور چار سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ فن انشا پردازی میں کامل دستگاہ تھی خط شکست بہت اچھا لکھتے تھے نہایت متقی پرہیزگار، مناہی شرعیہ سے بیزار اور افعال شنیعہ سے متنفر تھے۔ آغاز جوانی سے آخر عمر تک صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند رہے۔

(اخبار الصنادید جلد اول ص۵۷ ، حیات حافظ رحمت خاں ص۳۵)

حافظ رحمت خاں کا وظیفہ اس جرم میں ضبط ہو گیا کہ وہ ابطال شہادت یعنی صفائی کے گواہوں میں شامل نہ ہوئے اور علمائے بھی اس پر اپنی گواہی لکھدی مگر اکبر شاہ[1] نیز وُداور خدا پرست خانہ نشین مولوی جمال الدین لاہوری[2] اور مخدومی سراج احمد سرہندی[3] نے (خدا ان کی مغفرت کرے) کہ ان دونوں بزرگوں کو اس صورت میں (بصورت تصدیق محضر) سوائے اپنی دین فروشی کے اور کوئی باعث نہ تھا (اس محضر پر دستخط نہ کئے[4])
الغرض اس محضر کو نواب آصف الدولہ کے پاس لکھنؤ روانہ کر دیا اور فتح علی خاں کو معذرت و اصلاح کے لئے بھیج کر موانست کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

آصف الدولہ کی رام پور پر فوج کشی اس کے بعد معلوم ہوا کہ آصف الدولہ کا رئیس خود سر دیر اُوش کی گوشمالی کا پختہ ارادہ ہے۔ نواب غلام محمد خاں سامانِ جنگ کی تیاری، فوج کی نگہداشت، توپوں کی آراستگی اور برق اندازی کی مشق میں منہمک ہو گئے

---

[1] مولوی اکبر شاہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا تذکرہ کاملانِ رام پور میں جامِ جہاں نما (قدرت اللہ شوق) کے حوالہ سے صرف نام موجود ہے۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ص۱۹)

[2] مولوی جمال الدین ولد کفایت علی لاہور وطن تھا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے علوم عقلی و نقلی اور حدیث و تفسیر کی تحصیل کی شاہ عبد العزیز دہلوی کے ہم سبق تھے شاہ فخر الدین دہلوی سے بیعت کی اور خلافت پائی اول مراد آباد آئے اور وہیں شادی کی اس کے بعد رام پور پہونچے نہایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے ۱۹ رجمادی الاول ۱۲۳۱ھ/۱۸۲۵ء میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ص۹۱ و ۹۲ انوار العارفین از مولوی محمد حسین مراد آبادی ص۵۱۲ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء)

[3] مولوی سراج احمد ولد مولوی محمد مرشد ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں سرہند میں پیدا ہوئے ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء میں ان کے والد رام پور آگئے مولوی سراج احمد کی تمام تر تعلیم و تربیت رام پور میں ہوئی بڑے عالم فاضل اور صاحب نسبت تھے خصوصاً حدیث میں دستگاہ کامل تھی لکھنؤ میں ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء کو انتقال ہوا رام پور میں دفن ہوئے علم حدیث میں چند تصانیف ہیں خاندان مجددیہ کے حالات میں ایک کتاب سیر المرشدین لکھی (تذکرہ کاملانِ رام ص۱۴۵، ۱۴۷)

[4] حکیم نجم الغنی خاں رام پوری محضر پر مہر کرنے کی بابت لکھتے ہیں کہ "اس محضر پر چھوٹے بڑے تمام افسروں کی مہریں ہوئیں علما کے پاس وہ محضر گیا تو انھوں نے بھی مہریں کر دیں مشائخ نے بھی مہریں کیں اور قاضی نے بھی مہر لگائی مگر سرداروں میں سے محمد اکبر خاں خلف حافظ رحمت خاں نے اور افسرانِ فوج میں سے قلندر خاں نے اور علما میں سے اخون اکبر شاہ اور مولوی عبد العزیز نے اور مشائخ میں سے میاں حسن شاہ نے اور خاندانیوں میں سے نصر اللہ خاں خلف عبد اللہ خاں نے مہریں نہ کیں اور دو تین اور بھی شخصوں نے مہریں نہ کیں۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص۶۲۷)

اور ابلہ فریبی کی غرض سے اس فساد انگیزی کا نام جہاد رکھ لیا۔ آخر فتح علی خاں نے (لکھنؤ سے) لکھا کہ مصالحت کی اُمید بالکل نہیں رہی تب سعادت خاں عمر خیل افضل گڑھ والا سکھوں کو لانے کے بہانے سے سیکڑوں اشرفیاں لے کر بجانب جمنا روانہ ہو گیا اور یہاں پر (رام پور میں) ہر کس و ناکس جو بھی آتا نوکر ہو جاتا اور ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی پا لیتا، نواب (غلام محمد خاں) اور دوسرے آزمودہ کار لوگوں کی یہ رائے تھی کہ غلہ سامان اور پیادہ فوج کو مع عیال و اطفال کے دامنِ کوہ میں بھیجدیا جائے اور سواروں نیز سامانِ جنگ گھوڑے بھی کے ساتھ شہر میں رہیں جس وقت حریف آجائے جو کچھ ہو سکے کریں اگر معذوری دیکھیں اسی محفوظ مقام میں پہونچ جائیں اور وہاں ایک عرصۂ دراز تک اس طرح رہیں کہ مخالف کا لشکران پر قابو نہ پا سکے اور حسب منشا مصالحت ہو جائے مگران نوجوانوں کے ہنگاموں نے جنہوں نے کبھی میدان کارزار نہ دیکھا تھا اور انگریزوں کے ساتھ جنگ کو آتشبازی کا کھیل سمجھ رہے تھے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ بڑے بوڑھوں کی رائے کے مطابق کوئی مناسب صورت اختیار کی جائے چنانچہ خورد و کلاں اور اکابرانِ قوم بیگاری سواریوں کے ذریعہ بریلی کی طرف روانہ ہو گئے ابھی تک آصف الدولہ کی آمد نہیں ہوئی تھی دوجوڑہ کے میدان میں انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا[1] حسن علی خاں اور نظام علی خاں حریف سے مقابلہ ہونے سے پہلے ہی انگریزی فوج میں شامل ہو گئے اور محمد شجاعت اور محمد دلیر خاں نے جو نواب محمد علی خاں کے خاص لوگوں میں تھے ہنگامۂ کارزار کے وقت اپنے گروہ کو لے کر گھر کا راستہ لیا البتہ محمد عمر خاں کے خاندان اور مصطفےٰ خاں عرف بجو اور نسیم خاں خلف ملا رحم داد نے بہادری کی داد دیتے ہوئے بہت سے گم نام بہادروں کے ساتھ ایک ہی حملہ میں اپنے آپ کو توپوں تک پہونچا دیا ہندوستانی فوج انگریزی لشکر کی ضربِ تیغ کی تاب نہ لا سکی اور پسپا ہو گئی اب صرف انگریزوں اور افغانوں میں آتشِ جنگ بھڑک اُٹھی حتےٰ کہ بلند خاں پسر محمد عمر خاں، مصطفےٰ خاں[2] بجو اور نسیم خاں اور دوسرے بہادر افغان اور ایک اور بڑا

---

[1] یہ جنگ ۲۴؍ اکتوبر ۱۷۹۴ء مطابق ۲۸؍ ربیع الاول ۱۲۰۹ھ بروز جمعہ کو ہوئی۔

[2] شمبوناتھ حاکم بریلی کے ملازم بجو خاں اور بلند خاں کا سر کاٹ کر آصف الدولہ کے پاس لے گئے جو کٹرے سے بریلی کی طرف روانہ ہو چکا تھا ملاقی کھیڑے کے پل کے پاس سواری پہونچی تھی کہ شتر سوار دونوں سر لے کر پہونچا۔ وہ سر نواب کو دکھائے گئے اور وہاں سے واپس لاکر فتح گنج کے کھیڑے میں دفن کیے گئے۔ عنبر شاہ خاں آشفتہ نے بجو خاں کے مارے جانے کی تاریخ یوں کہی ہے:-

مصطفےٰ خاں آنکہ بجو خاں بود نامش بعرف ‖ شد شہادت یاب چوں بر فوج اعدا در زدہ

افسر اور انگریزی فوج کے بہت سے سوار اور پیادے قتل ہو گئے بقیہ افغانوں نے غارت گری میں ہاتھ بڑھایا اس وقت جنرل ابر کرمبی نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دھاوا بول کر توپوں پر قبضہ کر لیا اور توپ اور بندوقیں چلنے لگیں۔ نواب کا لشکر بھاگا اور شہر میں پہونچکر خزانہ اور اہل و عیال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلتا بنا اُس مقام کو ٹھپہ کہتے تھے اور پہاڑ کا نام گمان بھجن ہے پرگنہ رہپڑ سے اس کا راستہ ہے۔

انگریزی فوج نے فتح کے بعد ان (افغانوں) کا تعاقب نہیں

نواب آصف الدولہ کا رام پور میں داخلہ کیا بلکہ میدانِ جنگ میں جاکر دونوں جانب کے زخمیوں کو اٹھایا ان کی مرہم پٹی کی اور مقتولین کو دفنایا تیسرے دن شہر میں پہونچکر عاجزوں غریبوں کی نگہبانی کی، احمد علی خاں خلف نواب مظلوم (محمد علی خاں) جو ابھی بچہ[3] تھا خدا کے فضل سے امن و امان سے شہر ہی میں تھا پھر نواب آصف الدولہ آپہونچے اور عام منادی کا حکم دے دیا کہ ہمارے ملک میں افغان جہاں کہیں بھی ہو احمد علی خاں کی خوشنودی اور ہمارے ذاتی مراحم خسروانہ کی بنا پر امان میں ہے کوئی شخص اس کے جان ومال کے درپے نہ ہو اور جو شخص چاہے رام پور آجائے خواہ وہ غلام محمد خاں کی جماعت کا ہو اور کوئی شخص اس پر دست درازی نہ کرے لوگ یہ خوشخبری سن کر جہاں بھی تھے شہر میں آگئے اور خود نواب اپنے انگریزی فوج کے ساتھ غلام محمد خاں کا تعاقب کیا اور بلیار سنگھ کو ایک پلٹن کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑا یہ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) بہ تاریخ شہادت وقت قتل و غزاں — رستم روز نبردم از بالش سر زدہ

١٢٠٨ھ

بخو خاں کو شعر خوانی بھی رہی اور زبان دانی کا شوق زیادہ تھا حکیم میر ضیاء الدین عبرت شاگرد نواب محبت خاں محبت بخو خاں کے ملازم تھے اور عبرت نے ان کی فرمائش سے قصہ راجہ رتن سین و پدماوت کو زبان ریختہ میں نظم کرنا شروع کیا تھا چہارم حصہ نظم ہونے پایا تھا کہ عبرت نے انتقال کیا۔" (اخبار الصنادید جلد اول ٦٥٢ و ٦٥٣)

[1] اس افسر کا نام کرنل جارج برگنش تھا

[2] اس جنگ میں اول پٹھان فتحیاب ہوئے بعد کو انگریزی فوج کے ہاتھ میدان رہا۔ اس جنگ کے مفصل حالات درج ذیل کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ (اخبار الصنادید جلد اول، انتخاب یادگار، تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں رام پوری مطبوعہ نولکشور ١٩١٩ء بہ تاریخ اودھ از کمال پرشاد مطبوعہ ١٨٦٦ء، قیصر التواریخ جلد اول عماد السعادت از غلام علی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ "روہیل کھنڈ کا ایک ساکہ" مرتبہ محمود نیازی (ماہنامہ نیا دور" اپریل ١٩٥٥ء لکھنؤ محکمہ اطلاعات اتر پردیش)

[3] نواب احمد علی خاں کی عمر اس وقت ٩ سال تھی۔

نامہ نگار (مولوی عبدالقادر) بھی جو مراد آباد میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ تھا والد (مرزا محمد اکرم) صاحب کے حکم سے جو نظام علی خاں کی ڈیوڑھی پر رہتے تھے رام پور پہنچ گیا (ادھر اس) کامیاب لشکر کو دامن کوہ کی گندی آب و ہوا سے اذیت پہونچی اور وہ تباہی خوردہ جماعت (نواب غلام محمد خاں کی جماعت) علاوہ اس اذیت کے، بے سروسامانی اور خانہ ویرانی کی تکلیف بھی برداشت کر رہی تھی مجبور ہو کر غلام محمد خاں بھی امن کا پیام دے کر چیری صاحب کے ذریعہ سے نواب آصف الدولہ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ مصالحت اس صورت پر ہوئی کہ نواب فیض اللہ خاں کا مال ان کے لڑکے کو اور غلام محمد خاں کا اندوختہ ان کے قبضہ میں رہے اور شاہ آباد بلاسپور اور ٹھکیا بدستور بحال باقی ضبط اور ریاست بنام احمد علی خاں رہے گی مصالحت شدہ ملک کے علاوہ تعلقہ اکبر آباد جو ضبطی میں شامل ہے صرف خاص کے لئے قرار پایا۔ روشن چوکی کی بھی اجازت ہو گئی اور چوبیس ہزار سالانہ ہر ایک حسن علی خاں، فتح علی خاں اور نظام علی خاں کو اور اٹھارہ ہزار ہر ایک چار دوسرے بھائیوں کو اور خودسری و ہنگامہ آرائی کے جرم میں غلام محمد خاں کی تنخواہ کو بڑے بھائیوں کے زمرہ سے نکال کر چھوٹے بھائیوں میں شامل کر دیا[1] اور نواب احمد علی خاں کے بستن[2] سالہ ہونے تک نصر اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں مختار ریاست قراریایا[3] اور نواب غلام محمد خاں کو نظر بند کر کے بنارس بھیجدیا البتہ اس کے اہل و عیال شہر ہی میں رہے۔

مولف کتاب کا مولانا شرف الدین سے تحصیل علم کرنا ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں راقم الحروف نے مولانا شرف الدین کی خدمت میں تعلیم حاصل کی نحو، رسائل منطق فلسفہ،

---

[1] یعنی بجائے آٹھ ہزار سالانہ کے ساڑھے چار ہزار سالانہ رہ گئے۔

[2] عہدنامہ مابین نواب آصف الدولہ و نواب احمد علی خاں کے جملہ شرائط اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۱۹۱ پر درج ہیں۔

[3] نواب غلام محمد خاں بعض وجوہ کی بنا پر انگریزوں کے لشکر میں آ گئے کچھ دنوں بنارس میں رہے پھر وہاں سے حج بیت اللہ کو چلے گئے حج سے واپس آنے کے بعد کابل پہونچے اور زمان شاہ نبیرہ احمد شاہ ابدالی سے ملے اور اس کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے ترغیب دلائی مگر بعض اسباب کی بنا پر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا پھر نواب غلام محمد خاں نے نادون (ریاست کشمیر) میں سکونت اختیار کر لی راجہ نادون بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آتا تھا نادون ہی میں ۸ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء کو نواب غلام محمد خاں کا انتقال ہوا۔ مرزا مکھو عرف کرم خاں نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے۔ ز دنیا سوئے خلد رحلت نمود ٭ چو نواب حاجی بیت الحرام
ریاض جناں گشت آرام گاہ　　بسالش فرو گفت کہ بار رضواں مقام ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء　　(اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۶۶-۶۷)

معانی و بیان اور کچھ اصول فقہ کی تحصیل کی۔ فقہ، حدیث، تفسیر، ہیئت، ہندسہ، حساب اور فرائض کی کتابیں ابھی تک اُستاد کے سامنے نہ رکھی تھیں کہ ایک دوسرا حادثہ پیش آگیا یعنی زمان شاہ کابل و پشاور کا بادشاہ لاہور تک[1] آگیا اور انگریزی فوج نواب سعادت علی خاں کے لڑکے کے ساتھ آگئی نواب فیض اللہ خاں کے سب لڑکوں اور نواب غلام محمد خاں کے بیوی بچوں نیز کفایت اللہ خاں فرزند نواب نصر اللہ خاں اور محمد عثمان و حضرت شاہ خاں عرف ستو برادر بچو خاں کو لکھنؤ لے گئی[2]

تحصیل علم کے زمانہ میں لوگوں سے تعارف ہو گیا تھا اسی سلسلے میں حافظ احمد کبیر[3] سے بھی شناسائی ہو گئی تھی اور اب تک یہ تعلق قائم ہے یہ بزرگوار شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی اولاد سے ہیں۔

ہندوستان میں خواجہ میر درد، مرزا مظہر جانجاناں، شاہ ولی اللہ کا خاندان اور رائے بریلی کے مشائخ سب کے سب اسی سلسلے کے مرید ہیں اور شیخ سے لے کر اب تک پشت بہ پشت ان کے جانشین ارشاد و تلقین میں مشغول ہیں نوکری پیشہ نہیں مگر خاندان کی ایسی برگزیدہ ذات نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اپنی روزی اپنے ہی قوت بازو سے حاصل کرنی چاہیئے "تاکہ "دل بیار و دست بکار" کا مصداق بن جائے چنانچہ اب عرب کی سیر و سفر کے بعد کلکتہ میں ایک مدرسہ[4] کی امینی (چندہ فراہمی) پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جو کوئی ان کے گزشتہ حالات سے واقف نہیں اس جگہ کو جو درحقیقت معیوب ہے ان کی ترقی سمجھتا ہے محبت ان کے ضمیر میں ہے لیکن ہلوگوں کی لومڑیانہ چالیں دیکھ کر "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا" پر عمل کرتے ہیں اور ابنائے جنس کے شر سے اپنے آپ کو بچائے جاتے ہیں خداوند تعالےٰ کسی صورت سے ان کو وہاں سے نکالے۔

نواب فیض اللہ خاں کے دورِ حکومت پر تبصرہ

اب میں ابتدائے ہوش سے جو کچھ اس شہر (رام پور) میں دیکھا بتائے دیتا ہوں۔ نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں ملک آباد اور رعایا آسودہ حال تھی مگر نواب وزیر کے ملک سے ڈاکو آ کر شبخون مار جاتے تھے بہت سی فوج نگرانی پر متعین تھی یہ اجازت ہرگز نہ تھی کہ فوجی دوڑ کے وقت بھی اپنی سرحد سے آگے قدم

---

[1] اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۷   [2] اخبار الصنادید جلد اول (ص ۶۹ ، ۷۰)

[3] مولوی حافظ احمد کبیر ولد شاہ محمد پیر مجذوب۔ اکثر علوم رام پور میں مفتی شرف الدین سے حاصل کئے حرمین شریفین اور ممالک شام میں علم حدیث کی تحصیل کی بڑے جید عالم تھے ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں رام پور میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۹)

[4] مدرسۂ عالیہ کلکتہ۔

بڑھائیں شہر کی آبادی دن دونی تھی اب جس مقام پر زراعت ہوتی ہے ایک ایک بالشت پر خانہ جنگیاں ہوجاتی تھیں لوگ اتنے خودسر ہوگئے تھے کہ ہفتہ بھر نہیں گزرنے پاتا کہ آپس میں کشت و خون ہوجاتا ہو رئیس نماز روزہ اور تلاوت قرآن کا پابند ہنر اور علم کا خواہاں اسراف سے گریزاں۔ اس کے عہد میں شہر رنڈیوں اور شراب خانوں سے خالی تھا نواب رعایا اور شہر کے بچہ بچہ کو پہچانتا تھا ہمیشہ صبح و شام سوار ہو کر مختلف راستوں سے گزرتا شب کو ملازمین کی زبانی شہر کے حالات سنتا لیکن خانہ جنگیوں کی روک تھام کی طرف چنداں متوجہ نہ تھا کہ آئندہ یہاں کوئی ظالم و مظلوم پیدا ہی نہ ہو البتہ اگر کسی دیہاتی یا زراعت پیشہ پر ذرا بھی ظلم ہوجاتا تو ظالم اپنی کرتوت کو بھگتتا۔ جس دن سے نواب شجاع الدولہ نے امن چین کا عہد و پیمان پختہ کر لیا[1] ایسی سلامت روی سے بسر ہونے لگی کہ کبھی جنگ کی نوبت ہی نہ آئی نہ کسی کی منت سماجت کی ذلت اٹھانی پڑی ایک بار دو انگریز میں خون چڑھے دو لشکروں میں کشت و خون ہوگیا تو روپیہ دے کر آصف الدولہ کو رضامند کر لیا اور گنگا گھاٹ پر فوج کے چلے جانے کی معافی حاصل کر لی[2] اس کے دو لڑکے ایک ولیعہد (نواب محمد علی خاں) دوسرا

---

[1] حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں کہ "دریائے کوسی جو شہر رام پور کے تلے جانب غرب بہتا تھا اس زمانہ میں نہایت جوش زن تھا اور دراس کی دھار بند ہونے میں بڑا اہتمام تھا یہاں تک کہ نواب صاحب (نواب فیض اللہ خاں) بنفس نفیس گئے اور شاہ جمال اللہ صاحب قدس سرہ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب وغیرہ اچھے اچھے ارباب کمال ہمراہ تھے نواب صاحب نے حکم دیا جو کبھی فعل حرام کا مرتکب نہ ہوا ہو وہ پہلے دھار باندھنے میں دست انداز ہو بہ سبب کراہت سے آدمیوں نے ارادہ کیا نواب صاحب نے کہا کہ میرا مقصود یہ ہے کہ ارادہ بھی فعل بد کا نہ ہوا ہو یہ سنتے ہی سب کو سکوت ہوا اور کوئی متصف اس صفت کے ساتھ نہ نکلا جب دیر ہوئی تو اس وقت آپ روئے اور سمت قبلہ ہاتھ اٹھا کر بطلف مذہب کہا کہ میرے دل میں کبھی خطرہ بھی کسی فعل زشت و حرام کا نہیں آیا یہ کہہ کر نواب صاحب نے ہدایت کی صلوٰۃ تنجینا اور درود ماثورہ اور مشہور ہے اس کے عامل تھے معقول میں نقلی میں تک عبور رکھتا منقول میں اچھی استعداد رکھتے تھے سادات کا بہت لحاظ کرتے تھے" (اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۰۲ - ۵۹۶)

[2] حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں کچھ دنوں لال ڈانگ میں مقیم رہے اور یہ معاہدہ رجب ۱۱۸۸ھ م ۱۷۷۴ء میں نواب فیض اللہ خاں اور نواب شجاع الدولہ کے درمیان ہوا۔

[3] جب کہ سکھوں کی سورش اور تاخت و تاراج کا اثر دریائے گنگا کے کنارے تک ظاہر ہونے لگا تو نواب آصف الدولہ نے کچھ سپاہ انگریزی اور اپنے نوجدار انگریز گنگا کے متصل متعین کر دی اور نواب فیض اللہ خاں کو لکھا کہ رام پور سے بھی کچھ فوج وہاں بھیجدی جائے تاکہ یہ دونوں فوجیں ملکر سکھوں کے ادھر آنے میں مزاحمت کریں ماہ رمضان ۱۱۹۱ھ ۱۷۷۷ء میں نواب آصف الدولہ کی فوج اور انگریزی سپاہ کے ساتھ نواب فیض اللہ خاں

(باقی اگلے صفحہ پر)

فتح علی خاں وقتاً فوقتاً آصفی لشکر میں جاتے اور بے حد احترام کے ساتھ رخصت ہوتے[1] جب نواب کے ہمشیر زادہ غلام قادر خاں نے بادشاہ (شاہ عالم) سے بے ادبی کی اور اس کے ساتھیوں نے شہر میں پناہ لینی چاہی تھی تو ان کو شہر میں نہیں گھسنے دیا[2] اور اگر اتفاقاً کوئی انگریز شہر میں آجاتا تو بے حد احتیاط سے کام لیتا کہ اس کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف نہ پہونچے ایک مرتبہ ایک معزز پٹھان نے ایک انگریز کے کہار پر کچھ زیادتی کی تھی اطلاع پاتے ہی اس کو شاہجہان پور اُسی انگریز کے پاس بھیجدیا[2] اور سرداران فوج کی سفارش پر مرزا جواں بخت اور مرزا سلیمان شکوہ موروثی خانزادوں کے آداب کا لحاظ رکھتا تھا نقد و جنس سے جو کچھ ہو سکتا مہیا کر دیتا تھا[3]۔

نواب فیض اللہ خاں کی اولاد

اس کے دونوں فرزندوں ایک ولی عہد (نواب محمد علی خاں) دوسرے غلام محمد خاں کا حال واقعی بطور اختصار سناتا ہوں[4]:۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) کے آدمیوں کی لڑائی ہوئی انگریزی اور آصفی سپاہ کو ہزیمت ہوئی اور نواب فیض اللہ خاں کا رسالہ فتحیاب ہوا آصف الدولہ کی نیت خراب تھی نواب فیض اللہ خاں نے پندرہ لاکھ اور بقولے تیس لاکھ روپیہ دیکر معاملہ رفع دفع کرالیا

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۸۳ و ۵۸۴)

[1] معصوم بیگم نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ کی صاحبزادی نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ کو منسوب تھیں جن سے نواب غلام قادر خاں پیدا ہوا۔ نواب غلام قادر خاں اور شاہ عالم بادشاہ کے معاملات پر ملاحظہ ہو "غلام قادر روہیلا شہید" از سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ۔ اور عجیب التواریخ از مرزا نصیر الدین محمد (قلمی) ص ۶۵۲-۶۷۴ (مملوکہ سید الطاف علی بریلوی)

[2] مؤلف کتاب مولوی عبدالقادر، انگریزوں کے بڑے مداح اور خیر خواہ تھے اس لئے اس قسم کے واقعات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

[3] مرزا جواں بخت ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں لکھنؤ جاتے ہوئے رام پور میں ٹھیرے نواب فیض اللہ خاں نے ایک گرانقدر نذر پیش کی اور بڑی دھوم دھام سے مہمانی کی رسم ادا کی شہزادہ جواں بخت ایک ہفتہ رام پور میں مقیم رہے مرزا سلیمان شکوہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں لکھنؤ جاتے ہوئے مرادآباد پہنچے جب رام پور کی طرف روانہ ہوئے تو نواب فیض اللہ خاں نے شہر سے چار کوس کے فاصلہ پر استقبال کیا نذر گذرانی اور بڑے اعزاز کے ساتھ رام پور میں لاکر قلعہ میں اتارا۔ نقد و جنس ہاتھی گھوڑے ہتھیار اور خیمے وغیرہ پیش کئے چار روز تک مرزا سلیمان شکوہ رام پور میں مقیم رہے۔

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۹۳ و ۵۹۴)

[4] نواب محمد علی خاں کو دارا شکوہ سے اور نواب غلام محمد خاں کو عالمگیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

راست گویم کہ بود در دو امیر   فرق دارا شکوہ و عالم گیر
بس کہ تھا درمیان ہر دو امیر   فرق دارا شکوہ و عالم گیر

حسن علی خاں:۔
سب سے جُدا، کام کے آدمیوں کی رعایت اور ان سے بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے خرچ آمدنی کے لحاظ سے کرتے تھے ان کا لڑکا نیاز علی خاں ان کے نقش قدم پر ہے۔

فتح علی خاں:۔
صوم و صلوٰۃ کا پابند اور تفسیر و حدیث سننے کا بے حد مشتاق ہے چشم مروت کی بنا پر آمدنی کے تو خرچ بیس کا۔ ان کا بڑا لڑکا عنایت اللہ خاں حدیث، تفسیر اور تاریخ سے واقفیت کی بنا پر اپنے خاندان بھر میں ممتاز، ذہین، حاضر جواب اور بڑی ہمّت و مروت والا ہے ملک کی تحصیل و تشخیص میں فوج پر حاکم اور دلجوئی میں اس کی فکر رسا اور درست ہے اس کے باوجود رعب دار بھی ہے اس کا چھوٹا بھائی عباد اللہ خاں جنگی ہنر مثل سواری اسپ و تیر اندازی اور علم مجلسی مثل شعر و سخن اور فن موسیقی کو عمدہ جانتا ہے اور آزادانہ زندگی بسر کرتا ہے۔

نظام علی خاں:۔
اقربا پرور، مصاحب نواز، سادات پرور اور مرشد کا خادم تھا جعفر علی خاں اس کا لڑکا اب بھی آگی یادگار ہے۔

یعقوب علی خاں:۔
بظاہر پرہیزگار تھا اپنی ساری عمر میں تین کام نمایاں کئے ہیں دو نیکی کے ایک بدی کا حفظ قرآن شریف اور حج بیت اللہ اور ایک بے گناہ خاتون کا اپنے ہاتھ سے خون۔ نواب علی محمد خاں مرحوم کی اولاد میں کسی کے ہاتھ سے ایسی حرکت نہیں ہوئی۔

قاسم علی خاں:۔
فنِ طب میں کمال حاصل تھا لڑکے بہت سے چھوڑے ہیں نامہ نگار (مولوی عبدالقادر) کو ان ہر ایک کے کمالات پر چنداں واقفیت نہیں البتہ بڑے لڑکے غلام حیدر نے علوم درسیہ حاصل کر لیے ہیں اور امداد علی خاں شعر و شاعری میں مشہور ہے۔

کریم اللہ خاں:۔ خوش تقریر سخن فہم ہنر دوست اور نواب فیض اللہ کے لڑکوں میں اب جو کچھ ہے وہی ہے

جو کچھ چاہتے سب رکھتا ہے۔

نواب غلام محمد خاں :۔

ان کی اولاد میں اوّل محمد سعید خاں[1] ہے جو بے حد چست و چالاک ہے اور ہر اس ہنر کے حاصل کرنے میں جو امیروں کے لئے موزوں ہو کوئی عار نہیں کرتا۔ اور دوسرا عبد العلی خاں ہے جو ہر کام بہت غور سے کرتا ہے صاحب تدبیر اور صاحب الرائے ہے تیسرا حفیظ اللہ خاں ہے اس کو جو کچھ بھی مل جائے اس پر قانع ہے علم و عمل کا شوق جو ذریعہ نجات ہے بے انتہا رکھتا ہے۔ چوتھا عبد اللہ خاں طرز میانہ روی رکھتا ہے اور اپنی سلامت روی سے سب کے ساتھ میل سے رہتا ہے۔ پانچواں عبد الرحمٰن خاں سپاہیانہ مزاج رکھتا ہے اور اپنے افسر کے سوا دوسرے کو کسی شمار میں نہیں لاتا۔

نواب احمد علی خاں فرزند نواب محمد علی خاں جو اس خاندان کا چشم و چراغ ہے انصاف پسندی میں اپنے پرائے کو یکساں سمجھتا ہے ہر شخص سے ملاقات کے وقت اس کے مرتبہ کے لحاظ رکھنے میں کوئی فروگزاشت نہیں کرتا اور چشم مروت کی بنا پر بے جا سوال کا بھی دنداں شکن جواب نہیں دیتا مجرم سے معذرت کرنے پر بدلہ نہیں لیتا۔ گزشتہ شکوہ کبھی زبان پر نہیں لاتا۔ محمد یوسف خاں کے باپ (محمد عمر خاں) اس (نواب احمد علی خاں) کے باپ (نواب محمد علی خاں) کے اسباب قتل میں ایک ذریعہ تھے اس (محمد یوسف خاں) کے سامنے مددگاری کا دم بھرتا اور کبھی اس برے کام کا جو اس کے خاندان نے اس کے باپ کے ساتھ کیا تھا اسکا اشارہ و ایما تک زیر لب نہ لایا۔ ان تمام باتوں کے باوجود افسوس یہ ہے کہ عوام الناس کے معاملات کو دوسروں پر چھوڑ رکھا ہے چچا کے لڑکوں پر سے جو نصر اللہ خاں کے وقت میں اس کے غلبہ کی امید پر جی رہے تھے شفقت کا ہاتھ اٹھا لیا[2]۔

---

[1] نواب محمد سعید خاں ۱۹ ربیع ۱۲۰۱ھ روز جمعہ کو پیدا ہوئے نواب احمد علی خاں نے اولاد ذکور سے کوئی وارث ریاست نہ چھوڑا اس لئے احمد علی خاں کے انتقال کے بعد نواب محمد سعید خاں مسند نشین ریاست رام پور ہوئے بڑے خوبیوں کے مالک تھے نثر فارسی میں مرزا قتیل سے مشورہ تھا طب حکیم مرزا علی لکھنوی سے حاصل کی درسیہ کتابیں قطبی میرک پڑھی تھیں نواب محمد سعید خاں نے ۱۳ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۵۵ء کو انتقال کیا (اخبار الصنادید جلد دوم ص ۲۰ و ۲۱)

[2] نواب احمد علی خاں ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء میں ریاست رام پور کے حقدار قرار پائے اور بوجہ صغر سنی نواب نصر اللہ خاں نے نیابت کے فرائض انجام دیے نواب نصر اللہ خاں کے انتقال کے بعد ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء میں مکمل اختیارات حکمرانی تفویض ہوئے ۵ جمادی الاول ۱۲۵۶ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۴۰ء کو فوت ہوئے۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص ۴۵۴)

نواب نصر اللہ خاں خان

ایک ہنر مند امیر، آزمودہ کار، گرم سرد کو دیکھے ہوئے، تلخ و ترش کو چکھے ہوئے، خوش نویس، مصوّر، نقاش، شاعر، ادیب، طبیب اور میدان جنگ و جشن کے انداز سے واقف تھا جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا جیسا کوئی ہوتا اس کو پہچان لیتا تھا مگر اپنے والی (نواب احمد علی خاں) کے حفظ مراتب اور اپنے سے اس کے عالیمرتبت ہونے میں (یہ انداز نہ تھا) اس کا لڑکا کفایت اللہ خاں باپ کے بعد ہی چل بسا البتہ احمد اللہ خاں، فصیح اللہ خاں اور کرامت اللہ خاں یادگار چھوڑے ہیں سخاوت ان لوگوں کا بڑا کارنامہ ہے ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ع میں رئیسان شہر لکھنؤ کی رونق افروزی پر وہاں (رام پور) کے لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی

---

[1] نواب نصر اللہ خاں ابن نواب عبد اللہ خاں ۱۱۶۹ھ میں آنولہ میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت بہت اعلیٰ طریقہ پر ہوئی نہایت عقیل اور بہادر تھے اپنے والد نواب عبد اللہ خاں کے انتقال کے بعد رئیس ادھیانی ہوئے جنگ میرانپور کٹرہ میں نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ آخر وقت تک داد شجاعت دی اسی طرح جنگ دوجوڑہ میں نواب غلام محمد خاں کے ساتھ دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا پندرہ برس پانچ مہینے اکیس دن نیابت کا کام انجام دے کر ۲۶ شوال ۱۲۲۵ھ کو شنبہ کے دن انتقال کیا طبیعت موزوں پائی تھی سلطان تخلص تھا رام پور میں بازار نصر اللہ خاں ان کی یادگار ہے عنبر شاہ خاں عنبر نے تاریخ انتقال یوں نظم کی ہے۔

یک ہزار و دو صد و بست و پنج	بود از ہجرت رسول گواہ
ماہ شوال بود بست و ششم	کہ بہ جنت رسید نصر اللہ

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۹ - ۲۰۷، انتخاب یادگار ص ۱۴۲)

[2] کفایت اللہ خاں ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے حسین، ذکی، ذہین، صاحب استعداد اور بہت فیاض تھے کفایت تخلص تھا اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۲۵ صفر ۱۲۲۶ھ کو انتقال کیا عنبر شاہ خاں عنبر نے یوں تاریخ انتقال نظم کی ہے،

چو زیب صدر ریاست کفایت اللہ خاں	وداع کرد جہاں دل بگوش تکرت رفت
بیک ہزار و دو صد سال ہجر بست و ہشت	بہ بست و پنجم ماہ صفر بجنت رفت

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۹، انتخاب یادگار ص ۲۱۷)

[3] ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ع میں رئیسان شہر لکھنؤ سے رام پور میں کوئی شخص نہیں آیا غرہ جمادی الآخر ۱۲۱۳ھ کو نواب سعادت علی خاں والی اودھ کا لڑکا مرزا محمد علی خاں اور اسٹور انگریز ایک جمعیت کے ساتھ رام پور پہنچے اور نواب فیض اللہ خاں کے بیٹوں اور بھتیجوں وغیرہ کو لکھنؤ لے گئے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس وقت شہر میں حسب ذیل علما موجود تھے۔

علمائے رام پور (افغانی)

ملا خلیل محدث[1]۔ بندہ نے ان بزرگوار کو نہیں دیکھا اب ان کے نواسے مولوی محمد سعید[2] ہیں جو حافظ بھی ہیں اور تمام فنون درسیہ سے مناسبت رکھتے ہیں فتح پور میں صدر امین کے قائم مقام ہیں طبیعت موزوں ہے نثر نویسی پر بھی قادر ہیں۔

ملا عبد الرزاق[3] فقیہ تھے میں نے ان کو شیخ فانی کی عمر میں دیکھا ان کا لڑکا محمد علی پرگنہ کی تحصیل و تشخیص میں مشہور ہے۔

مولوی عبد العزیز[4] معقولی۔ میں نے ان کو اس وقت دیکھا جب مشغلۂ تعلیم کو ترک کر کے زہد کی جانب متوجہ تھے مگر ان کی گفتگو سے جودت ذہن کا اظہار ہوتا تھا۔

ملا جہانگیر[5]۔ مولوی باب اللہ کے شاگرد ہیں ان کے علم و فضل کا سب کو اعتراف ہے مگر بندہ نے ان بزرگوار کو نہیں دیکھا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) اسی زمانہ میں زمان شاہ بادشاہ کابل لاہور تک آگیا تھا اسی لئے نواب سعادت علی خاں نے یہ کارروائی کی تھی (اخبار الصنادید ص۳۰۰،۲۹۹ تاریخ اودھ جلد چہارم از حکیم نجم الغنی خاں رام پوری ص۱۳۱،۱۲ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۱۹ء)

[1] رام پور میں رہتے تھے دس برس عارضہ درد رہی سودادی اور مراقی رہا سید محمد قاسم شاہ اور مولوی محمد بادشاہ کے ایما سے حکیم بایزید آخونزادہ نے علاج کیا اور اچھے ہو گئے ۱۲۱۵ھ/۱۷۹۹ء سے قبل انتقال ہوا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص۳۹)

[2] اخون خیلوں کے محلہ (واقع رام پور) میں پیدا ہوئے اور رام پور ہی میں علوم منقول و معقول حاصل کئے عربی کے بڑے فاضل اور حافظ قرآن تھے کلکتہ جاکر انگریزی کی تحصیل کی مفتی شرف الدین رام پوری کے داماد تھے فتح پور ہسوہ میں بحالت ملازمت برٹش گورنمنٹ انتقال ہوا۔ مولوی رحمان علی مولف تذکرہ علمائے ہند کے بھائی مولوی امان علی ان کے شاگرد تھے۔

(تذکرہ کاملان رام پور ص۳۵ و تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمٰن علی ص۲۰۸ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۱۴ء)

[3] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۶۹

[4] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۲۰

[5] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۹۹

ملا سراج الدین۔ ملا جہانگیر مرحوم مذکورہ بالا کے داماد بے حد خوش بیان تھے ان کے صاحبزادے ملا
صدر الدین[1] ہیں جو ان کے حسن تقریر و ذکاوت آثار کی یادگار ہیں۔

ملا عرفان۔ ایک حاشیہ[3] معروف ان کی یادگار ہے ان کے کلام سے مطالب علمیہ سوائے عالم متبحر کے
کوئی نہیں سمجھ سکتا ان کے جانشین مولوی خلیل الرحمن ہیں۔

مولوی خلیل الرحمن[4]۔ نواب امیر خاں کے لشکر میں اپنے والد کے نعم البدل ہیں فضائل موروثی کے علاوہ
فنون ریاضی، تاریخ، علوم ادبیہ، تحریر فارسی اور طب سے مناسبت رکھتے ہیں۔

مولوی غلام جیلانی[5]۔ فاضل، عارف اور نظم و نثر کے ماہر تھے خود بھی اردو فارسی میں شعر کہتے تھے جنگ نامہ فاغنہ

---

[2] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۱۴۳

[1] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۱۵

[3] حاشیۃ الدر دار علی الدائر (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۵۲، ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خاں صفحہ ۹۲۳ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء

[4] مولوی خلیل الرحمن نے کتب درسیہ مولوی غلام جیلانی رفعت سے پڑھیں۔ آخر عہد امیر الدولہ نواب امیر خاں میں ٹونک گئے نواب وزیر الدولہ
کے زمانہ میں مولوی حیدر علی سے شکر رنجی ہونے کی وجہ سے ٹونک سے رام پور واپس آگئے اور پھر ریاست جاؤرہ میں ملازم ہو گئے اور وہیں
انتقال ہوا ان کی ایک تصنیف فن منطق میں تحقیق جواب الاشکال المسمی بجذر الاصم ہے جو ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں طبع ہو چکی ہے۔

[5] بخش پٹھان تھے۔ مولانا بحر العلوم لکھنوی اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے تلامذہ سے تھے فارسی میں نہایت اعلیٰ لیاقت تھی جنگ
دو جوڑہ کے حالات "در منظوم" کے نام سے نظم کئے ہیں یہ کتاب ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں مکمل ہوئی مولوی خلیل احمد شاہجہانپوری سے بیعت تھے۔
مولوی حیدر علی، مولوی خلیل الرحمن، مفتی شرف الدین، مولوی غیاث الدین جیسے نامور فضلا ان کے شاگرد تھے ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء میں رام پور میں
انتقال ہوا۔ رفعت تخلص ہے مجموعہ رفعت (فارسی دیوان) ہشت خلد فارسی۔ (انتخاب کلام مختلف شعراء) اردو منظوم (جنگ نامہ
دو جوڑہ) ان کی تصانیف ہیں مولوی غلام جیلانی رفعت کا ایک عربی غیر منقوطہ قصیدہ (مخطوطہ) ہمارے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

قطعہ تاریخ وفات:۔

چو از دنیا جناب پاک رفعت ۔۔۔ گذشت از غم دلم اندوہگیں شد
نہ تنہا جانم از مرگش طپاں است ۔۔۔ کہ جان عالم از فوتش حزیں شد
زباں در سوگ او پیوست باہم ۔۔۔ جہاں در ماتمش با غم قریں شد
وجود پاک او از نیک ذاتے ۔۔۔ جناں را بسکہ ہر دم دل نشیں شد
از بہر حساب سال فوتش ۔۔۔ بتاریخ "دل خلد بریں شد"

۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء

تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۸۶، ۲۸۴ و انتخاب یادگار صفحہ ۱۵۳ و ۱۵۱)

دانگریز جو ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں تمام ہوا ان کی یادگار رہے ایک عربی غزل جس کو مفتی امیراللہ نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ اور شیخ احمد یمنی[51] نے بھی اسی کے نام سے لکھ دیا ہے ان کے زور طبع کی دلیل ہے مولوی حیدر علی[52] ان کے داماد اور جانشین ہیں اور فن طبابت میں مہارت رکھتے ہیں مولوی عبدالرحیم۔ کتب درسیہ کے حافظ ہیں۔ فنون ریاضی سے ہمت[53] ہار گئے۔ ملا خواص[54]۔ بندہ نے نہیں دیکھا لیکن ان کے صاحبزادے مولوی محمد علی[55] کو ما ابیم الاجسام اور امور عامہ کے مسائل از بر ہیں میر زاہد کا حاشیہ اور شرح مسلم بھی نوک زبان ہے۔

---

[51] عربی زبان کا مشہور و معروف ادیب احمد بن الشروانی الیمنی مولف نفحۃ الیمن فیما یزول بذکرہ الشجن (تذکرہ علمائے ہند ص۱۹)

[52] مولوی غلام جیلانی رفعت اور مولوی عبدالرحمن دکنی سے تحصیل کی حدیث کی سند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رح سے حاصل کی تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے علم طب میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ نواب صدیق حسن ابجد العلوم میں لکھتے ہیں "کان فاضلاً جلیلاً بجمیع علم الطب الی مسائر علومہ" بات وہ درس و تدریس اور طبابت سے کام تھا نواب وزیرالدولہ نے ربیع الاول ۱۲۴۶ھ میں ٹونک میں انہیں عہدہ دیوانی پر مامور فرمایا حضرت سید احمد شہید رح کے خلیفہ تھے ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۵۶ء کو ٹونک میں انتقال ہوا۔ آپ کی تصانیف سے صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس (اردو) اور رسالہ رفع الیدین (فارسی) مشہور ہیں۔

(تذکرہ کاملانِ رام پور ص۱۱۹، ۱۱۸ / تذکرہ علمائے ہند ص۵۵ / جماعت مجاہدین از مولوی غلام رسول مہر ص۲۹۲ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۵۵ء / ابجد العلوم صفحہ ۹۲۸، ۹۲۷، ۹۱۸)

[53] مولف تذکرہ کاملانِ رام پور اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں "فنون ریاضی خوب جانتے ہیں نواب احمد علی خاں کے عہد میں کوئی انگریز چند مسائل ریاضی کے حل کرنے کے لئے یہاں آیا اور نواب صاحب سے کہا کہ کوئی ریاضی داں ہو تو اس سے حل کرا دیجئے، چنانچہ آپ نے وہ مسائل حل کر دیئے اور وہ ان کو اپنے ساتھ معقول تنخواہ پر باہر لے جانا چاہتا تھا مگر نہ گئے" — مولوی عبدالرحیم بن حاجی محمد سعید خاں سے رام پور کے اکابر علماء کو تلمذ تھا۔ مولوی عبداللہ بھوپالی، مولوی عبدالعلی خاں، حکیم محمد اعظم خاں، مفتی سعداللہ، مولوی عالم علی مرادآبادی مولوی فیض الحسن سہارن پوری مشہور ہیں۔ ریاست رام پور سے وظیفہ مقرر تھا، مجمع الصنیع، شرح غایۃ البیان ان کی تصنیفات سے ہیں ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں انتقال ہوا۔

(تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۱۳)

[54] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۱۲۳

[55] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۶۲

حافظ عبدالرشید[1]۔ طبیعت دشوار پسند ہے جملہ فنون کی چند بار تحقیق کر چکے ہیں مگر ان کے شگی دل کو اطمینان نہیں حتیٰ کہ علم ہندسہ میں ان کو شکوک ہیں اور لزومیات کو اتفاقیات ثابت کرنا ان کو آسان ہے۔

ملا عبدالرحمٰن[2]۔ ہر مجمع میں مباحثہ کرتے تھے نکتہ بعد الوقوع بہت فرماتے تھے مدراس میں مفتی بھی ہوگئے تھے۔

ملا غفران[3]۔ فقیہ بہت بحث کرنے والے اور مذہب حنفیہ کے اختلاف روایات سے خوب واقف تھے

قاری نسیم[4]۔ حافظ قرآن، ساتوں قرأت کی تحقیق، مخارج سے حروف کی ادائیگی، مدات، اوقاف اور رسم خط میں خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں بندہ نے ان سے پہلے نہ ان کے بعد ان جیسا کوئی دوسرا شخص اس فن کا ماہر دیکھا۔

ملا نسیم[5]۔ اپنے وقت میں طلبا سوات کا مرجع تھے طلب حق میں ذرا عار نہ تھی اخیر عمر میں مولوی کمال سے شمس بازغہ کی تحقیقات کی جس کو بارہا پڑھا چکے تھے۔

---

[1] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۴۱

[2] مولوی عبدالرحمٰن خاں بن مولوی حاجی عبداللہ خاں فاضل بے بدل اور اہل باطن سے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کو فضیلت پناہ، اور فضیلت مآب لکھتے تھے ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں انتقال ہوا۔

(تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۰۳)

[3] بڑے صاحب علم و فضل تھے آپ کی صدارت میں علمائے شہر نے پیرزادہ اعلم الدین کے خاندانی نزاع کا فیصلہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں کیا اس فیصلہ کی پیشانی پر نواب احمد علی خاں بہادر والیٔ رام پور کا یہ حکم ہے "رکن شریعت ملا غفران صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارکہ آنچہ فیصلہ شاکردہ اند منظور شد" ان کے نامور فرزند ملا عمران تھے جن کی ایک کتاب اردو میں "رسالہ تجہیز و تکفین" مشہور ہے فتاویٰ فقہ ۸ جز میں لکھا جو کتب خانہ رام پور میں قلمی موجود ہے ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں انتقال ہوا۔

(تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۳۰۰، تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۵، ابجد العلوم صفحہ ۹۲۸)

[4] ولایت سے آئے تھے قاری عبیداللہ کے شاگرد تھے علم قرأت و خوش الحانی میں دور دور مشہور تھے دیگر علوم و فنون میں بھی ماہر تھے آپ کے داماد حافظ فخراللہ ولد شیخ اسلم بھی مشہور قاری تھے جن کی تصنیف سے علم قرأت میں "رسالہ فخر المتعلمین" ہے۔ مولوی احمد علی عباسی چریاکوٹی (المتوفی ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۵ء) نے علم تجوید قاری نسیم سے حاصل کیا۔ (تذکرہ کاملانِ رامپور صفحہ ۴۱۲ و ۴۱۳، تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۹)

[5] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۳۱۱

مُلا لطیف[1]۔ کتب فقہ کو جس طرح اُستادوں سے حاصل کیا اپنے ملوکہ نسخوں کے حاشیہ پر لکھ لیا۔

مُلا اسلم[2]۔ فقہی نادرہ بہت جانتے تھے اور زیادہ تر امیروں کے مصاحب رہے۔

مُلا بدر الدین[3]۔ فقہ اور اصول میں کافی دخل تھا حسن تقریر کی بنا پر افغانوں میں امتیاز رکھتے تھے اکثر امراء کی مصاحبت اور وکالت کرتے تھے زمانہ ان کے موافق تھا ان کے بڑے صاحبزادے محمد انور خاں نے بزمانہ معتمد الدولہ لکھنؤ میں شہرت حاصل کر لی تھی۔

مُلا نیک محمد[4]۔ علم الفرائض میں مشہور تھے ہندوستانی ان کو افغان اور افاغنہ ہندوستانی سمجھتے تھے لیکن افغانی فضلا کے مشیر تھے۔

مُلا زبیر[5]۔ برسوں تک فتوے کا کام کیا درس بھی دیا۔ بے حد ذہین تھے فقہ میں پوری مہارت حاصل کر لی تھی جب چاہتے مدعی دعویٰ کو اس کے بیان ہی سے شرعی احکام میں ناقابلِ قبول ثابت کر دیتے اور مدعا علیہ کی خلاصی کی صورت نکال دیتے۔

مولوی ہدایت[6]۔ انہوں نے تحصیل علوم کر کے شریعت پر استقامت اور کمالات تامہ حاصل کرنے پر کمر ہمت باندھی اور ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی۔

مُلا فقیر[7]۔ بندہ نے ان کی زیارت نہیں کی لیکن بے غرض لوگوں کی زبانی سُنا ہے کہ ظاہری باطنی

---

[1] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۳۴۰

[2] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۷۹

[3] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۳۸

[4] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۵۱

[5] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۷

[6] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۶۸

[7] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۱۴۷

[8] اصل نام شاہ عبد الکریم اور باپ کا نام رحمت اللہ ہے علم ظاہری میں دستگاہ کامل تھی تصوف و فقر میں شاہ منور علی الہ آبادی سے خلافت پائی، حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی زندگی تک پیلی بھیت میں قیام رہا آپ کے تقدس اور بزرگی نے تمام روہیل کھنڈ کو مسخر کر لیا تھا حافظ الملک کی شہادت کے بعد رام پور چلے آئے اشاعت علم ظاہری و باطنی کے ساتھ تبلیغ اسلام بھی جاری تھی دستر خوان وسیع تھا ۲ر شعبان ۱۲۰۱ھ کو وفات پائی اور رام پور میں محلہ والی مسجد میں ملا فقیر کا مزار ہے (تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۱)

مگر سید الطاف علی بریلوی صاحب لکھتے ہیں "آخون فقیر صاحب کا پورا نام اخون محمد زیارت خاں تھا ۱۲۰۱ھ میں بریلی میں انتقال ہوا اور محلہ جسولی میں دفن ہوئے ان کا مقبرہ ان کی مسجد میں ہے آخون ملا دے کی مسجد کے نام سے مشہور ہے آج تک موجود ہے مشہور ہے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

محامد سے آراستہ اور پیراستہ تھے۔

مولوی عبداللہؒ خلف ملا کبیر۔ طریق تصوف ان پر غالب تھا۔

ملا محمدؒ سعید۔ اپنی صغر سنی میں میں نے ان کو دیکھا تھا ان کے دو خاص شاگردوں نے ان کا اچھا مطالعہ کیا ہے ایک حیدرؒ علی خاں پسر انور خاں جو کٹھیر (روہیل کھنڈ) کے ناموروں میں سے تھے۔ "دل بیار و دست بکار" کا طریقہ اور تہذیب نفس حاصل کرنے کی بہت زیادہ کوشش تھی دوسرے جلال الدینؒ (جنہوں نے) اپنی ہمت کو دوسروں کے وعظ و نصیحت پر محدود کر لیا تھا اور جو کچھ کرنا چاہتے پہلے اس بات کے درپے ہوتے کہ سب کا اس پر اتفاق ہو جائے اسی خواہش کی وجہ سے رنجشوں کی نوبت بھی آجاتی تھی بالآخر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی سنت ان پر غالب آ گئی اور شہر سے باہر رہ کر نہایت عسرت سے زندگی بسر کر دی۔

علمائے رام پور (ہندوستانی)

مولوی عبدالعلی لکھنویؒ۔ جنہوں نے ارکاٹ میں وفات پائی۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ان کو جنات نے دفن کیا تھا۔ ان کے دو لڑکے تھے ایک آخون زادے امانت خاں جو لاولد فوت ہوئے دوسرے آخون زادے عباس علی خاں اقتدار الدولہ صمصام جنگ بہادر جن کے ایک لڑکا اور چند لڑکیاں ہوئیں" (حیات حافظ رحمت خاں حاشیہ [illegible]) الفاضل علی بریلوی صاحب کو فقیر آخون صاحب کے حالات میں تسامح ہوا ہے۔ آخون فقیر صاحب کا کشکول (قلمی) مولوی سید احسان الحق صاحب مراد آبادی کے پاس محفوظ ہے۔

[1] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۴۳

[2] ملا محمد کی ایک کتاب علم فقہ میں کتب خانہ رام پور میں موجود ہے مولانا عالم علی مراد آبادی ان کے شاگرد تھے (تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۲۴۷)

[3] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۱۲۰   [4] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۸۹

[5] ملا نظام الدین سہالوی کے فرزند تھے ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے کتب درسیہ کی تحصیل اپنے والد سے کی اور والد کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ملا کمال الدین سہالوی کی علمی صحبت میں رہے اودھ کی حکومت کے تشدد کی وجہ سے لکھنؤ چھوڑنا پڑا ایک مدت تک شاہجہانپور میں درس دیا حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ کے حسب طلب رام پور پہنچے اس کے بعد منشی صدرالدین میر منشی گورنر جنرل کی طلب پر مدرسہ بوہار میں صدر مدرس ہو گئے وہاں بھی کچھ اختلافات رائے ہو گیا۔ نواب والا جاہ والی ارکاٹ کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

مولوی محمد حسن لکھنوی[۱]۔ بندہ ان دونوں بزرگوں کی زیارت سے محروم رہا ان دونوں کی شروح و حواشی ان کے تبحر کے شاہد عادل ہیں۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) درخواست پر ارکاٹ پہونچے نواب نے مولانا کا بڑا اعزاز فرمایا مدراس ہی میں ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا۔ مدراس کی جامع مسجد میں دفن ہوئے "فاضل قطب زمانہ" سے سن وفات نکلتی ہے۔

مولانا بحر العلوم نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے بہت معتقد تھے اور مسئلہ وحدت الوجود کے قائل تھے آپ کے صاحبزادے مولانا عبد الرب تھے۔

(۱) تذکرہ علمائے فرنگی محل از مولوی عنایت اللہ ص ۱۴۱ و ۱۳۷ (لکھنؤ ۱۹۳۰ء)

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۳، ۱۲۲ (۲) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۵۹، ابجد العلوم ص ۹۲۷۔ (۴) حدائق حنیفیہ از فقیر محمد جہلمی ص ۴۷۲ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۰۶ء (۵) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۵۸۳ (۶) اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۰۰۔

(۷) تاریخ فرخ آباد از مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (قلمی) نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن ورق ۱۳۲، ۱۳۱) (۸) حدیقۃ المرام از محمد مہدی واصف ص ۲۵۴ (مطبع مظہر العجائب۔ مدراس ۱۲۸۵ھ) (۹) آثار الاول من علمائے فرنگی محل از قیام الدین عبد الباری ص ۱۶، ۱۷ مطبوعہ مطبع مجتبائی لکھنؤ

[۱] ملا حسن کے نام سے مشہور تھے باپ کا نام قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا اسعد ہے اپنے ماموں ملا کمال الدین اور ملا نظام الدین سے تحصیل علم کی علوم معقول میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے حافظہ قوی تھا ایک مدت تک مدرسہ فرنگی محل میں درس دیا ملا بحر العلوم کی طرح اودھ کی حکومت کے تشدد کی وجہ سے اول شاہجہانپور پہنچے اور پھر نواب ضابطہ خاں کی درخواست پر نجیب آباد گئے نواب ضابطہ خاں نے ان کے استاد ملا کمال الدین کی جگہ ان کو مدرسہ دارانگر میں مدرس مقرر کر دیا۔ مولوی برکت اللہ الہ آبادی بھی اس زمانہ میں اسی مدرسہ میں تھے مرہٹوں کی وجہ سے جب وہاں گڑبڑ ہوگئی تو نواب فیض اللہ خاں کی درخواست پر رام پور آ گئے رام پور میں ۳ صفر ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء کو انتقال ہوا اگرچہ اکثر تصانیف ان سے یادگار ہیں مگر شرح سلم العلوم بہت مشہور ہے۔ (ملاحظہ ہو)

(۱) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۴۹، ۵۴

(۲) اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۰۰

(۳) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۴۳

(۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸۶، ۱۸۵

(۵) تراجم الفضلا از مولانا فضل امام خیر آبادی مرتبہ مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۴۔ (شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی) ۱۹۵۶ء۔

مولوی یوسف[1]۔ بندہ نے دیکھا تو نہیں مگر ان کے اوصاف سُنے ہیں۔

مولوی امام بخش[2]۔ معقولی کتابوں کی اچھی مہارت تھی مولانا رستم علی کی زبانی ان کی تعریف سنی ہے۔

مولوی نور عالم[3]۔ بندہ نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میبذی کے چند جزکے استفادہ کی برکت حاصل کی ہے میبذی کا حاشیہ ان کے کمال علمی کی تشریح کر رہا ہے ان کے صاحبزادے مولوی محب اللہ مراد آباد میں ہیں اور وہاں ان ہی کا صدقہ جاریہ ہے۔

مولوی رستم علی[4]۔ میرے اور میرے مخدوموں کے مخدوم تھے۔ مروجہ کتب درسیہ حروف ابجد کی طرح نوک زبان تھیں ان کے صاحبزادے مولوی محبوب[5] علی ان کی فیض رساں مسند کے زیب و زینت ہیں۔

حافظ محمد زبیر[6]۔ اُستادوں سے جو کچھ حاصل کیا ہے بے کم و بیش شاگردوں کو عطا کر رہے ہیں۔

مولوی لطف اللہ۔ حافظ کلام اللہ۔ عیدگاہ کے خطیب اور درحقیقت صلوٰۃ استسقاء میں امام العلماء تھے مجالس مناظرہ میں ماہرین کے ساتھ ہر فن میں گفتگو کر سکتے تھے ان کی یادگار حافظ عبداللہ ہیں۔

---

[1] تذکرہ کاملان رام پور ص۲۵۹ [2] تذکرہ کاملان رام پور ص۲۵ [3] تذکرہ کاملان رام پور ص۲۴۶

[4] والد کا نام محمد اسمٰعیل ولد محمد اسحٰق ہے مولانا رستم علی کوٹرا جہاں آباد میں پیدا ہوئے علوم و فنون ظاہری کے بعد علوم باطنی کا شوق ہوا شیخ ابا اور رام پور میں جملہ علوم کی تحصیل سے بیس سال کی عمر میں فارغ ہوئے ان کے تلامذہ میں مفتی شرف الدین اور مولوی بزرگ علی جیسے نامور علماء تھے۔ مولانا رستم علی نے ایک رسالہ مولوی اسمٰعیل لندنی کے جواب میں تقاریر صحیح لکھا ہے اس کے علاوہ میر زاہد اور صدرا پر حاشیے لکھے نہایت متقی اور پرہیزگار تھے ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۳۱ھ ۱۸۲۵ء کو انتقال ہوا مسجد عثمان والی (رام پور) میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص۱۳۱ و ۱۳۹)

سوانح عمری حضرت شاہ بولاقی مراد آبادی از احمد حسین ص۳۴-۳۶ مطبوعہ مطبع سعیدی رام پور ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۱ء

[5] رام پور میں ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوئے سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم کی تکمیل اپنے والد سے کی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ان کے وعظ میں بڑا اثر تھا نواب احمد علی خاں کے عہد میں مفتی عدالت رہے ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں مراد آباد میں انتقال ہوا مولوی شاہ علی ان کے فرزند تھے منتخب النفائس لغت اردو مولوی محبوب علی کی یادگار ہے جو ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپ چکی ہے۔

(تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۲۲-۲۲۱)

[6] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۱۴۷

[7] تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

ملا کمال[۵۱]:۔ ان کا نام ہی شیخ سی ہے ان کے بیٹے مولوی جلال الدین[۵۲] کی بے حد تعریف سنی ہے۔ ان کی ملاقات کا آرزو مند ہوں۔

مولوی شیر محمد[۵۳]:۔ بندہ شرف دید سے محروم رہا مگر اکثر کتابوں پر ان کی تعلیقات نظر سے گزریں جو کچھ بھی ان کی زبان قلم سے نکلا ہے لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے ان کے پوتے حافظ غلام حسین[۵۴] بہت ہی زبردست فاضل ہیں۔

مولوی سلام اللہ[۵۵]:۔ حضرت شیخ عبد الحق دہلوی جہانگیری کی اولاد سے ہیں۔ جملہ علوم سے پوری مناسبت رکھتے ہیں۔ مطالب کتب غیر درسیہ سے ان کو کتب درسیہ کے مطالب جیسی واقفیت تھی علوم منقول مثل حدیث، رجال، تاریخ لغت اور ادب سب میں کامل تھے اور عربی زبان میں مطالب علمیہ

---

۵۱ حافظ شاہ جمال اللہ کے مرید تھے۔ ایک عرصہ تک دکن میں رہے (تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۳۶، ۳۳۷)

۵۲ بڑے صاحب علم و فضل تھے۔ عہد طفلی میں آنکھیں جاتی رہی تھیں ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء تک حیات تھے رام پور میں انتقال ہوا مفتی اسد اللہ خاں چھپرودی کے شاگرد تھے (تذکرہ کاملان رامپور ص ۹۰)

۵۳ اپنے زمانہ کے نامور فاضل تھے مولوی عبد الرحمن موحد لکھنوی نے ان سے رام پور میں شرح چغمینی پڑھی تھی تذکرہ کاملان رام پور ص ۱۶۱ انوار الرحمن لتنویر الجنان از مولوی نور اللہ بچھرایونی ص ۳۲ (مطبوعہ مطبع کالی پرشاد لکھنؤ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء)

۵۴ مفتی غلام حسین ابن مولوی نصیر الدین ابن مولوی شیر محمد رام پور میں پیدا ہوئے سیکڑوں طلبا ر فیضیاب ہوئے رام پور میں مفتی عدالت رہے کئی کتابوں کے ترجمے فارسی زبان میں کئے نواب محمد سعید خاں کی فرمائش پر شروق فی حل الفروق' (فن طب) آیہ فما استمتعتم بہ (تفسیر کبیر) مارب التحریر بر تحفۃ الامیر (فن ہیئت) اور رسالہ غریبہ (فن طب) کے عربی سے فارسی زبان میں تراجم کئے یہ تمام کتابیں کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں۔

۵۵ مولوی سلام اللہ ابن شیخ الاسلام اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ و محدث و مفسر تھے تمام علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی موطا کی شرح محلی ۱۲۱۶ھ میں لکھی نیز صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اصول حدیث پر عربی میں رسالہ لکھا' کمالین بر جلالین کے نام سے تفسیر جلالین پر حاشیہ لکھا جو طبع ہو چکا ہے ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء تا ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں انتقال ہوا رام پور میں بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ تذکرہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی از سید احمد قادری ص ۲۳۱-۲۳۳ (مطبوعہ آزاد پریس پٹنہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء) تذکرہ علمائے ہند ص ۷۶-۷۷، تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۵۸-۱۵۹، حدائق الحنفیہ ص ۴۷۶، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی ص ۱۲۳-۱۲۵ (مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی ۱۹۵۳ء)

کو لکھنے میں پوری دسترس تھی۔ اب مولوی نورالاسلام[1] ان کے جانشین بھی سلامت طبع فکر کی رسائی اور اصابت رائے میں اس زمانہ کے مغتنمات میں سے ہیں۔

مولوی غلام طیب[2]۔ میں نے دیکھا تو نہیں مگر ان کی ذہانت و ذکاوت بہت سنی ہے ان کے لڑکے مولوی محمد حیات نے علوم رسمیہ تو حاصل کرلئے تھے مگر اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔

مولوی محمد روشن[3]۔ ان کے بزرگوں کا وطن علاقہ بھرت پور تھا پھر نارنول میں رہے جواب نجابت خاں کے فرزند فیض محمد خاں کی مدد معاش کے لئے دیا گیا ہے پھر مولوی محمد روشن علم حاصل کرنے کے لئے غوث گڑھ میں آئے۔ رام پور میں مولوی احمد خاں اور مولوی سلام اللہ سے چند کتابیں بطور تبرک پڑھیں۔ ایسے ذہن و حافظہ کا انسان میں نے ابھی تک نہیں دیکھا اکثر اشیاء کو بے اُستاد سیکھے کماحقہ، جانتے تھے ہر کسی کے ساتھ برادرانہ اور بے تکلفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

مولوی احمد خاں[4]۔ قدیم باشندے دریائے راوی کے کنارے کے تھے احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے بعد لاہور

---

[1] مولوی نورالاسلام ابن مولوی سلام اللہ، خانوادۂ حنفی کے نامور عالم تھے مولف تذکرہ رام پور نے غلطی سے ان کو شاہ رفیع الدین دہلوی کا پوتا لکھدیا ہے (ص۴۳۔۴۲) ریاضی میں خاص مہارت تھی معقول میں متعدد تصانیف ہیں فن ریاضی ان کی وجہ سے رام پور میں شائع ہوا طب میں درجہ کمال حاصل تھا۔ مولوی نورالاسلام کی یادگار دو رسالے رسالۂ اسطرلاب اور رسالہ فی تحقیق ماہیتہ مکان (عربی) کتاب خانہ رامپور میں موجود ہیں تذکرہ کاملان رام پور ص۴۳-۴۲، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲۳۳ - ۲۳۶ ابجد العلوم ص۹۲۵۔

[2] مولف تذکرہ کاملان رامپور تاریخ جام جہاں نما (از قدرت اللہ صدیقی ساکن قاضی موتی) کے حوالے سے لکھتے ہیں "(مولوی غلام طیب) متوطن بہار مولوی دیانج الدین گوپاموی کے شاگردوں میں سے تھے اور بعض کتب معقولات ملا کمال الدین سے بھی پڑھی تھیں جودت ذہن اور جودت طبع بدرجہ اتم تھی علوم متداولہ میں کامل مہارت تھی باوجود اشتغال ظاہری کے اکثر اوقات ریاضت اور مجاہدہ باطن میں بھی کوشش کرتے تھے خدمت فقراء خصوصاً شاہ قدرت اللہ صفی پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر فائدہ حاصل کرتے تھے۔ نظم میں بھی کامل تھے اکثر طلباء ان کی خدمت سے فیضیاب ہوکر فاضل ہوگئے ان اوراق کے مولف (مولوی قدرت اللہ صدیقی) نے بھی ان سے فیض پایا اور کتب معقولات ان کی خدمت میں پڑھیں" تذکرہ کاملان رامپور ۲۹۸ - ۲۹۹۔

[3] تذکرہ کاملان رامپور ص۳۵۵ - ۳۵۴

[4] ملا احمد ولایتی کے نام سے مشہور تھے مولوی برکت اللہ الٰہ آبادی کے شاگرد تھے علوم درسیہ میں خصوصاً فلسفہ کے بڑے ماہر تھے مفتی شرف الدین ان کے

(اگلے صفحہ پر)

سے اس طرف آ گئے، مولوی عالم اور مولوی برکت اللہ سے کتب درسیہ پڑھیں غوث گڑھ اور رام پور میں ممتاز و باعزاز رہے امراء و علماء کی محفلوں میں بالاتر بیٹھتے جو چاہتے فرماتے سب غور سے سنتے تھے۔

مولوی ضیاء النبی[1] ـ امور ریاست، عدالت، بخشی گری۔ سرکار لکھنؤ اور انگریز کے امور مہمہ کی وکالت میں مشغولیت کے باوجود علم و عمل میں ذرا بھی فروگذاشت نہ کرتے تھے علوم ریاضی، ہندسہ، ہیئت، اصطرلاب، مناظر اور جر ثقیل کا اس شہر میں رواج ان ہی کا طفیل ہے جس قدر ان کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا اسی قدر ان کی انکساری ترقی پاتی تھی ان کے بیٹے حبیب النبی[2] جو والد ماجد کے زمانہ میں کم عمر تھے انہوں نے مولانا شرف الدین اور مولوی نور الاسلام سے کتب درسیہ حاصل کیں، مولوی حبیب النبی خوب ذہن رسا رکھتے ہیں اگر امیر کی توجہ ان کے حال پر ہو جائے تو امید ہے کہ اپنے والد کی طرح نامآور ہو جائیں۔

(بسلسلہ گزشتہ) داماد تھے اور مولوی رستم علی ان کے شاگرد تھے (تذکرہ کاملان رام پور ص۱۰-۱۱ تذکرہ علمائے ہند ص)

[1] باپ کا نام شاہ عنایت النبی ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں تھے ولادت سرہند میں ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء و ۱۱۷۰ھ کے درمیان ہوئی سکھوں کے تیسرے حملہ کے وقت یہ بھی اپنے خسر محمد مرشد کے ہمراہ رام پور آئے اور نہایت زہد و ورع کی زندگی گزارنے لگے نواب نصر اللہ خاں کو ان سے خاص عقیدت تھی عہدہ بخشی گری نواب نصر اللہ خاں نے دیا ۱۲۱۵ھ میں رام پور میں انتقال ہوا۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں قیصر

آں ضیاء النبی کاشف اسرار الٰہ — چوں ازیں دار فنا کرد بہ جنت رحلت
جستم از ہاتف غیبی سن فوتش گفتہ — بعطاء "صدر نشین باد بہ بزم جنت" ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء

(تذکرہ کاملان رام پور ص۱۷۵، ۱۷۶)

[2] رام پور میں ۱۲۰۳ھ/۱۷۹۲ء میں پیدا ہوئے مولوی جمال اور مفتی شرف الدین سے کتب درسیہ پڑھیں تفسیر و حدیث کی سند مولوی نور الاسلام سے لی مدرسہ عالیہ کلکتہ سے بھی سند حاصل کی اور اسی مدرسہ میں ملازم بھی رہے مولوی غلام جیلانی رفعت سے بھی استفادہ کیا رقت تخلص تھا قصیدہ طمادیہ کی بزبان اردو شرح لکھی ترپن سال کی عمر میں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں کلکتہ میں انتقال ہوا۔ تذکرہ کاملان رام پور ص۱۰۱، انتخاب یادگار ص۱۵۹، ۱۵۸۔

مولوی نوازش علی[1]۔ علم فرائض میں شہرۂ آفاق تھے۔ رسالہ منظوم بزبان فارسی اس فن میں انکی یادگار ہے۔

مولوی محمد مرشد سرہندی[2]۔ دہلی میں پیدا ہوئے نجیب آباد کو وطن بنایا۔ رام پور میں دفن ہوئے بندہ نے نہیں دیکھا مگر متواتر سنا ہے کہ عقیدہ عارفانہ اور اعمال زاہدانہ تھے مخدومی سراج احمد[3] ان کے نیکبخت صاحبزادے تھے ان کے اوقات شبانہ روز مشغلہ حدیث، عبادت اور امور ضروریہ میں بسر ہوتے تھے اکثر کتب حدیث مثل شرح الصدور امام سیوطی کی بدور السافرہ، مسلم شریف، ترمذی شریف اور ابن ماجہ وغیرہ کا ترجمہ لکھا بڑا لڑکا ابو محمد عرف غلام حسین ہے اور دوسرا لڑکا سراج الرحمٰن ہے جو غلام حسن کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا شرف الدین[4]۔ بندہ نے جو کچھ پڑھا ہے ان سے پڑھا ہے اگر میں ان کی قرار واقعی تعریف لکھوں تو

---

[1] تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۲۴۴

[2] مولف تذکرہ کاملان رام پور سیر المرشدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مولانا محمد مرشد ابن محمد ارشد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں تھے ۱۱ر صفر ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء کو سرہند میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ میں فضیلت تامہ رکھتے تھے اعلیٰ درجہ کے مفسر و محدث تھے ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء میں رام پور آئے مولانا محمد مرشد تقوی، طہارت اور اتباع سنت میں نہایت مستعد تھے صاحب درس تھے ۱۹ر رجب ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء کو رام پور میں انتقال فرمایا۔ (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۳۹۱ و ۳۸۹)

[3] مولوی سراج احمد ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء میں سرہند میں پیدا ہوئے ۱۲ر ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء لکھنؤ میں انتقال ہوا رام پور میں دفن ہوئے۔
(تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۱۷۸)

[4] اصل پنجاب کے رہنے والے تھے رام پور میں آکر علم و فضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ علمائے رام پور کا سلسلہ علم اکثر مفتی صاحب پر منتہی ہوتا ہے نواب احمد علی خاں کے عہد میں عہدہ قضا ان کے سپرد تھا نواب صاحب بہت عزت کرتے تھے موضع بگڑکا اور پائندہ نگر واقع حضور تحصیل بطور معافی دے تھے ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں جب کلکتہ سے مفتی صاحب رام پور آرہے تھے تو فتح پور میں حکیم احسان علی برادر مولوی رحمان علی مولف تذکرہ علمائے ہند کے مکان پر ٹھیرے تھے مولوی رحمان علی لکھتے ہیں کہ "میانہ قد، سیاہ رنگ، سفید ریش نحیف الجثہ اور ضعیف القویٰ تھے" مفتی شرف الدین کی ایک واقعہ سے سخت تشہیر و تذلیل ہوئی ہوا یہ کہ نواب احمد علی خاں والی رام پور نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنے خلل دماغ و بیماری کا بہانہ کر دیا۔ اہلکاران ریاست نے ان کی معزولی کے منصوبے تیار کئے مفتی شرف الدین اس سازش میں شریک تھے تمام حالات معلوم کرکے نواب صاحب نے اصلی حالت اختیار کری سازشیوں کو سخت ترین سزائیں دیں مفتی شرف الدین بھی معتوب ہوئے اور ان کے ہاتھ گدھے کی دم سے بندھوا کے
(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

مرتبہ فنافی الشیخ پر محمول ہوگا لیکن "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کا مصداق ہے اکثر علوم میں فہم عالی کی قوت سے پوری قدرت رکھتے ہیں افتا میں قاضی القضاۃ ابو یوسف کی یادگار ہیں اس وقت اس شہر میں ہر فن کی کتابیں پڑھانا اور ہر بات کا جواب دینا ان ہی کا کام ہے طلبا کی تعلیم و تربیت کی جانب جب کبھی متوجہ ہوجاتے تو اپنی نظیر نہ رکھتے اس بات کا یہ کھلا ثبوت ہے کہ جس کسی نے چند روز ان کی خدمت میں علم کی چاشنی چکھ لی پھر جس آفت میں بھی

(سلسلہ صفحہ گذشتہ) تمام شہر میں پھروایا ان کے آگے آگے شہنائی میں یہ شعر گایا جارہا تھا۔

نکل کے وادی وحشت سے دیکھ اے مجنوں　　　　که شور و دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلی

مفتی صاحب کی خوب تشہیر کرا کے حوالات میں رکھا حوالات سے ان کے چند شاگرد خفیہ نکال کر لے گئے پھر مفتی صاحب لکھنؤ و کلکتہ چلے گئے بقول مولف اخبار الصنادید "نواب احمد علی خاں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے کانوں سے مفتی صاحب کی زبانی یہ لفظ سنے تھے "ہاں اب دیر کیا ہے" بعض صاحبوں کا بیان ہے کہ جب احمد علی خاں کی مصنوعی دیوانگی میں ان کے قید اور معزول کرنے کا مشورہ ہوا تو مفتی صاحب نے نواب صاحب کے قتل کرنے کے لئے ایما کیا تھا نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم میں مفتی شرف الدین کی دنیا طلبی کی شکایت کی ہے لیکن دراصل اس ریمارک میں نواب صاحب کا عدم تقلید کا جذبہ کارفرما ہے

"كان شرا في الدين لا شرف الدين كما سماه به ذلك الوالد قدس

سره وكان ابعد خلق الله من السنة حفظ الحواشي والشروح

الكثيرات الكتب الدرسية المتداولة منتصر للبدعة

سل دا على اهل الحق بحرا فاتحنا الله بها عفى الله عنه ما جناه"

مفتی صاحب کے دو صاحبزادے مولوی ظہور الحق اور مظہر جمیل تھے مفتی صاحب کی تصنیفات سے بقول مولف تذکرہ علمائے ہند سراج المیزان (منطق)، شرح سلم (تا لا یجد ولا بتصور) اور بعض فتاوی مشہور ہیں مفتی صاحب کا ایک رسالہ علم فرائض میں بزبان فارسی چوبیس صفحہ کا کتب خانہ رام پور میں موجود ہے یہ اس زمانہ کی تصنیف ہے جبکہ مفتی صاحب معتوب تھے مفتی صاحب کی ایک دوسری تصنیف حل الاشکال (فارسی) بھی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔

(۱) تذکرہ کاملان رام پور ص۱۷۱ تا ۱۸۸

(۲) تذکرہ علمائے ہند ص۹۵ / ۸۸

(۳) اخبار الصنادید جلد اول ص۲۹۶، ۲۹۷ (۴) ابجد العلوم ص۹۲۸۔

مبتلا ہو اس فن کے مشغلہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا چنانچہ مولوی عبد اللہ[۵۷] بریلی میں اپیلوں کے مشغلہ وکالت کے باوجود جس قدر ممکن ہوتا کتب بینی میں مشغول رہتے ان کے چھوٹے بھائی مولوی نور اللہ[۵۸] جو میرے ہم عمر ہیں عرصہ دراز تک عدالتی کاموں میں رہے اور زود نویس منشیوں میں شمار ہو گیا مگر اب مولوی عبد الرحمٰن عارف[۵۹] کی خدمت میں سب کو چھوڑ چھاڑ حق گوئی پر کامیاب ہو گئے اور بذریعہ تقریر و تحریر علمی مناظرہ پر مستعد اپنے مرشد کے رسالہ کلمۃ الحق کی شرح لکھی جس کا "نور مطلق" نام رکھا اور گانا سننے کے جواز پر بھی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے مولوی نعمت علی جو کہ چھپرہ کی عدالت میں مولوی کے عہدے پر ہیں اسی زمرہ کے ہیں

شہر کے اکثر لوگ فن طب سے ناآشنا ہیں لیکن اس بارے میں اس شہر کے باشندوں میں ملا فقیہہ کا خاندان سب سے سبقت لے گیا ملا بایزید[۶۰] نے علم جراحی کو کہ عرصہ سے اطباء اس سے

---

[۵۷] مولوی عبد اللہ ولد محمد مقیم الدین قصبہ بچھراؤں ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔

[۵۸] مولوی نور اللہ ولد محمد مقیم الدین ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء میں بچھراؤں (ضلع مرادآباد) میں پیدا ہوئے تحصیل علم مرادآباد اور رام پور میں کی شاہ نور الہدیٰ منگلوری ولد مفتی محمد سلیم کے مرید ہوئے۔ قریب چھ سال حکومت اودھ کے لکھنؤ میں ملازم رہے ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء میں لکھنؤ پہنچ صوفی عبد الرحمٰن لکھنوی سے ملے ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء میں وطن چلے گئے پانچ سال وہاں گزارے پھر واپس لکھنؤ آئے اور ۹ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء سے صوفی عبد الرحمٰن کی خدمت ہی میں رہنے لگے انھوں نے صوفی عبد الرحمٰن کے حالات و ملفوظات میں "انوار الرحمٰن لتنویر الجنان" نام کی کتاب لکھی (انوار الرحمٰن صفحہ ۳۰)

[۵۹] صوفی عبد الرحمٰن لکھنوی المتوفی ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء مفصل حالات صفحہ ۱۶۳ پر درج ہیں۔

[۶۰] ملا بایزید ولد شاہ رحمت اللہ عربی کے عالم متبحر اور طب میں ارسطوئے وقت تھے ملا صاحب نے طب حکیم عزیز الدین میرٹھی حکیم قاضی ثناء اللہ بریلوی (شاگرد نواب علوی خاں) اور حکیم کبیر علی سنبھلی سے حاصل کی نواب فیض اللہ خاں کے ہمراہ سرہند میں رہے کچھ دنوں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی بھی رفاقت میں رہے آخر میں رام پور میں قیام کیا مگر علاج کے لئے الموڑہ اور بریلی میں بلائے جاتے تھے آپ کے تصنیفات یہ ہیں (۱) فصول فیض اللہ خانی معروف بہ اقتباس العلاج۔ یہ کتاب فارسی زبان میں اپنے بیٹے میاں سعید احمد کے لئے ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں لکھی اور نواب فیض اللہ خاں کے نام پر معنون کی یہ کتاب کتب خانہ رام پور میں موجود ہے فصول فیض اللہ خانی کے دیباچہ میں مصنف نے اپنی درج ذیل کتابوں کا اور ذکر کیا ہے (۱) جرائب النعمت در فن جراحت برائے تعلیم میاں نعمت اللہ برادر خورد مصنف سن تصنیف ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء (۲) فوائد النعمت در بیان علاج آتشک سن تصنیف ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء (۳) رسالہ در معالجات حاملہ سن تصنیف ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء (۴) قرابادین نافع الامراض سن تصنیف ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء (۵) مقالات طب (خزانۃ العلاج) سن تصنیف ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء (۶) ریاض العمل ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۶۷)

عاجز تھے اور ابلہ فریبی سے اس کام کو ذلیل بتاتے تھے باوجود طبیب ہونے کے از سر نو حاصل کیا ان کا بھائی نعمت اللہ[۱] اس نواح میں اس کام میں یکتائے زمانہ مشہور ہے اب بھی اس گھرانے میں تیار داری جاری ہے مرحوم کے جانشین اس کے لڑکے ملا احمد[۲] ہیں حکیم غلام حسین[۳] خاندانی طبیب تھے ایک عرصہ تک نواب کے نائب رہے ۷ ذی الحجہ کو کلکتہ میں پہونچکر ختم ہو گئے لیکن اس فن میں اپنا جانشین کوئی نہیں چھوڑا۔

---

[۱] حکیم نعمت اللہ ولد شاہ رحمت اللہ حکیم بایزید کے چھوٹے بھائی تھے گجرات میں پیدا ہوئے نہایت ذہین و ذکی تھے حکیم بایزید نے ان کو فن جراحی سکھایا اور جرائب النعوت اور فوائد النعوت کتابیں ان کی تعلیم کے واسطے ۱۲۶۱ھ میں لکھیں ۱۷ صفر ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء رامپور میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص۲۴۸)

[۲] تذکرہ کاملان رامپور ص ۲۰۰

[۳] نواب احمد علی خاں کے زمانہ میں نیابت پر سرفراز رہے ان کی سخت گیر و درشت خوئی سے ایک زمانہ نالاں رہا حکیم نجم الغنی خاں لکھتے ہیں "کہ حکیم غلام حسین خاں ولد غلام رسول خاں کشمیری کی فتنہ پردازی کی عباس علی خاں ابن زیارت خاں اپنے وقائع میں بڑی شکایت کرتا ہے اور نہایت فریبی و متفنی بتاتا ہے ...... حکیم صاحب کو ریاست میں اتنا اقتدار حاصل تھا کہ ہر شخص کا عدم و وجود برابر جانتے تھے نواب صاحب کی طرف سے عباس علی خاں کی نسبت یہ تجویز کی کہ ہادی یار خاں کی جگہ ایجنٹ گورنر کول بروک صاحب کے پاس فرخ آباد کو جائیں اور اس سے ایک راز کے مخفی رکھنے کی بابت سخت قسم سے کرا اپنا ایسا منشاء ظاہر کیا کہ اس مضمون کو سننے سے عباس علی خاں کو بہت تردد ہوا اور تین پشت کی نمک خوری نے ایسا جوش مارا کہ پسینے کے دریا میں غرق ہو گیا اور اسی تحیر کے عالم میں ان کے مدعا کی بجا آوری سے انکار کر دیا اب حکیم صاحب افشائے راز کے خیال سے عباس علی خاں سے دشمنی رکھنے لگے اور ان کی طرف سے نواب احمد علی خاں کو برہم و مکدر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباس علی خاں نے دوری کو بہتر سمجھا اور ریاست رام پور سے قطع تعلق کر کے اپنے عیال و اطفال کو لے کر بریلی چلا گیا جہاں اس کے والد کے عہد سے حویلی و مکانات و بازار و باغات اور دیہات تھے" عباس علی خاں کا قول ہے کہ "میری طرح ایک مخلوق حکیم صاحب کی نیش زنی اور ایذا رسانی سے مصیبت میں ہے عباس علی خاں کی یہ نظم حکیم غلام حسین خاں کے اخلاق کے بیان میں ہے۔

بر جرم مادر این است نطفۂ شیطاں — ہر آنکہ دید رخش را بگفت از سر صدق — چو زہر افعی و عقرب بخمیر طینت آں — ظہور خلقت او بود زور و مکر و فریب

نمک حلالی من شد وبال گردن جاں — فغان و نالہ و فریاد و حسرتا دردا — نمی شدم ہدف آماج ناوک حرماں — اگر بگفتۂ آں بد سیر عمل کردم

نواب احمد علی خاں نے جب حکیم غلام حسین خاں کو کار نیابت سے علٰحدہ کیا تو یہ زیارت حرمین شریفین کو چلے" اور راستہ میں کلکتہ میں انتقال ہو گیا حکیم صاحب شعر بھی کہتے تھے آزاد تخلص تھا۔ اخبار الصنادید جلد اول ص۴۴۷ و ۴۴۸

انتخاب یادگار ص۱

رام پور کی عام معاشرتی حالت:-

وہاں (رام پور) کے افغان تھوڑے سے سرمایہ سے تجارت کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں اور باوجود ناواقفیت کے اگر کچھ زمین ہاتھ لگ جائے تو یکتائے زمانہ ہیں ایسے لوگوں میں سے اکثر خام تحصیل کے ذریعہ لاکھ روپے کے تعلقہ دار کا سا حوصلہ رکھتے ہیں چوری اور ڈاکہ زنی کا بندوبست بھی خوب کرتے ہیں اودھا میواتی کو جو عہد آصفی سے آزول صاحب کے زمانہ تک مفسد مشہور تھا نعیم خاں اور تراب کے حملوں نے وہ ناک چنے چبوائے کہ وہ قدموں پر آپڑا اگرچہ ان لوگوں میں خانہ جنگی بہت ہے لیکن لکھنؤ اور دہلی سے کم ہے سردار زادے اور صاحبِ اعتبار لوگ بھی ایسا نہیں کرتے سوائے محمد عظیم خاں پسرِ بہادر خاں (جو نواب فیض اللہ خاں کا سالا ہے) اور اکبر شاہ پسر سید حسین شاہ کے صغر سنی کے زمانہ سے یہ دونوں نامورانِ قوم آپس میں شہر میں لڑے ہوں گے اور وہ بھی زیادہ تر اپنی ہی قوم سے (لڑے ہوں گے) اور اپنی قوم کے سوار رئیس کی فرماں برداری تمام اقوام سے زیادہ کرتے ہیں البتہ اپنے قومی رئیس سے کہ اس کو اپنا نازبردار سمجھتے ہیں بہت گستاخیاں کرتے ہیں مگر اس کے بدخواہ نہیں ہوتے جیسا کہ اکثر قوموں کی عادت ہے ان لوگوں کی بربادی ان سرداروں کی نا اتفاقی سے رونما ہوئی جو ہنگامہ خیزی اور جنگ سے روگردانی میں خودمختار تھے نہ کہ عوام کے بلووں سے (ان لوگوں کی بربادی رونما ہوئی) البتہ پیش آئندہ امور کی تعلیم جلد قبول کر لیتے ہیں چند ماہ میں بہت کام کر لیتے ہیں مولوی کا بے حد پاس اور ادب رکھتے ہیں سادات کی سختیوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اگر کسی کو درویش سمجھ لیں تو اس کے غلام ہو جاتے ہیں اعتقاد کے لئے اس فرقہ کا سا لباس یا ترک معیشت کافی ہے مولویت کی تصدیق بھی اتنے سے کر لیتے ہیں کہ کوئی کتاب بغل میں ہو اور چند مسائل زبان پر ہوں۔

مولوی ضیاء النبی کی صحبتِ علمی:-

اب میں پھر اپنی سرگزشت کی طرف آتا ہوں سنہ ۱۲ھ ۱۷۹۹ء میں مولوی ضیاء النبی نے اپنے رسالہ کے سواروں میں اس کم سواد کا نام بھی لکھ لیا اور اپنی شفقت بزرگانہ کی بنا پر مجھ بے سواد دیوانہ وار کو آزمودہ کار جوانوں اور ہوشیار بوڑھوں کے مرتبہ میں رکھ لیا اور بغیر ادائے خدمت حق الخدمت مجھ کو مرحمت فرما دیتے اور ہمیشہ اپنے بچوں سے زیادہ میری تربیت فرماتے تھے اگرچہ اس رتبہ کے سب حضرات میرے متعلق استحقاق سے زیادہ رعایتیں کرتے ہیں مگر بقول "الفضل للمتقدم" ان کا احسان اپنے اوپر زیادہ سمجھتا ہوں جن مجلسوں میں اکثر کتبِ حدیث، تفسیر اور فقہ کی تصحیح اور مقابلہ ہوتا تھا کبھی مناظرِ اصطرلاب اور ہندسہ کا تذکرہ آ جاتا تھا

اور کبھی علمِ ہیئت سے بحث ہونے لگتی تھی ان فنون سے بھی میں نے واقفیت حاصل کرلی لیکن ان علوم میں میرا کوئی اُستاد نہیں البتہ بزرگوں کے فیضِ صحبت کا انکار نہیں کرتا۔

ایک دن سوال ہوا کہ دو خط مستقیم سطح کا پورا احاطہ کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا کہ خطِ مستقیم دو نقطوں سے ملنے والے خطوں میں سب سے چھوٹا ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک بھی بڑا نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے سے چھوٹا ہوتا اور دو خطوں سے سطح کا پورا احاطہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ معینہ دو نقطوں کو دو خطوں سے ملایا جائے۔ ایک دن اسی بات کا تذکرہ تھا کہ اصطرلاب کے شمالی صفحہ پر تین دائرے ہوتے ہیں مدار راس الجدی جو سب سے بڑا مدار راس الحمل اس سے چھوٹا اور مدار راس السرطان اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اگرچہ آپس میں مدار راس الجدی اور مدار راس السرطان دونوں ایک دوسرے کے برابر ہیں اور مدار راس الحمل جو کرہ کا منطقہ ہے دونوں سے بڑا ہے کیا سبب ہے، میں نے کہا کرہ کی تسطیح دو قطبوں میں سے ایک پر کی جاتی ہے دوسرا قطب صفحہ کا مرکز ہوجاتا ہے اور کرہ کا محور صفحہ کے قطر پر منطبق ہوجاتا ہے اور جو دائرہ قطب سے قریب ہے اس کا قطر چھوٹے سے ٹکڑے پر محور سے منطبق ہوتا ہے اور جو دائرہ بعید ہے محور کا بڑا ٹکڑا اس کے قطر پر قبضہ کرلیتا ہے لہذا مدار راس سرطان جو قطب سے بے حد قریب ہے اس کا قطر بہت چھوٹا ہوگا اور سب سے زیادہ دور مدار راس جدی ہے اس کا قطر بہت بڑا ہونا چاہئے اور حمل کا مدار راس درمیانی قطر کے اعتبار سے متوسط رہے گا۔

صاحبزادہ عنایت اللہ خاں کے رسالہ میں ملازمت

کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب کی ملازمت کا سلسلہ نظام علی خاں کی سرکار سے منقطع ہوگیا چند روز قاسم علی خاں کے ساتھ گزارے اس کے بعد فتح علی خاں کے ساتھ، پھر نواب نصر اللہ خاں کے ساتھ رہے۔ نواب نصر اللہ خاں کی ملازمت کے وقت والد صاحب نے فرمایا کہ میرا اور تمہارا یکجا رہنا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ ایک کے کام کی خرابی دوسرے کی خرابی کا سبب بن جائے مربی (مولوی ضیاء الغنی) کے مشورے سے عنایت اللہ خاں[1] کے رسالہ میں میں نے اپنا نام لکھا لیا۔ وہاں تنخواہ میں بھی اضافہ ہوگیا اس کے علاوہ جزاول، گرماول اور شادی غمی میں اعانت کی مراعات تھیں کھانا دسترخوان پر ساتھ ہوتا تھا اور مشغلہ کبھی شعر و شاعری کبھی "تاریخ کبھی حدیث، کبھی پرگنہ کی تحصیل و تشخیص کے متعلق مشورہ تھا جس وقت بخشی گری کفایت اللہ[1] خاں سے متعلق ہوئی اور نواب فیض اللہ خاں کے پیشکار (حکیم) غلام حسین[2] نائب ہوگئے تو موجودات (حاضری)

---

[1] کفایت اللہ خاں پسر نواب نصر اللہ خاں المتوفی ۱۲۲۵ھ [2] حکیم غلام حسین خاں پسر غلام رسول خاں کنگجری نائب نواب احمد علی خاں بہادر۔

دکھانے کے لیئے جانا ضروری ہو گیا پہلی مرتبہ مجھے کفایت اللہ خاں کے پاس جانے کا اتفاق ہوا از راہِ مروت میرے سلام کرتے ہی منظوری لکھ کر رخصت کر دیا۔ دوبارہ غلام حسین خاں حاضری لے رہے تھے مجھے ان کے سامنے جانا ناگوار معلوم ہوا کیونکہ مولوی ضیاء النبی کی بخشی گری کے زمانہ میں باوجود قلتِ تنخواہ کے اس درجہ امتیاز رکھتا تھا کہ دفتر میں صرف میرا نام درج تھا اب عام لوگوں کی طرح اپنا حلیہ باپ دادا کا نام لکھوانے شکم بزرگی کے خیال سے میں نہ گیا اور چوبدار کو یہ جواب دے دیا کہ سال بھر میں تین چار مہینے کی تنخواہ ہاتھ لگتی ہے مجھے نوکری منظور نہیں۔ پھر وہاں سے مستعفی ہونے کے لئے طلبی ہوئی میں نے لکھ بھیجا اور زبانی بھی کہدیا کہ اگر تنخواہ بھی ضبط ہو جائے تب بھی نہیں جاؤں گا کچھ دنوں تک عنایت اللہ خاں نے چھوڑا ابھی نہیں کہ جا دا مراد آباد چلا جاؤں کیونکہ کفایت اللہ خاں نے اپنی سیر چشمی کی بنا پر استعفیٰ منظور نہ فرمایا اور فرمایا کہ اس کی خدمت شروع ہی سے معاف ہے اور اس کا آنا نہ آنا ضروری نہیں۔ لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ مراد آباد چلا جانا چاہیئے اور والد صاحب سے ظاہر کر دیا کہ میں اپنے خسر کی ملاقات کے بہانے سے وہاں جاتا ہوں اگر کوئی صورت میسر آ گئی تو بہتر ورنہ پھر جو مصلحت وقت ہوگی اس پر کاربند ہو جاؤں گا انہوں نے اجازت دے دی۔

مولوی عبدالقادر کا مراد آباد پہونچنا

مراد آباد پہونچ کر میں نے دیکھا کہ کلکٹر صاحب جج اور لائڈ صاحب کلکٹر اور کارٹن صاحب رجسٹرار تک تال صاحب کے عملہ کی خوشامد کے بغیر پہونچنا دشوار ہے عہدہ حاصل ہونا تو درکنار بات ہے۔ اور اپنے آقا کے سوا دوسرے کا احسان مند ہونا اس حقیر کے خمیر میں نہیں ہے۔

چند روز شاہی مسجد[1] (مراد آباد) میں جاتا رہا کیونکہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کا مجمع تھا جو لوگ کتاب لے آتے پڑھا دیتا تھا کبھی کبھی مولوی منیر علی[2] کے گھر جن سے پرانی شناسائی تھی اور قاضی شہر (محمد بخش) جن سے ماد بانہ رشتہ داری

[1] مراد آباد کی سب سے قدیم مسجد ہے جو درمیان شہر میں واقع ہے اس مسجد میں درس و تدریس کا انتظام آج تک موجود ہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مراد آباد کی اسی شاہی مسجد میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دستِ مبارک سے ایک اسلامی مدرسہ کا آغاز کرایا گیا جو ابھی تک جاری ہے۔

[2] مولوی منیر علی ابن مولوی رستم علی رام پور میں پیدا ہوئے وہیں علوم متداولہ حاصل کیئے آپ کی شادی مراد آباد میں محمد علی شاہ سجادہ نشین شاہ بلاقی کی صاحبزادی دولت النساء کے ساتھ ہوئی تھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں باشندگان مراد آباد اور اہالیان رام پور کے درمیان جو جھگڑا "واقعہ کدوقاق" کے نام سے مشہور ہے اس میں مصالحت مولوی منیر علی ہی نے کرائی تھی ۱۲۹۰ھ میں فوت ہوئے بڑے عابد زاہد اور شرع کے پابند تھے تاریخ وصال یہ ہے۔ شد فوت آں سراج منیر و فروغ دیں ۞ سالش نثار گفت کہ مخدوم متقین
تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۴۰۲٬۴۰۳ و سوانح حضرت شاہ بلاقی مراد آبادی صفحہ ۳۴٬۳۵

سے ہے چلا جاتا تھا مولوی صاحب موصوف اس وقت وکیل سرکار تھے اور قاضی صاحب کمشنری[1] کا کام بھی کرتے تھے ان دونوں کی ملاقات کے سبب بہت سے لوگوں سے واقفیت ہوگئی اور مولوی محب اللہ کے پاس بھی جو شیخ مخدوم زادے ہیں آمد و رفت جاری رہی ان کے ذریعہ سے بھی لوگ مجھے پہچان گئے۔ لالہ منسارام نے جو سر رشتہ کا وکیل عظیم آباد (بدایونی محلہ) کا باشندہ اور مہاراجہ شتاب رائے کے عزیزوں میں سے ہے ایک مکان اپنے مکان کے پہلو میں میرے لئے کرایہ پر لے لیا اور مجھ کو وہاں لے گیا اور ضروریات میں بھی مدد کی مولوی منیر صاحب کا طرز مطلب نویسی میں دیکھ چکا تھا کہ اصحاب معاملہ کو بہت پسند ہے اور واقعی خوب ہے میں اسی کی پیروی کرنے لگا اکثر لوگ عرضی اور جواب دعویٰ کا مسودہ مجھ سے لکھواتے تھے بلکہ وکلا بھی میری اصلاح کو مان لیتے تھے اور "حساب دوستاں در دل" کے طریقے پر میری مراعات بھی پیش نظر رکھتے تھے۔

ایک دن نواب فتح اللہ خاں ولد دوندے خاں کے صاجزادے نثار اللہ خاں ، قاضی محمد بخش اور قاسم علیخاں رئیس محمود پور کے رئیس کو اپنے ہمراہ لے کر ڈاکٹر . . . . صاحب کی ملاقات کے لئے گئے میں بھی ساتھ ہولیا صاحب ممدوح میرے لباس کو دیکھ کر اور نو وارد ہندوستانی خیال کر کے میرے حال کی طرف متوجہ ہوئے چونکہ دوسرے بزرگوار صاحب ممدوح سے کسی کام کا واسطہ نہ رکھتے تھے اس لئے دوبارہ نہ گئے البتہ میں سب سے سروسامان ایک مرتبہ پھر گیا۔ صاحب کے کہار نے جا کر اطلاع دی کہ ایک مولوی صاحب ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ صاحب نے بلا لیا اور مہربانی سے پیش آیا چونکہ میں نے کسی بات کی ان کو تکلیف نہیں دی فرمایا کہ جب چاہو آجایا کرو چنانچہ ہفتہ عشرہ بعد میں جاتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا آتا۔ کبھی کبھی صاحب کو فارسی لکھوانے کی ضرورت پڑتی تو فرمادیتے میں اس کو پورا کر دیتا۔ میری غربت اور بے زبانی پر صاحب کی نظر التفات روز مرہ بڑھتی گئی اور وہاں (مرادآباد) کے صاحبوں کے سامنے میرا تذکرہ بہت عمدگی کے ساتھ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ میں مولوی مشہور ہو گیا یہ وہی خطاب ہے جو کہار کا عنایت کردہ ہے ڈاکٹر صاحب نے اسکی اشاعت کردی اب میں اس بے موقع لفظ سے تنگ ہوں مگر دنیا کی زبان بند نہیں کر سکتا ، اسی اثنا میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ صاحب جج کو فتاویٰ عالمگیری کے کتاب النکاح کے ترجمہ کا شوق ہے اگر نمونہ کے طور پر ایک جز لکھ دو تو میں صاحب کو دکھاؤں میں نے تعمیل کر دی نہیں معلوم قاضی صاحب نے وہاں تک پہنچایا یا نہیں اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لسٹر صاحب سے میرے بارہ میں کچھ کہدیا۔

---

[1] کمشنر بندوبست کا دفتر مرادآباد ہے۔

مراد آباد کے جج سے ملاقات۔ حسب معمول جب میں گیا تو فرمایا کہ میں کئی روز سے تیرے انتظار میں ہوں اگر آجاتا تو یہیں جج سے تیری ملاقات ہو جاتی اب سنیچر کو جو عام باریابی کا دن ہے اگر تو جائے اور اطلاع کرے تو ضرور بلا لیں گے میں گیا، اطلاع کی۔ بلایا، بٹھایا پوچھ گچھ ہوئی اسی جلسہ میں مرزا جیون کوتوال کی ایک عرضی صاحب ممدوح کے احاطہ مکان کی پیمائش کے متعلق پیش ہوئی اس میں ایک لفظ ان کے پڑھنے میں نہ آیا قاضی (محمد بخش) کو دیا قاضی صاحب نے لفظ "بجدو" کو جو ہندی لفظ ہے "بجدود" پڑھا صاحب نے کہا کہ حساب میں لفظ "بجدود" کچھ معنی نہیں رکھتا اور بعد دال کے دال بھی نہیں ہے۔ بندہ نے عرض کی کہ غالباً "بجدو" ہوگا فرمایا اس کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا ہندی مساحت میں جب کسی گول جگہ کی پیمائش کرتے ہیں تو جریب ڈال کر سب کے پانچ حصے کر لیتے ہیں ان میں دو حصوں کو تین حصوں پر ضرب دیتے ہیں اور حاصل ضرب کو گول سطح کی پیمائش سمجھتے ہیں فرمایا خلاصۃ الحساب میں مدور کی پیمائش کا کیا طریقہ لکھا ہے میں نے کہا نصف قطر کو نصف محیط سے ضرب کرو! فرمایا مگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں میں نے کہا چونکہ دائرہ کی آراضی حقیقی نہیں ہوتی عمل بھی اس میں تخمینی ہی ہوتا ہے رخصت کے وقت فرمایا کہ شنبہ کے دن جس وقت چاہو آجانا اور اگر ہمارے قبضہ کا کوئی کام اپنے مناسب سمجھو تو اس کی درخواست بھی اسی روز یہیں دے دینا میں جاتا تو تھا لیکن کوئی کام اپنے مناسب نہ دیکھا جو عرض کرتا کیونکہ میں اس خیال پر جما ہوا تھا کہ اگر اپنی رائے سے کوئی کام تجویز فرما دیں گے تو اپنی صوابدید کے لحاظ سے اس کی خرابی کی جانب سے چشم پوشی فرمائیں گے اور اگر کسی کام کا خود مدعی بنا جائے تو دیکھئے امتحان میں کامیابی کیونکر ہو۔

مزن ہیچ گر لاف انجام کار | چہ دانی چہ پیش آیدت روزگار
چہ خوش گفت فرزانۂ تیز ویر | کہ نامد چو روبعد دہقان ہیر
کساں را نشد ناوک اندر حریر | کہ گفتے بدوزند سنداں بہ تیر

اسی ڈھنگ پر میں نے کئی برس گزار دیئے۔

صاحبزادہ عنایت اللہ خاں کے مقدمہ کی پیروی کرنا۔ اتفاقاً کمشنری بورڈ کے حسب ذیل صاحبان تشریف لے آئے سر دفتر کو لبرک صاحب دوسرے ڈین۔ صاحب اور فارتسکو صاحب اور ...... صاحب اور ...... صاحب۔ پہلے صاحب قائم مقام ایجنٹ بھی تھے عنایت اللہ خاں نے املاک متفرقہ واقع پرگنہ سرکدہ جن کے متعلق صاحب کلکٹر نے قرقی کا حکم دے دیا تھا گفت و شنید کرنے

کے لئے مجھے لشکر کے ساتھ کر دیا۔ لبیک کہتا ہوا میں بھی چل دیا۔ لشکر جہاں بھی جاتا باوجودیکہ صاحب کی توجہ رعایا کی آسائش پر انتہائی تھی علاوہ بے قیمت گھاس اور سوختہ کے جو کہ ظلم عام ہے کبھی کبھی پرچون کی چیزیں بھی لشکری لے آتے تھے اور جو کھیتی سر راہ یا خیمہ گاہ کے قریب ہوتی کوچ کے وقت ایسی نظر آتی گویا ٹیڑیوں نے کھالی ہے بڑے صاحب کے منشی کا نام ولی داد خاں تھا جو اپنے آپ کو مالوہ کا باشندہ بتاتا تھا دوسرے صاحب کا رفیق بینی رام اور ۔۔۔۔ صاحب کا منشی مشرف علی خاں پسر عطا حسین خاں، اٹاوہ کا باشندہ تھا قصہ چہار درویش اسی زمانہ کی عطا حسین خاں کی تصنیف ہے مگر ولی داد خاں کے خیمہ پر لوگوں کا بہت ہجوم رہتا تھا اور سب سے زیادہ داؤد خاں کے پاس جو خود کو بڑے صاحب کی بیوی کا بھائی[۱] ظاہر کرتا تھا ان لوگوں سے ذرہ برابر بھی کوئی کام نہیں نکلتا تھا کیونکہ ہر شخص بڑے صاحب کے پاس پہونچکر اپنا حال کہہ سکتا تھا اگر کوئی شخص کرسی اپنے ساتھ لے جاتا تو بیٹھتا ورنہ کھڑا رہتا بیٹھو یا جاؤ کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے اور صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ درخواست دیکھتے اور زبانی عرض بھی سنتے لیکن جواب یہی ہوتا تھا کہ تھوڑا صبر کرو وقت پر مناسب حکم صدور میں آئے گا جوانی کے غرور یا اپنی جہل و نادانی کے سبب عملے کے سامنے التجا کی ذلت سے میں محفوظ رہا۔ ایک روز عنایت اللہ خاں کا خط دے کر درخواست پیش کر دی ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ کے بعد کلکٹر سے کیفیت طلب کی جائے گی میں پھر گیا کچھ دیر بیٹھا اور واپس آگیا اس کے بعد پھر باریاب ہوا میں نے دیکھا اور خیال کیا کہ صاحب کو دن بھر سوائے لکھنے کے اور کوئی کام نہیں آنے جانے والوں کی کوئی پرسش نہیں میں نے عرض کی ابھی تک کوئی کیفیت نہیں آئی، ارشاد ہوا ابھی طلب بھی نہیں ہوئی کام بہت زیادہ ہے میں نے کہا کہ اس بہت میں یہ تھوڑا سا بھی شامل ہو جائے تو رئیسوں کے حال پر حضور والا کی نوازشوں سے بعید نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی روز طلب کیفیت کا حکم جاری ہو گیا۔ اس کے بعد پیلی بھیت کی جانب روانگی ہوگئی اور بہری منڈی جا پہونچے۔

راستہ برہم دیو کی سیر:- دوسرے دن تمام لشکر وہیں چھوڑ کر برہم دیو کے راستہ کی سیر کرنے جو پہاڑی لوگوں کے زیر حکومت تھا چند ہمراہیوں کو لے کر چل دیئے وہاں پر سوائے اپنے ساتھیوں کے کسی

۱؎ بیوی کا بھائی یعنی سالا بطور تعریض کہا ہے۔

آدمی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ سورج ڈھلے پر ایک دو سوار اور بندوقچی پیدلوں کی ایک جماعت،
پہاڑ کے اوپر سے نمودار ہوئی جو خیمہ کی جانب آرہے تھے اور خیمہ گاہ میں سوائے شاگرد پیشہ،
دو تین پہرہ دار سپاہی، نواب احمد علی خاں کے پھوپی زاد بھائی عظیم اللہ خاں اور بابو رام نرائن
سنگھ (جو راجہ بنارس کے خاندان کا تھا) کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا عظیم اللہ خاں اور صاحبان عالیشان
خیموں سے نکل آئے اور دوربینیں ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگے عظیم اللہ خاں نے بندہ سے فرمایا کہ اگر
میرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے جاکر معلوم کرو کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیوں آرہے ہیں تو بہتر ہے
چنانچہ میں سوار ہو کر چل دیا ایک دو شخص جو آگے آگے آرہے تھے ان سے میں نے پوچھا کہ یہ کون
ہیں؟ کہا کہ اس پہاڑ کے سردار ہیں۔ جوتشی قوم کے ہیں سردارِ لشکر کی ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں میں نے
کہا پہلے جوتشی صاحب نواب عظیم اللہ خاں کے خیمہ میں آرام لیں وہ صاحب سے عرض کر دیں گے
اُس وقت ملاقات ہو سکے گی میں یہ کہہ کر واپس آگیا عصر کے قریب جوتشی آیا اور ملاقات کر کے چلا گیا غروب
کے وقت بہت ٹھنڈی ہوا چلی اور اس دریا کے پانی میں جس کو وہاں پر سارجو (سرجو) اور شاردا
اور پہاڑ پر کالی اور بہرائچ کے راستہ میں گھاگرا اور چھپرہ کے قریب دیوہا کہتے ہیں ایک شور برپا
ہو گیا سردی دم بدم بڑھنے لگی لوگ موسم بہار کے باعث جاڑوں کے کپڑے ساتھ نہ لائے تھے
پریشان ہو گئے مجبوراً لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور پارسیوں کی طرح اس کو بجھنے نہ دیا بہرصورت
رات گزاری، آفتاب نکلا اب رنگ برنگ کے کپڑے پہن کر سورج پرستوں کی طرح ادھر کو منہ کر کے
بیٹھ گئے پھر کچھ دیر گرما کر اٹھ چلے اور لشکر میں آپہونچے پھر وہاں سے لگاتار کوچ کر کے فتح گڑھ پہنچ گئے۔

فقیر گوشائیں سے ملاقات: (فتح گڑھ میں) ہر ایک نے دریا کنارے ایک ایک مکان کرایہ پر لے لیا چند روز
کے بعد میں پھر گیا اور دریافت کیا کہ کیا صاحب، کلکٹر کا جواب آگیا؟ فرمایا نہیں۔ اس کے بعد یہاں سے
بھی روانگی ہو گئی علی گنج کے پڑاؤ پر لشکر کے قریب ایک فقیر گوشائیں رہتا تھا میں اس کے پاس چلا گیا
خوش مزاج تھا درویشانہ اخلاق سے پیش آیا تھوڑی دیر تک میں بیٹھا رہا اس کے سارے مرید ابھی
بیس برس کے بھی نہ ہوں گے خاکستر منہ پر ملے ہوئے تھے جس سے ان کے چہرے ایسے معلوم ہوتے تھے
جیسے دہکتا ہوا انگارا راکھ میں چمکتا ہے جو کوئی ایک بار دیکھ لیتا پھر نظر ہٹا ہی نہیں سکتا۔ دل چاہتا تھا
کہ بس یہیں بیٹھا رہوں اور خداوند تعالیٰ کی اس عجوبۂ روزگار صنعت کو دیکھتا ہی رہوں گرو جی سے
میں نے پوچھا کہ کیا مجھ کو بھی چیلوں کے سلسلے میں داخل کر سکتے ہو؟ کہا کہ "نہیں مسلمان قوم کی ہمارے

مذہبی طریقہ میں گنجائش نہیں، اپنے حال پر چار آنسو بہاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا:

اگر نیک بوسے مرا ہم وراہ — بہ اسلامیاں داشتم پائے گاہ

کنوں ننگ دارد زمن پیر دیر — کہ در من نہ بیند نشانے ز خیر

خانقاہ مارہرہ کی زیارت، وہاں سے منزل بہ منزل چل کر ہم کاسگنج آگئے اور کاسگنج سے مارہرہ جہاں شاہ برکت اللہ[1] بلگرامی کا مقام ہے پہنچ گئے میں نے اسی روز چاہا کہ وہاں کے بزرگوں کے دیدار سے مشرف ہو جاؤں کیونکہ بہت سے لوگوں کی زبانی وہاں کے بزرگوں کی تعریف سُن چکا تھا کہ وہاں دو

۱۔ شاہ برکت اللہ ابن شاہ اویس ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں پیدا ہوئے تاریخی نام عظیم الہدیٰ ہے اول شاہ مربی ولد عبد النبی بلگرامی کے مرید ہوئے اس کے بعد خواجہ فضل اللہ کالپوی کی خدمت میں فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ء میں مارہرہ میں آکر مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں مسجد و خانقاہ تعمیر کرائی اور نئی آبادی کا نام پیم نگر یا برکات نگری رکھا جو اب "بستی پیرزادگان" کے نام سے مشہور ہے بھاکا و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے بھاکا میں پیمی اور فارسی میں عشقی تخلص فرماتے تھے میر غلام علی آزاد نے سرو آزاد میں بھاکا کا انتخاب کلام درج کیا ہے ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں انتقال ہوئے صاحب تصانیف تھے۔ میر غلام علی آزاد نے قطعہ تاریخ انتقال لکھا ہے:۔

بیدار دلی رفت سوئے محفل قدس — بربست ز صحرائے جہاں محمل قدس

تاریخ وصال او خرد کرد رقم — صاحب برکات وصل منزل قدس

۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء

۱۔ مآثر الکرام (دفتر اول) از میر غلام علی آزاد بلگرامی ص۱۲۱-۱۲۳ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء

۲۔ سرو آزاد از میر غلام علی آزاد بلگرامی ص۳۹۴-۳۹۶) مطبوعہ دخانی رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۱۳ء

۳۔ خاندان برکات از محمد میاں مارہروی ص۱۲ مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء

۴۔ آثار احمدی (قلمی) از شیخ عنایت حسین کمبوہ مارہروی ورق ۱۳-۱۵ (مملوکہ محمد ایوب قادری)

۵۔ مختصر تاریخ خاندان برکاتیہ از محمد میاں مارہروی ص۵ مطبوعہ ادبی پریس لکھنؤ (سال طباعت نامعلوم)

۶۔ برکات مارہرہ از طفیل احمد بدایونی ص۱-۲۸ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (سال طباعت نامعلوم)

۷۔ نور مدائح حضور حصہ اول از غلام شبر بدایونی ص۲۵-۳۱ مطبوعہ امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء

بزرگوار ہیں[۵۱] ایک کو بڑی سرکار اور دوسرے کو چھوٹی سرکار کہتے ہیں اور ان دونوں کا اختلاف ہندو مسلم اختلافات سے بھی زیادہ ہے[۵۲] چنانچہ میں گیا اور دونوں کی زیارت کی اور اس قدر برکتیں حاصل کیں کہ دوبارہ وہاں جانے کی حاجت نہ رہی۔

مشتاق شدم تا بہ در شیخ رسیدم

آں یافتم آنجا کہ بہ می خانہ ندیدم

خانقاہ میں بہت سی کتابیں اور عمدہ نسخے ہیں دوسری نادر چیزیں جو علماء اور مشائخ کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہیں بڑی سرکار میں موجود ہیں منجملہ ان کے ہمائے مردہ بھی ہے لیکن میں نے اس کو دیکھا نہیں لوگوں کی زبانی سُنا ہے اس کا دیکھنا اس لئے ممکن نہ ہو سکا کہ سال بھر میں مقررہ دنوں[۵۳] میں

---

۵۱ شاہ برکت اللہ کے بڑے صاحبزادے شاہ آل احمد احمد المتوفی ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء کی اولاد سرکار کلاں کے نام سے اور چھوٹے صاحبزادے شاہ نجات اللہ کی اولاد سرکار خورد کے نام سے موسوم ہوئی جس وقت مولف کتاب مارہرہ گئے اُس وقت سرکار کلاں میں شاہ آل احمد عرف اچھے میاں سجادہ نشین تھے شاہ آل احمد اپنے زمانے کے مشہور صاحب باطن اور ولی کامل تھے۔ ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ اور اس وقت سرکار خورد میں شاہ برکات بخش بھکاری سجادہ نشین تھے۔ شاہ برکات بخش کی ولادت ۱۱۵۶ھ میں ہوئی اور وفات ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ ان بزرگوں کی تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

۱۔ خاندان برکات صفحہ ۱۲ - ۱۶، صفحہ ۶۹ - ۷۱

۲۔ مختصر تاریخ خاندان برکاتیہ صفحہ ۶ - ۹

۳۔ برکات مارہرہ صفحہ ۳۹ - ۴۴

۴۔ آثار احمدی (قلمی) صفحہ ۱۶ - ۳۶ (مملوکہ محمد ایوب قادری)

۵۔ نوادر صنائع حضور صفحہ ۳۴ - ۴۲

۵۲ یہ اختلافات تقسیم جائداد اور سجادہ نشینی کے سلسلے میں ظہور پذیر ہوئے اور ان اختلافات کا سلسلہ دونوں سرکاروں میں آج تک موجود ہے۔

۵۳ سالانہ عرس کے ایام مراد ہیں۔

اس کو دکھاتے ہیں اور مردہ پرستوں کی آنکھوں میں روشنی بڑھاتے ہیں[ل]

مگس زاں کساں راخس و مو بہا	خدیواں گزیدند پر ہما
نشاں داد دانا یکے را چناں	کہ بر ہر کہ افتد بیانِ کساں
ہماں را اگر یک زماں سایۂ	ہماں را ثمر شاہ پر ہما
چناں زیں سخن بر ونا داں گماں	کہ زاں سایہ یابند شاہی شہاں
بگفتا بنا داں تری ایں سخن	کہ ہرگز ندار د سر و پا و بن
ہمارا فتد سایہ گر بر گدا	بسے نگذرد کاں شود بادشاہ

دوسرے دن صاحب کو تنہا دیکھ کر اس کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو ایک عرصہ گزر گیا کوئی جواب نہیں ملا فرمایا کہ کلکٹر کے پاس سے جواب ہی نہیں آیا میں نے کہا حضور والا میرا مُدعا کلکٹر ہے اگر جواب دینا اس کے اختیار میں ہے تو میری دادرسی معلوم۔ فرمایا آج کمشنر حکم ہو جائے گا اور فتح گڑھ میں جواب دے دیا جائے گا مجبوراً منظور کرنا پڑا اور لشکر کے ساتھ فتح گڑھ پہنچ گیا۔

کمشنر بورڈ سے گفتگو: ایک ہفتہ کے بعد شام کے وقت جب سب رخصت ہو کر چلے گئے میں نے عرض کی کہ جواب کا اُمیدوار ہوں فرمایا کل کو (جواب ملے گا) اسی روز اپنی جائے قیام پر آکر میں نے سُنا کہ (صاحب نے) منشی سے فرمایا ہے کہ ایک خط عنایت اللہ خاں کے نام لکھ دیا جائے کہ ابھی املاک کے متعلق کوئی روبکار نہیں ہے اور کلکٹر کا بھی ابھی کوئی جواب نہیں آیا لہذا آپ کے فرستادہ کو رخصت کیا جاتا ہے وقت پر روبکار جاری کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس خبر سے میں بہت پریشان ہوا کہ میری تین ماہ کی پریشانی سے کیا فائدہ ہوا اور وہاں پر خط کے سوا کیا لے جاؤں گا سب لوگ یہی کہیں گے کہ ناتجربہ کار سے کیا کام انجام پا سکتا تھا میں نے ایک درخواست لکھی کہ "دادرا دادگر" کے قانون کے مطابق صاحب کلکٹر کو ہماری املاک میں کوئی شبہ تھا تو محکمۂ کمشنر بورڈ کے قانون کے مطابق سرکار کمپنی انگریز بہادر کی جانب سے عدالت دیوانی میں ہمارے نام نالش کی جاتی اور حقیقت میں فیصلہ کے بعد

[ل] مولوی محمد میاں مارہروی نے ایک رسالہ "ذکر میلاد مبارک" مولفہ شاہ اولادِ رسول مارہروی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں ادبی پریس لکھنؤ سے طبع کرایا ہے اس کے آخر میں جملہ تبرکات کی تفصیل بعنوان "تفصیل تبرکات خاندانی" شامل کی ہے اس میں اس ہمارے مردہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

سرکار اس پر قابض ہو سکتی تھی چونکہ خلاف قانون قرقی کی گئی اس لئے التماس ہے کہ یہاں سے یا صاحب کلکٹر کے یہاں سے حکم ہو جائے کہ املاک چھوڑ دی جائے یا مجھکو اجازت مرحمت ہو کہ سرسری میں رجوع کر کے صاحب کے (بیجا) تصرّف کو رد کروں۔ حضور والا! تین ماہ کے بعد جب کہ سرسری کی میعاد گزر گئی جواب ملتا ہے کہ "کلکٹر سے کیفیت اور املاک کے روبکار کا وقت نہیں آیا لہذا اب یہاں سے چلا جا" سرکار کی انصاف پسندی کی بنا پر عرض ہے کہ "اگر یہ جواب پہلے ہی دن مل جاتا تو بڑی خوبی کا باعث ہوتا کہ میں سرسری کی تدبیر کر سکتا۔ نیز صاحب کلکٹر سے کیفیت طلب کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ صاحب ممدوح نے نہ تو اس محکمہ سے اجازت حاصل کی نہ بحق سرکار فیصلہ پایا۔ اب بھی اس عرضی پر صورت مندرجہ کا جواب تحریر فرما کر دستخط فرما دیئے جائیں اور بندہ کو مرحمت ہو۔"

دوسرے دن حسب الحکم میں گیا خط کا جواب عنایت ہوا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو تاکہ بندگی کے تم کو دے دیا جائے اس میں وہی تھا جو میں سن چکا تھا اتنا اور زیادہ تھا کہ تمہارے وکیل نے حاضر باشی اور عرض حالات میں کوتاہی نہیں کی۔ میں نے درخواست پیش کی کہ یہ بھی دستخط سے مزین ہو جائے فرمایا کہ "تم صاحب کلکٹر کو جانتے ہو کہ خلاف قانون کام کرتے نہیں" میں نے کہا کہ کمشنر بورڈ کے تقرّر کے وقت اکثر کو یہ احساس تھا کہ صاحبانِ صدر اس بات سے واقف ہیں فرمایا کہ حکم کے بعد وکیل کا تکرار بیجا ہے میں نے کہا کہ مقصد تو یہ ہے کہ درخواست ہی پر دستخطی حکم ہو جائے تاکہ آئندہ بندگان حضور کو پریشان نہ کروں فرمایا درخواست قابل جواب نہیں کیونکہ حکم کے بعد ہے میں نے عرض کی بس اتنا ہی کافی ہے (تحریر فرما دیجئے) آخر صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اب تو شام ہو گئی خط لو اور چلے جاؤ پھر آنے کی ضرورت نہیں میں نے عرض کی کہ اس وقت تو میں جاتا ہوں کل کو خط اور عرضی پر حضور والا کی انصاف پسندی سے حکم کا اُمیدوار ہوں اور خداوند نعمت کو میرے آنے کی کیا ضرورت البتہ مجھے ضروری ہے۔

گھر آتے ہی مجھے لوگوں نے ڈرایا کہ اتنی مدت میں صاحب کسی پر اتنے خفا نہیں ہوئے جتنے تجھ پر تو نے حلیم الطبع کو غضب آلود کر دیا کل کو خود نہ جانا بلکہ پہلے منشی سے ملنا۔ میں نے کہا جرمانہ موکل ادا کرے گا اور اگر قید ہے تو اپنے لئے (باعث ذلت) نہیں آقا کے کام میں مصیبت برداشت کرنا نوکری پیشہ کے لئے عزت و ترقی معیشت کا سبب ہے چنانچہ دوسرے روز میں گیا سلام

کرتے ہی پہلے ایک انگریزی خط حکمی بنام صاحب کلکٹر حوالہ فرمایا اس کے بعد وہی خط (بنام عنایت اللہ خاں) مجھے دیا میں نے عرض کی کہ خط کا مضمون دوسرا ہے فرمایا اس کے آخر میں لکھو کہ آپ کے وکیل کے زور زبان آوری کے باعث قبل از وقت حکم صادر ہوا میں نے لکھدیا۔ انہوں نے دستخط کر دیے۔

مقدمہ کی پیروی سے واپسی: میں (صاحب کا) بے حد شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا اور دوسرے ہی دن گھر (رام پور) کی جانب عظیم اللہ خاں کی ہمراہی میں چل دیا اور منزلیں طے کرتا ہوا بریلی پہنچا عظیم اللہ خاں کی فرمائش پر دو روز وہاں توقف کیا اور پھر ان کا تعارف مولوی منیر الدین[1] آسیونی سے کرا دیا جو ٹامس برک صاحب ایجنٹ بریلی کے منشی تھے اور ماتحتوں کی نظروں میں اصلی ایجنٹ معلوم ہوتے تھے اسی ضمن میں میر نصیر سے بھی ملاقات ہو گئی جو صاحب ذہن رسا اور خاندان خواجہ میر درد دہلوی کے متوسلین میں سے تھے اور برک صاحب کے تربیت کردہ تھے میں نے ان سے کہا کہ میرے موکل عنایت اللہ خاں کے بھائی "اسد اللہ خاں" کو والدہ اور بڑے بھائی سے علحدہ کر دیا گیا ہے اور بڑے بھائی کے مشاہرہ میں ترقی کی شکایت نصر اللہ خاں تک پہنچ گئی ہے جن کے ہاتھ میں مہمات ریاست کا حل و عقد تھا اور انہوں نے اسد اللہ خاں کے حامی ہو کر دوسرے طریقہ سے تقسیم کر دی ہے اور جناب بیگم صاحبہ (والدۂ عنایت اللہ خاں) اور عنایت اللہ خاں صاحب ایجنٹ کی پیشی میں فیصلہ کا ارادہ رکھتے ہیں خیر میں جو اس بارے ہو کر بہت جلد شہر (رام پور) میں پہونچا ایک دن ٹھیر کر کاشی پور گیا اور کمشنر بورڈ کا حکم صاحب کلکٹر کے پاس پہونچا دیا وہاں پر ڈاکٹر...... صاحب نے فرمایا کہ مراد آباد چلے جاؤ اور میرا انگریزی خط کارٹن صاحب رجسٹرار کو جو اس وقت جج کے قائم مقام تھا پہنچا دو۔ میں بہت اچھا کہہ کر پہلے

---

[1] مولوی منیر الدین قصبہ آسیون توابع لکھنؤ کے رہنے والے تھے کتب درسیہ مولوی حیدر علی پسر مولانا حمد اللہ سندیلوی سے پڑھیں نظم و نثر فارسی میں مرزا قتیل کے شاگرد تھے کچھ دنوں فرخ آباد رہا ہے۔ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے ان کا نام منیر علی لکھ دیا ہے۔

(تاریخ فرخ آباد (قلمی) از مفتی ولی اللہ ورق ۱۳۹) ۔ تذکرہ روز روشن از محمد مظفر حسین صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۷ھ

رامپور آیا اور موکل (صاحبزادہ عنایت اللہ خاں) کی خدمت میں عرض کی کہ میرا جناب والا کی ملازمت میں رہنا اسد اللہ خاں کے دل میں ترقی اوہام کا باعث ہوگا اور یہ مشہور کردینگے کہ یہ شخص مصالحت میں روڑے اٹکا رہا ہے۔

مولوی عبدالقادر کا داروغۂ پولیس مقرر ہونا۔ اب میں مراد آباد گیا اور کارٹن صاحب کے در دولت پر جاکر ڈاکٹر صاحب کا خط صاحب کے ملازم خاص دینی نامی کے ہاتھ بھجوایا وہ بھی چونکہ مراد آباد میں ہمارے ہی محلہ میں رہتا تھا بہت جلد صاحب کے پاس لے گیا چونکہ صاحب ممدوح نہایت بُردبار ہے اور نہایت آہستہ آواز سے بات کرتا ہے وہ بیچارہ بے حد خوف زدہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اس وقت گھر چلے جاؤ نہ معلوم اس خط میں کیا لکھا تھا کہ اس کی پیشانی دیکھتے ہی صاحب غضب آلود ہوگیا۔ میں گھر چلا آیا جس وقت صاحب دفتر میں آیا دریافت کیا کہ اس نام کا کوئی شخص شہر (مراد آباد) میں ہے مولوی منیر علی نے جو اس وقت دیوانی سررشتہ دار تھے عرض کی کہ موجود ہے ارشاد ہوا کہ اس سے کہدیا جائے کہ کل ہمارے مکان پر آئے مولوی صاحب نے یہ پیام مجھے پہنچا دیا میں نے یہی کیا صاحب بہادر اس انداز مہربانی سے میرے ساتھ پیش آیا جو میرے رتبے سے بالاتر اور اس کے بلند مرتبہ کے شایان شان تھا اور فرمایا کہ اس وقت میرے قبضہ میں جو کچھ ہے ٹھاکردوارہ کی ایک پولیس (چوکی) ہے تنخواہ تیس روپے ہے لیکن مناسب ہو کہ منظور کرلو میری ترقی کے ساتھ تمہاری ترقی شامل ہے میں نے منظور کرلی یہیں سے ایک پرچہ میرا نام لکھکر سررشتہ فوجداری میں بھیجدیا کہ قائم مقامی کا پروانہ اس شخص کے نام لکھکر اور نقل کرکے بھیجدیں وہ پروانہ مجھے عنایت کرکے فرمایا کہ تین روز یہیں رہو اور سامان درست کیا اور روزانہ ہمارے پاس آتے رہو اس کے بعد تھانے چلے جانا میں نے ایسا ہی کیا۔ بشن سنگھ نامی سررشتہ دار فوجداری کو اس بنا پر کہ اس کی وساطت کے بغیر مجھے عہدہ مل گیا اپنی سرد بازاری کا خیال ہوگیا چنانچہ اس نے اسی عرصہ میں وہاں کے جمعدار کو رقعہ بھیجکر مراد آباد بُلالیا جس دن میں صاحب سے رخصت ہوا اور اگلے دن تھانہ کو روانگی کا ارادہ کیا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ٹھاکردوارہ کا جمعدار ہوں میں نے کہا کہ کیا عدالت سے تمہاری طلبی کا کوئی حکم پہونچا ہے اس نے کہا نہیں بلکہ پولس کے مالک اور عملے کے سررشتہ دار نے مجھ کو بلایا ہے اس لئے آیا ہوں میں نے اس شخص کی شوخ چشمی اور خودسری کو دیکھتے ہوئے دل میں خیال کیا کہ "گربہ کشتن روز اول باید والامشت بعد جنگ است"

پر عمل کرنا چاہیئے چنانچہ میں نے اس کو اطلاع دی کہ میں کل وہاں پہونچکر فردِ حاضر و غیر حاضر مجسٹریٹ بہادر کے حضور روانہ کروں گا تمہاری غیر حاضری کا سبب جو کچھ تم نے بیان کیا وہی لکھدوں یا اور کچھ. یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کہنے لگے کہ اب تک کوئی افسر میرے سر پر نہ تھا اب تابع فرمان ہوں رات ہی میں یہاں سے روانہ ہو کر آپ کے تشریف لانے سے پہلے پہنچ جاؤں گا میں نے کہا بہتر ہے۔

تھانہ ٹھاکردوارہ کے واقعات: صبح کو میں (مراد آباد سے) چل دیا اور تھانہ (ٹھاکردوارہ) پہنچ گیا۔ جمعدار نے کہا کہ گھوڑے کے لئے گھاس، سوختہ اور مٹی کے برتن وغیرہ جس قدر ضرورت ہو تھانہ میں موجود ہیں۔ میں نے کہا اب تک جو کچھ کرلیا مجھ کو اعتراض نہیں لیکن یہ چیزیں میرا مقصد نہیں ہیں کیونکہ میرا مقصد تو لوگوں کو لوٹ کھسوٹ سے بچانا ہے نہ کہ محافظت کے پردے میں ڈاکہ زنی۔ کہنے لگا یہ تو پرانا دستور چلا آتا ہے۔ میں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں صرف اتنا لکھ کر اپنے اور محرر کے دستخط کر کے مجھے دے دو کہ کب سے کب تک یہ صورت جاری رہی تاکہ میں اس کو اپنی عرضی کے ساتھ صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس بھیجدوں پھر جو حکم آئے گا اس پر عمل درآمد ہوگا اس بات سے ان لوگوں نے گریز کیا دن گزرا اور رات آئی میں نے پوچھا کہ پہلے گشت میں کون جائے گا؟ کہنے لگا جمعدار اور دوسرے گشت میں محرر۔ میں نے کہا کہ محرر کو اب تکلیف دینی مناسب نہیں میں خود جاؤں گا۔ دوسرے روز اپنے تھانہ پہنچنے کی عرضی نقل کے لئے محرر کے پاس میں نے بھیجی اس نے کہا کہ لکھنا پڑھنا میرے ذمے ہے آپ صرف دستخط اور حکم دہی کے مالک ہیں میں نے کہا کہ اگر کوئی بیجا حرف ہو تو مجھے مطلع کرو تاکہ اچھا لکھنا پڑھنا میں بھی سیکھ لوں اور یہ بات تمہاری یادگار رہے گی۔ چنانچہ ایک ہفتہ میں سب ٹھیک ہو گئے اور ان خودسریوں کو چھوڑ دیا۔

ایک چوری جو ایک بنئے کے گھر میں مجھ سے پہلے ہوئی تھی اور تین چار ماہ سے برابر اس کی تفتیش کی تاکید ہو رہی تھی ایک چوکیدار وزیر نامی میواتی چور اور مال مسروقہ کو لے آیا چور جو پرگنہ نگینہ کا باشندہ تھا کہنے لگا کہ میں سید خاں افغان کے مکان پر رہتا تھا اور جہاں کا وہ پتہ دیتے وہیں جا کر چوری کرتا تھا اُسی وقت خود وہاں جا کر میں نے سید خاں کے گھر کی تلاشی لی ایک دو چیز مسروقہ بھی نکلی جس کو مدعی نے شناخت کر لیا میں نے سب کو مراد آباد چلتا کر دیا تھانہ کے ملازمین کی واپسی پر میں نے سُنا کہ شہامت بیگ ناظر فوجداری نے چور پکڑنے والے چوکیدار کو چور کے ہمراہ حوالات

میں بھیجدیا اور سید خاں ضمانت پر شہر میں سیر کر رہا ہے مجھے ناگوار گذرا۔

اتفاق وقت ان ہی دنوں میں ایک سرکش ابر میلا نامی نے نواح سہسوان[1] میں ہنگامہ کرڈالا [illegible] تھانیدار اور ایک فوجی صاحب اس میں قتل ہوگئے صاحب مجسٹریٹ نے اپنا دستخطی پروانہ محکمہ کی اطلاع بغیر بندہ کو لکھکر یاد فرمایا شام کے وقت میں مرادآباد پہونچا دوسرے روز باریابی ہوئی ارشاد ہوا کہ سہسوان میں جاکر کوئی مناسب تدبیر کپتان مکآئی صاحب افسر فوج کو بتاؤ اور جس وقت مفسد کسی ایسے موقع پر ہو کہ سپاہی اسے گھیر سکیں تو کافی جمعیت وہاں پہونچا دو میں نے کہا کہ جو کچھ ممکن ہوگا کروں گا اگر اجازت ہو تو رام پور ہو آؤں دوسرے ہی دن واپس آجاؤں گا۔ اجازت مل گئی (رام پور) گیا اور واپس آگیا صاحب مجسٹریٹ کی خدمت میں حاضر ہوا ارشاد ہوا کہ تحقیق ہوگئی کہ میلا ابر دریائے گنگا کی طرف چلا گیا اب یہیں رہنا چاہیئے اور جو کچھ مناسب ہو عرض کرو۔

روزانہ میں (مجسٹریٹ صاحب کے پاس) جاتا تھا آخر ایک دن اس چوکیدار کے حوالات میں ہونے اور اس دزد پناہ (سید خاں) کے رہا ہونے کا واقعہ میں نے عرض کر دیا ارشاد ہوا کہ آج ہی تدارک ہوجائیگا لیکن ناظر (شہامت بیگ) ریٹ صاحب کے زمانہ سے ہے اور اسی طرح سررشتہ دار (روشن سنگھ) ازول صاحب کے وقت سے چلا آرہا ہے لیکن جو کچھ ہوا ہے ضرور کاٹیں گے چنانچہ محکمہ میں مقدمہ کو پیش کر کے چوکیدار کو شاباشی اور انعام دے کر رخصت کیا اور مجرموں کو سزا دی گئی یہ کل واردات ۱۲۲۶ھ مطابق سنہ ۱۸۱۱ء[2] تک کی ہے۔

---

[1] سنہ ۱۸۰۱ء میں روہیل کھنڈ نواب وزیر سعادت علی خاں نے حکومت کمپنی کو تفویض کر دیا اُس وقت روہیل کھنڈ کا کل رقبہ صرف دو اضلاع بریلی و مرادآباد پر مشتمل تھا اور بدایوں کے کل پرگنے بشمول سہسوان ضلع مرادآباد سے متعلق رہے سنہ ۱۸۲۴ء میں تغیر و تبدل اس طور پر ہوا کہ پرگنہ سہسوان، بدایوں، کوٹ، اوجھیانی، اوسہت اور سلیم پور مرادآباد سے خارج ہوکر ضلع بریلی میں شامل کئے گئے اور باقی پرگنے رجپورہ، احمد پور، استاسی، بسولی اور اسلام نگر ضلع مرادآباد ہی میں شامل رہے۔ دکنز التاریخ از مولوی رضی الدین بدایونی ص ۱۱۵ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۰۷ء

DISTRICT GAZETTEER OF THE UNITED PROVINCES OF AGRA AND OUDH

VOL XV PP 100 - 13 BY H. R. NEVILL

(ALLAHBAD, 1907)

[2] محرم ۱۲۲۶ھ میں فروری ۱۸۱۱ء مطابق ہوتے ہیں (تقویم ہجری و عیسوی از ابو النصر محمد خالدی ص ۲۶۶ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پریس کراچی ۱۹۵۲ء)

تھانہ امروہہ کے واقعات : اسی زمانہ میں میری دادی عالم جاوداں کو سدھاریں مجھ کو یہیں (مرادآباد) رکھ لیا یہاں تک کہ آزول صاحب جج آگئے اور کارنٹ صاحب کے مکان پر قیام کیا صاحب نے بندہ کو یاد فرمایا اور صاحب جج کے سامنے پیش کر دیا صاحب جج نے علیحدہ مکان میں لے جاکر فرمایا کہ تم کو امروہہ بھیجا جاتا ہے وہاں پر چالیس روپے کی تنخواہ ہے چوری اور غارت گری کے ہنگامے بھی بہت ہیں۔ نجف علی کوکہ اس سے کچھ تدارک نہ ہو سکا تھا کر دوارہ بھیجا ہوں کب جاسکو گے میں نے عرض کی کہ اگر اس وقت ارشاد ہو تو اسی وقت۔ فرمایا۔ بہتر، اور اشتہاری (مجرموں) کی ایک فہرست میرے سپرد کی جو اس نواح میں سرکار کے انتظام میں خرابی کرتے ہیں میں نے عرض کی کہ اگر ان لوگوں کی جائے سکونت، قومیت اور حلیہ بھی اس میں درج ہو جائے تو یقیناً کامیابی ہو جائے گی، ارشاد ہوا بجا ہے، اور دفتر میں پہونچ کر فرمایا کہ میں بھی کچہری کا معائنہ کرنے جاتا ہوں شام کو آنا تاکہ میں تمہیں رخصت کر دوں۔ حسب الحکم میں چلا آیا صاحب نے سررشتہ دار کو دیکھ کر پوچھا کہ وہ فہرست کب تک درست ہو جائے گی؟ اس نے کہا اس کو تو بہت زمانہ چاہیئے زبان مبارک پر گزرا شاید تمہاری سررشتہ داری میں انجام پا جائے دری خانہ سے اُٹھ کر جب میں دولتخانہ پر پہنچا فرمایا کہ اِسی وقت امروہہ کا راستہ لو کیونکہ اس فہرست کیلئے تو ایک عمر درکار ہے میں نے ایسا ہی کیا (اور امروہہ پہونچ گیا۔)

صبح کے وقت میں نے محرران تھانہ سے کہا کہ گاؤں کے چوکیداروں کی فہرست اور ان کی ماہانہ حاضری لائیں دونوں (فہرست و حاضری) کو دیکھ کر میں نے کہا کہ جو چوکیدار اطلاع نہیں دیتے ہیں ان کو لکھ بھیجو کہ یہاں آئیں ہفتہ بھر میں سب چوکیدار آگئے غیر حاضر چوکیداروں سے میں نے پوچھا کہ کیوں حاضر نہیں ہوئے؟ کہنے لگے کہ گاؤں کے مکھیا ہمارا حق پاسبانی نہیں دیتے یہ اُجرت کی مزدوری ہم کیوں کریں میں نے خیال کیا کہ اس تحقیقات میں تو طوالت ہے مختصر یہ کہ تحصیلدار کے ذریعہ ہر مکھیا کے پاس اپنی یہ تحریر بھجوادی کہ چوکیدار سے اس کی اُجرت کی رسیدیں لیا کریں اور تازہ واقعہ کی اطلاع کے لئے چوکیدار برابر بھیجا کریں اور بلا ضرورت بھی پندرھویں دن خیریت پہنچا دیں اگر چوکیدار نہیں آئیں گے تو تم سے جواب طلب ہوگا اور رسید نہ دینے کی صورت میں چوکیدار کو صاحب مجسٹریٹ کے سامنے بھیجد یا جائے گا چوکیدار خوش ہو گئے۔

میں نے کہا کہ اب جا کر گاؤں کے مویشی چرانے والوں سے مویشیوں کی فہرست لکھوالیں اور اسکے

بعد ایک مچلکا دلیں) کہ جب کبھی ایک راس کم یا زیادہ ہو تو چوکیدار کو خبر دیں اور چوکیدار تھانے میں اطلاع دے اسی طرح جو کچھ میرے دل میں آتا کرتا یہاں تک کہ رہزنی اور لوٹ سوائے ایک دفعہ کے جو گانگن ندی کے کنارے مراد آباد کے قریب تھانہ سے بارہ کوس کے فاصلے پر ہوئی تھی اور کہیں نہیں ہوئی اور چوری بھی کم ہو گئی۔

صاحب کی توجہ بندہ کے حال پر پڑنے لگی مہینہ بھر میں ایک دو مرتبہ یاد فرما لیتے اور دوسرے تھانوں مثل حسن پور، بچھراؤں اور سنگھ پور کے انتظام کے لئے بھیجتے تھے اور پولیس کے عملہ میں جو کوئی ملازم ہوتا میرے ذریعہ سے ہوتا، جب کیمری صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے تو مجھے معلوم ہوا کہ دونوں صاحبوں میں بے حد اختلاف رائے ہے اور دونوں جگہ جواب دہی کرنی پڑے گی لہذا میں مستعفی ہو گیا۔

اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد کی ملازمت: کارٹن صاحب بہادر دیناج پور کے کلکٹر ہو گئے ویلڈر صاحب جو لائڈ صاحب کے اسسٹنٹ کلکٹر تھے ایک ایسے شخص کی تلاش کر رہے تھے جو یہاں کی زبان ان کو سکھا دے، چونکہ مجھے کارٹن صاحب کے بنگلہ پر دیکھا تھا یاد فرمایا لوگوں نے کہا کہ صاحب کا مزاج بہت تیز اور سخت ہے کوئی ایک مہینے سے زیادہ نہیں رہ سکتا میں نے کہا اب تو چند روز ایسے صاحب کی نوکری ضروری ہے تاکہ سخت اور تیز مزاج افسر کے ساتھ بسر اوقات کا طریقہ بھی سیکھ لوں چنانچہ کرت پور[1] کے مقام پر خدمت فیض درجت میں حاضر ہو گیا آقا خود پانچسو روپیہ سے کم تنخواہ پاتے تھے تیس روپے میرے لئے مقرر کئے بار برداری اور سفر میں خیمہ کا صرفہ بھی خود اپنے ہی ذمہ رکھا میں نے قبول کر لیا آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے لائڈ صاحب سے جا کر کہا کہ صاحب رات دن فلاں شخص (مولوی عبدالقادر) کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑتے، لائڈ صاحب نے میرے آقا (ویلڈر) کو لکھا کہ اس ملک کے لوگوں سے شروع میں زیادہ خلا ملا جیسا کہ وہ رکھتے ہیں اچھا نہیں ہے اور ان لوگوں کے نام معلوم کر لینا ان ہی کی (صاحب بہادر) کی رائے صائب پر موقوف ہے صاحب نے لکھا کہ میرے پاس زیادہ تر دو ہندوستانی آمد و رفت رکھتے ہیں ایک عبدالقادر جس کی تعریف صاحب کی زبانی جب کہ وہ اول صاحب کا ملازم تھا بہت سنی ہے

---

[1] آج کل کرت پور ضلع بجنور سے متعلق ہے

دوسرے لی گرانی کہ اس کی برائی بھلائی میں نے کچھ نہیں سنی میرے خیال میں یہی (لی لی گرانی کی آمد) گراں گزری لہذا میں نے اپنے آدمی سے کہدیا ہے کہ اس کو نہ آنے دے۔

اس کے بعد قصبۂ سنبھل میں صاحب کلکٹر کے ہمرازوں سے میں نے متواتر سنا کہ صاحب کہتا ہے کہ چھوٹا صاحب اب سمجھنے لگا ہے کہ وہ کلکٹری کے تمام کام سے واقف ہو گیا حالانکہ ابھی تک کچھ واقفیت نہیں ہے، ایک شخص نے جو اس کا معتمد ہے اس کو غلطی میں ڈال رکھا ہے مجھے نہیں معلوم کہ یہ صاحب ہی کا فرمودہ ہے یا خود غرضوں نے اس خیال سے پیش بندی کر رکھی ہے کہ اگر کہیں یہ صاحب (ویلڈر) کلکٹری پر پہونچ گئے تو اس (عبدالقادر) کا وجود ہماری خرابی کا باعث ہو جائے گا۔ ادھر ویلڈر صاحب کے التفات کی نوبت اس درجہ ہو گئی تھی کہ کسی حیلہ سے میں رخصت بھی نہیں لے سکتا تھا۔

اسی عرصہ میں میرے خسر کا انتقال ہو گیا میں سنبھل سے ایک دن کی اجازت لے کر مرادآباد آیا اور ایک عرضی لکھی کہ جب تک حضور والا کسی دوسرے عہدہ پر ممتاز نہ ہوں مجھ کو رخصت عنایت ہو تفصیلی وجوہ بیان کرنا نہیں چاہتا مختصر یہ کہ وہاں رہنا میرے آقا کے لئے فائدہ مند نہیں دوسرے روز آقا بھی مرادآباد تشریف لے آئے اور اپنے خانساماں شیر علی کے ذریعہ بندہ کو طلب کیا میں نے کہا کہ آقا لامحالہ مجھ کو اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور ان کے اصرار پر میں انکار نہ کر سکوں گا نیز اسی طرح چلا جانا نہ اپنے لئے مناسب ہے نہ آقا کے لئے اور آج میرا ارادہ گھر جانے کا ہے، یہ کہکر میں وطن چلا آیا۔

یہاں (رامپور) ایک عجیب ہی انقلاب دیکھا کہ نواب نصر اللہ خاں کی وفات ہو گئی۔ نواب کفایت اللہ خاں نیابت کی امیدواری میں ٹامسن صاحب کے پاس اکبرآباد پہونچے اور میجر مراد صاحب اور انعام اللہ خاں برادر تفضل حسین خاں نواب احمد علی خاں کے لئے خلعت مبارکبادی نیز کفایت اللہ خاں خلعت تعزیت نواب سعادت علی خاں کے دربار سے لے آئے نواب علی محمد خاں کا سارا خاندان شہر کے باہر خیمہ زن ہو گیا۔ نواب احمد علی خاں کے ہوا خواہ "الحمد للہ علی احسانہ فرجع الحق الی مکانہ" کا مضمون ادا کر رہے تھے۔

له رجب ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں نواب نصر اللہ خاں کا انتقال ہو گیا تو ان کی بجائے انکے صاحبزادے کفایت اللہ خاں نے نائب ریاست بننے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

قد صار ما خفت ان یکونا   انا للّٰہ و انا الیہ راجعونا

خوف تھا جس کا وہی بس ہوگیا   ہے بطرف حق ہمارا لوٹنا

اسی حالت میں ڈاکٹر صاحب کا خط بطلب بندہ، کاشی پور سے آیا چنانچہ میں گیا انہوں نے پوچھا ویلڈر صاحب کے پاس پھر کب جاؤ گے؟ میں نے کہا جب تک صاحب لائڈ صاحب کے ساتھ ہیں میں نہیں جاؤں گا۔ فرمایا کارٹن صاحب نے لکھا ہے کہ دیناج پور میں خوش سیرت آدمی کی نایابی سے میں پریشان ہوں اگر اس (مولوی عبدالقادر) کا ارادہ ہو جائے تو بڑی خوشی ہوگی میں نے کہا کہ میں سرکار کمپنی میں اس (ڈاکٹر صاحب) کی فرمائش سے سرتابی نہیں کرسکتا کیونکہ اسی کا دست گرفتہ ہوں انہوں نے فرمایا کہ میں لکھ دوں گا اور جیسا کچھ جواب آئے گا تم سے کہدوں گا اس گفت وشنید کے بعد میں اپنے گھر آگیا اور زمانہ کی نیرنگیاں دیکھتا رہا اب چونکہ اس نواح کے چھوٹ جانے کا وقت قریب ہے لہذا کچھ مرادآباد کی کیفیت لکھتا ہوں۔

کیفیت مرادآباد: یہ شہر شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں شہزادہ مراد بخش کے نام پر رستم خان دکھنی نے آباد کیا ہے[1] مشرقی وشمالی جانب دریائے رام گنگا ہے اور غربی جانب گانگن ندی، گانگن

---

[1] رستم خاں کا نام مقرب خاں دکھنی تھا ۱۰۴۳ھ مطابق ۱۶۳۳ء میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے رستم خاں خطاب پایا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں کٹھیریوں کے سردار رام سنگھ نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے رستم خاں کو سرکار سنبھل میں تعینات کیا رستم خاں نے راجہ کو شکست دی راجہ قتل ہوا اور اس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا رستم خاں نے پرانے قلعہ کو مسمار کرکے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اس کا نام رستم نگر رکھا۔ رستم خاں نے شاہی ہدایات سے تجاوز کیا تھا اس لئے جواب دہی کے لئے دربار کی حاضری کا حکم ہوا جب رستم خاں سے نو آباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فوراً کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اس کا نام مرادآباد رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے مرادآباد نام مشہور ہوا تقریباً ۲۵ سال تک سنبھل رستم خاں کی جاگیر میں رہا رستم خاں شجاعت وبہادری میں لاثانی، علم دوست اور مشائخ کا معتقد تھا۔ داراشکوہ کا طرفدار تھا اورنگ زیب سے جو معرکہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۸ء میں ساموگڑھ میں ہوا اس میں رستم خاں مع اپنے فرزند رستم خاں اور برادر زادہ عظمت خاں کے مقتول ہوا۔ قطعہ تاریخ یہ ہے ؎ چوں بہادر رستم فیروز جنگ ؛ عالمے در مدحت او لب کشود

درشجاعت رستم دستان عصر ؛ در سخاوت حاتم آفاق بود   ترکتازی کرد در میدان جنگ ؛ سرخرو گشت و بجنت رفتہ بود

سال تاریخ وفاتش عقل گفت ؛ بردر رستم گوئے زمیدان ربود   (۱) تاریخ امروہہ جلد اول از محمود احمد عباسی ص ۲۳۲ مطبوعہ دہلی ۱۹۳۰ء

(۲) اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۳ تا ۵۵   (۳) DISTRICT GAZETTEER OF THE UNITED PROVINCES OF AGRA AND OUDH, VOL XVI BY H. R. NEVILL, GOVT. PRESS ALLAHABAD 1911, PP 152, 153

کا پانی رام گنگا سے بہتر ہے کثرت بارش کے زمانہ میں پار کرنے کے لیے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے رام گنگا آدھی سردیوں سے گرمیوں کے آخر تک پایاب رہتی ہے ان ایام کے علاوہ گہری اور چوڑی (رہتی ہے) اور وہ (رام گنگا) رستم خانی قلعہ کے پیچھے بہ رہی ہے جس کی سوائے نام کے اب نمود بھی باقی نہیں رہی ہے اس کی آب و ہوا رام پور سے بہتر ہے انگریزوں کے مکانات شہر سے مغرب کی جانب ہیں۔

وہاں مراد آباد کے رئیس حافظ رحمت خاں کے چچازاد بھائی دوندے خاں کی اولاد ہیں جو ایک عرصے تک وہاں کے مالک رہے ہیں اس سلسلہ میں نثار اللہ خاں ان کے نواسے اور اسد علی خاں[۱] ان کے بڑے لڑکے نواب محب اللہ خاں کے نواسے ہیں۔

نواب عظمت اللہ خاں محمد شاہی کا خاندان بھی ہے جو لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے تھا اس سلسلے میں مجد الدین احمد خاں[۲] عرف محمد میاں خوش خلق باادب متحمل اور مشہور ہے اور اس کا چھوٹا بھائی علی محمد خاں خوش رو، شاعر، منشی، خوش نویس اور پرہیزگار ہے اور علی الدین خاں (مولوی) حاجی رفیع الدین[۳] خاں کا بھتیجا ہے کہ عطا حسین کی چہار درویش میں منثور کلام سب

---

[۱] اسد علی خاں نواب محب اللہ خاں کے پوتے تھے نواسے نہ تھے سلسلہ یہ ہے اسد خاں ابن سیف اللہ خاں ابن محب اللہ خاں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اسد علی خاں اور ان کے صاحبزادے عباس علی خاں نے حصہ لیا۔ عباس علی خاں کو عبور دریائے شور کی سزا ہوئی عباس علی خاں کے ایک صاحبزادے مصطفےٰ علی تھے (اخبار الصنادید جلد دوم ص۲۹ و شجرہ خاندان نواب دوندے خاں بہادر (قلمی) مولفہ ظہور النبی خاں مراد آبادی مقیم ٹیونیشیا لائن کراچی

[۲] مجد الدین احمد خاں، نواب مجد الدین خاں عرف مجو خاں مراد آبادی کے والد ہیں نواب مجو خاں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناظم مراد آباد مقرر ہوئے انگریزوں کے حلیف نواب یوسف علی خاں والیِ رام پور نے ہر موقعہ پر مشکلات پیدا کیں جب مراد آباد پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور چند سپاہی نواب مجو خاں کو گرفتار کرنے گئے تو بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا آخر کچھ مدد اور پہونچی اور نواب مجو خاں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ (اخبار الصنادید جلد دوم ص۸۹)

[۳] رفیع الدین خاں ولد فرید الدین فاروقی شیخ تھے معتبر فضلائے ہند سے تھے حدیث کا علم مولوی خیر الدین سورتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سے حاصل کیا۔ شاہ عبد العزیز دہلوی سے اکثر صحبت رہی شیخ محمد غوث لاہوری سے بیعت کی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں مراد آباد میں انتقال ہوا۔ خورشید زماں تاریخ وفات ہے صاحب تصانیف تھے۔

حدائق الحنفیہ ص۴۶۳ تذکرہ علمائے ہند ص۶۶

اسی کا ہے[۱] و تاریخ ہے۔ با خبر ہے یہ گروہ سلاطین کے زمانہ سے اب تک ناظمانِ ملک کی نظروں میں معزز و محترم رہا ہے۔ خاندان قاضی عبد الفتاح کا ہے جن کے نواسے قاضی حمایت علی عالم باعمل موجود ہیں اور قاضی منور کا خاندان ہے، ولی اللہ اس کی یادگار ہے مگر تنگ دستی میں گزرتا رہے ہے اور مفتی زادے ہیں جن میں میاں قاضی محمد بخش مشہور و معروف شخص ہیں ان کے لڑکے محمد حسین ذکی الطبع اور ہنر مند ہیں مفتی بولن کی اولاد میں سب پریشان روزگار ہیں اور محمد عاشق خاں کا خاندان ہے ان کی اولاد راحت و تنگی کی درمیانی زندگی گزار رہی ہے اور قوم بھٹیوں کی ہے کہ بھٹی محلہ ان سے آباد ہے اور اپنی گروہ بندی کے زور میں کم کسی کے سامنے سر جھکاتے ہیں آجکل ہر ایک بتلاشِ روزگار کہیں کہیں گیا ہوا ہے اور ایک خاندان مغلیہ ہے جو چنداں دست قدرت نہیں رکھتا ان لوگوں میں گوہر بیگ نامی مختلف دستکاریوں کا ہنر رکھتا ہے اور ہندوؤں کی پوربیہ قوم کا ایک گروہ ہے جس کا پیشہ سپہ گری ہے بلی کے سامنے شیر اور شیر کے سامنے روباہ بازی میں دلیر اور ایک کلالوں[۲] کی قوم کسترل (رمیں) ہے کہ فراش، چوبدار اور خدمت گار زیادہ تر اس نواح میں اسی قوم کے ہوتے ہیں، اور ان کاموں کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں اور خوب انجام دیتے ہیں، کچھ لوگ ان میں سے مولوی اور منشی بھی ہو گئے اور اس شہر میں ایک شخص سادہ کار کریم الدین[۳] ریختہ میں بھی شعر کہتا ہے اور

---

[۱] میر محمد حسین خاں تحسین ساکن اٹاوہ کے والد کا نام محمد باقر خاں شوق ہے قصہ چہار درویش کو رنگین اور دقیق اردو میں لکھا اور نوطرز مرصع کے نام سے موسوم کیا۔ تحسین جنرل اسمتھ سالار فوج انگریزی کے میر منشی ہو کر ان کے ساتھ کلکتہ گئے جب جنرل صاحب ولایت گئے تو تحسین پٹنہ آ گئے پھر وہاں سے فیض آباد پہونچے اور نواب شجاع الدولہ کے دربار سے متعلق ہو گئے۔ تحسین خوش نویس بھی تھے۔

(۱) داستان تاریخ اردو - از حامد حسین قادری (عزیزی پریس آگرہ ۱۹۵۷ء)

(۲) اردو مخطوطات مرتبہ حامد اللہ ندوی ۳ ۲ ۲ - ۵۰ (انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ بمبئی ۱۹۵۶ء)

[۲] قوم کلال کا نسبی تعلق جیسوار راجپوتوں کی ایک گوت سے ہے جو کلال کے نام سے موسوم ہے۔

(تحقیق الانساب از محمود احمد عباسی ص ۳۵ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۰ء)

[۳] کریم الدین کا تخلص آرزو تھا ان کے بیٹے امین الدین راسخ تھے راسخ کے بیٹے معین الدین نزہت المتوفی ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء تھے جن کا دیوان نزہت الناظرین مطبوعہ ہے۔ معین الدین نزہت کے صاحبزادے مولوی نعیم الدین مراد آبادی تھے جن کا انتقال ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۸ء میں ہوا۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ ان کا تخلص صنعت ہے اور قدرت اللہ شوق کے شاگردوں میں (رسالہ اعظم گڑھ بابت ماہ جون ۱۹۵۹ء نمبر ۲۲-۲۳ جلد دوم و ریاض الفصحا از غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق ۳ ۱۶ - ۱۷۷ دہلی ۱۹۳۴ء)

نقضین ہیں تو بے حد مہارت حاصل کرلی ہے دستکاری سے ہیں مناسبت ہے یورپین لوگ بھی اس کی فکر رسا کو پسند کرتے ہیں۔

حالات امروہہ[۵۱]:-

اسی نواح میں امروہہ کا علاقہ ہے شہر میں سادات، کمبوہ، کالستھ، کلال، ٹنڈن، کھتری، تگا، اور شیخ زادے ہیں مگر سردار، افسر، جاگیردار اور زمیندار حقیقت میں سادات ہیں دوسروں نے جوکچھ حاصل کیا ہے ان ہی سے حاصل کیا ہے اور دیہات (امروہہ) میں میواتی چوری، لوٹ مار، رہزنی، اور پاسبانی خوب کرتے ہیں اور گوجر زیادہ تر رہزنی، مولشیوں کی چوری اور جاٹوں کے گاؤں کی بربادی کا کام کرتے ہیں اور جاٹ بھی رہزنی کرنے اور گوجروں سے مڈبھیڑ کے عادی ہیں نیز راجپوت بھی کبھی کبھی غارت گری اور شب خون کرڈالتے ہیں یہ سب کے سب اس زور طلب اور بداطوار پرگنہ کی رعایا ہیں اس کا سبب جیسا کچھ مجھے معلوم ہے ایک یہ ہے کہ یہ تمام قومیں فوجی مروم زادے ہیں اور دوسرے یہ کہ جاگیرداروں کی رعیت رہے ہیں اسی حالت پر چند پشتیں گزر گئی ہیں۔

بیان سنبھل:- سنبھل ایک بہت پرانا شہر ہے[۵۲] اس میں نواب امین الدولہ[۵۳] کا

---

[۵۱] امروہہ ایک تاریخی بستی ہے حضرت سالار مسعود غازی کے مفتوحہ مقامات میں سے ہے علاؤالدین شاہ دہلی بدایوں جاتے ہوئے امروہہ میں کچھ مدت مقیم رہا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اس قصبہ کو "بلدۃ صغیرۃ حسنۃ" لکھا ہے۔ عہد اکبری کے مشہور عالم محمد میر عدل تھے جو شاہ ولایت کی اولاد میں تھے۔ علم و فضل وغیرہ کے اعتبار سے یہ قصبہ ہمیشہ مشہور رہا ہے دور آخر کے سیاسی زعما میں نواب مشتاق حسین وقارالملک امروہہ ہی کے باشندے تھے۔ امروہہ کی مفصل تاریخ مولوی محمود احمد عباسی نے تین جلدوں میں لکھی ہے جو مطبوعہ ہے اسی طرح جمال احمد نقوی نے ایک کتاب "تاریخ سادات امروہہ" شیعی نقطہ نظر سے لکھی ہے یہ کتاب اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن میں ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء میں طبع ہوئی ہے۔

[۵۲] سنبھل حضرت سالار مسعود غازی کے مفتوحہ مقامات سے ہے نہایت قدیم تاریخی مقام ہے سکندر لودی چار پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا۔ بادشاہ کی قدردانی کی بنا پر علما و فضلا مختلف دیار و امصار سے جوق جوق یہاں آئے۔ اور متوطن ہو گئے شاہ حاتم سنبھلی و شیخ پنجو مشہور بزرگ تھے بابر بادشاہ کے عہد میں ایک خوبصورت وسیع جامع مسجد تعمیر ہوئی ۱۸۷۸ء میں اس مسجد کے متعلق مسلمانوں اور ہندوؤں میں مقدمہ چلا جس میں مسلمان کامیاب ہوئے، رستم خاں دکھنی نے سنبھل میں عیدگاہ ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۶ء میں تعمیر کرائی سنبھل کی ایک تاریخ "احسن التاریخ سنبھل" کے نام سے غلام احمد سنبھلی نے لکھی ہے جو اہل سنت برقی پریس مراد آباد میں ۱۹۳۹ء میں طبع ہوئی ہے یہ کتاب چند سنی سنائی روایات یا اشلوکوں کے انتخابات پر مشتمل ہے

[۵۳] ۱۹۹ھ ۱۷۸۵ء میں امین الدولہ ناظم سنبھل مقرر ہوئے (تاریخ امروہہ جلد اول ص ۲۱)

خاندان اور دوسرے انصاری لوگ یہاں سرائے میں ممتاز ہیں اور ترین سرائے میں قوم ترین کے پٹھان رہتے ہیں جن میں نواب امیر خاں[۱] صاحب عزت لوگوں میں سے ہیں دوسرا ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتا ہے صبیح العالم خاں مفتی کورٹ اپیل مرشد آباد جن کی وفات ہو گئی اسی قوم کے تھے اس پرگنہ میں راجپوت بہت شورش رکھتے ہیں سہسوان اور اسد پور کے علاقہ میں قوم اہر رہتی ہے نگینہ کی جانب بشنوئی رہتے ہیں قرآن شریف اور نماز بھی پڑھتے ہیں اور بُت پرستی بھی کرتے ہیں مردہ کو آگ کا داغ دے کر دفن کرتے کھانا نہ ہندو کے ساتھ کھاتے ہیں نہ مسلمان کے۔ ایک رسم ان لوگوں میں یہ ہے کہ تیل اور زرد چوبہ آگ پر رکھ دیتے ہیں۔ چوری، رہزنی اور کبھی کبھی غارت گری بھی کر لیتے ہیں۔ پرگنہ ٹھاکردوارہ اور کاشی پور میں اہر بھٹیہ، ہیری اور بھواتی سب فساد پیشہ ہیں لیکن بہ نسبت امروہہ کے کم۔ دامن کوہ کی پاسبانی ہیری خوب کرتے ہیں۔

علاقہ مراد آباد اور رام پور کے زرعی و صنعتی حالات:۔

اب میں اس ملک کی زرعی کیفیت ظاہر کرتا ہوں۔ ٹھاکردوارہ، کاشی پور، رودر پور، ریٹھڑ میں دھان اور غلہ خوب ہوتا ہے سرکڑہ اور رونده کھونده میں ہر قسم کی زراعت کے قابل زمینیں ہیں امروہہ سنبھل، چاند پور[۲] کی اراضی بارش زیادہ چاہتی ہے کرت پور میں گنا مراد آباد کے تمام پرگنوں سے بہتر ہوتا ہے اسی بنا پر بیگہ بھر گنے کا لگان آٹھ روپے ہے۔ اسی کے قریب منڈاور ہے جس کے گنے کا لگان فی بیگہ آٹھ آنے ہے اور نجیب[۳] آباد زراعت میں کاشی پور جیسا ہے نگینہ اس سے کم ہے۔ شیرکوٹ[۴] اور سیوہارہ[۵]

۱؎ یہ نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک کے علاوہ دوسرے شخص ہیں اسی زمانہ میں سنبھل میں نہایت معزز و مقتدر رئیس اور با اختیار شخص تھے۔

۲؎ چاند پور کے مولانا مرتضیٰ حسن مشہور عالم گزرے ہیں جنہوں نے تحصیل علم دار العلوم دیوبند میں کی تھی۔ اور دیوبند کے مشہور علماء میں ان کا شمار ہے۔

۳؎ نجیب آباد نواب نجیب الدولہ نے آباد کیا مسلمانوں کی مشہور بستی ہے آخر زمانہ میں مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (المتوفی ۱۹۳۸ء) مشہور مورخ گزرے ہیں۔

۴؎ مولانا منظر الدین ایڈیٹر الامان و وحدت (دہلی) کا وطن ہے

۵؎ مشہور سیاسی زعیم مولانا حفظ الرحمن کا وطن ہے۔

اوسط درجہ میں ہیں سہسوان، اسد پور، کندرکی، چندوسی آپس میں یکساں ہیں مرادی بھوجی کی جمعبندی لائڈ صاحب کے بندوبست میں سنگین ہوگئی اس وجہ سے خرابی ہوئی ورنہ پیداوار کے اعتبار سے ناقص نہیں ہے

اس ملک کی عمدہ چیزیں یہ ہیں نہایت باریک اور خوبصورت مٹی کے برتن جیسے امروہے کے کلال بناتے ہیں میں نے کہیں نہیں دیکھے ایک فرشی حقہ بنایا جاتا ہے کہ جب دم لگاتے ہیں تو پانی اندر اٹھتا ہے اور چھوڑتے ہی سارا پانی حقے کے نیچے تسلے میں جمع ہو جاتا ہے اور حقہ میں سے نکل آتا ہے ہر دفعہ تازہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے سنبھل میں سبز رنگ بہت اچھا ہوتا ہے وہاں کے رنگریز ایک کپڑے کو دو طرفہ رنگ دیتے ہیں مراد آباد سے ظروف گلی رام پور کو تحفۃً لے جاتے ہیں۔

ٹھاکردوارہ اور کاشی پور میں بھٹیہ قوم جیب کاٹنے اور اُچکے پن میں یکتا ہیں ماہ چیت کی آٹھ تاریخ کے میلہ میں یہ کام دن دہاڑے کرتے ہیں اس کام میں میں نے ان لوگوں کی طرح کوئی نہیں دیکھا ایک مُدّت سے میں اس ملک سے دور ہوں اس بیان میں اگر کچھ فرق نکل آئے تو وہ نسیان کا مقتضی ہے جو انسان کی سرشت میں ہے۔

---

۵۱ سہسوان آج کل ضلع بدایوں کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے مشہور مردم خیز قصبہ ہے یہاں کے علما کے حالات میں ایک کتاب تجوۃ العلمار مولوی عبدالباقی سہسوانی نے لکھی ہے جو کہ نول کشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے۔ اور ابھی حال میں مولوی نظر احمد افسوں سہسوانی نے ایک اور کتاب خزینۃ الانساب کے نام سے سادات سہسوان کے انساب پر مرتب کی ہے جو ۱۹۰۵ء میں نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوئی ہے۔

باب دوم

سفرِ بنگال اسی زمانہ میں ہمارے شہر (مرادآباد) میں جاڑے بخار کی شدّت بہت بڑھ گئی میرے گھر میں بھی چھوٹے بڑے اور بچے بوڑھے سب ہی بیمار ہو گئے سوائے میرے، والد صاحب اور ایک دو اور کے، سب ہی اس مرض میں گرفتار تھے کہ ڈاکٹر صاحب نے یاد کر کے ارشاد فرمایا کہ سفر خرچ لو اور چلے جاؤ یہ گفتگو نواب احمد علی خاں کے سامنے ہو رہی تھی کیونکہ صاحب ممدوح بریلی سے مرادآباد جاتے وقت ایک رات کے لئے نواب صاحب کی خاطر سے رام پور ٹھیر گئے تھے وہیں مجھے بلالیا تھا میں نے منظور کر لیا تھا بہت اچھا کہہ کر کچھ دیر بیٹھا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور رخصت ہو کر گھر پہونچا، والد صاحب سے یہ واقعہ کہا انہوں نے سُن کر فرمایا اتنی دور و دراز مسافت پر تجھ کو تنہا چھوڑنا گوارا نہیں مگر تو وعدہ کر چکا ہے اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے اب کوئی دوسری صورت اختیار کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

میں مرادآباد جا کر آزول صاحب سے رخصت ہوا انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ عرصہ دیناج پور[1] میں ہوں وہاں کی آب و ہوا بہت خراب ہے کھانے پینے میں جہاں تک ممکن ہو احتیاط کرنا۔ ڈاکٹر صاحب نے سفر خرچ دیا اور بنگال کے ارادہ سے میں پھر اپنے گھر آیا اور والد صاحب (ان کی روح خوش رہے) اور دوسرے بزرگوں سے اجازت حاصل کر کے بریلی آیا اور چھپرہ[2] کے لئے ایک کشتی جس کے ملاح وہیں کے تھے کرایہ کر لی اور جہاں چھپرہ پہونچ کر پھر اسی کشتی کو گرہ گولہ تک کے لئے کرایہ پر رکھ لیا اتفاقاً کشتی بان اس خیال سے کہ ہوا موافق ہے غفلت کر گئے اور کشتی غلط راستہ پر چل کر

---

[1] دیناج پور بنگال کا ایک ضلع ہے

[2] چھپرہ بہار کا ایک ضلع ہے چھپرہ میں قصبات علی گنج حبدایان، حسین گنج کجھوہ بھیکہ پور وغیرہ ذی اقتدار مسلمانوں کی قدیم بستیاں ہیں

(تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ص۲۰)

بانکول موتی ہاری پہونچ گئی جو پورنیہ[1] کے ضلع میں ایک قصبہ ہے ملاحوں نے کہا اگر کہو تو کشتی کو کھینچ کر گرہ گولہ پر واپس لے جائیں لیکن پانچ چھ روز میں پہونچ سکیں گے اور پھر کہلی کے ذریعہ یہاں سے آٹھ روز میں دیناج پور پہونچ سکتے ہیں میں یہ سن کر کشتی سے اتر آیا۔

کارواں سرائے (بانکول موتی ہاری) میں قیام :-

بانکول موتی ہاری میں ایک مقام پر جو خالی پڑا تھا میں نے اپنا سامان رکھ دیا لوگوں نے بتا دیا تھا کہ یہ کارواں سرائے ہے اور تھانہ میں اپنے ایک ساتھی کو بھیجا تاکہ یہ کہے کہ پورنیہ تک سواری اور بار برداری کرایہ کر کے ہمارے ساتھ کر دیں۔ وہاں پر نہ جمعدار تھانہ تھا نہ تھانیدار۔ دونوں محکمہ کی طلبی پر پورنیہ گئے ہوئے تھے مجبوراً دیر ہو گئی وہاں پر ایک شخص آیا جس کی تنگ دستی اور عاجزی نمایاں تھی اور کہنے لگا کہ یہ مکان ہمارے ہی بزرگوں کا ہے اور مہمانوں کے لئے بنایا تھا جو کچھ میسّر ہوتا تھا اس سے ٹھیرنے والوں کی مہمانی کرتے تھے۔ میں نے نام پوچھا کہا "عبدالکریم" پھر وہ چلا گیا شام کے وقت سامان خورد نوش لایا اور کہا کہ اس معمولی کھانے کو قبول فرما کر احسان کیجئے میں پہلے سے سن چکا تھا کہ بارہ روپیہ سالانہ آمدنی کی زمین ہے اور ڈیڑھ روپیہ معلمی کی تنخواہ پر گزر اوقات ہے میں نے اس کو قبول کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ مہربان کے مکان میں ہم لوگوں نے آرام پایا آپ کی اتنی ہی مہربانی کافی ہے اس سے زیادہ آپ کو تکلیف دینی مجھے گوارا نہیں میرے انکار نے اس کے اصرار کو اور بڑھا دیا رنجیدہ خاطر ہونے لگا کہ بزرگوں سے میں یہ توقع نہیں رکھتا تھا کہ میری غربت کی بنا پر مجھے کم حیثیت سمجھنے لگیں گے اور میری روکھی سوکھی روٹی سے بھی احتراز کریں گے بالآخر میں نے منظور کیا اور کوئی ایسی صورت نہ بن پڑی کہ جس کے ذریعہ سے میں "حساب دوستاں در دل" کا مضمون سمجھ لیتا کیونکہ اس کا کوئی بچہ نہ تھا تاکہ مٹھائی کے بہانے میں اسے کچھ دے دیتا بہر حال جو کچھ میرے پاس تھا میں نے سب اس کے سامنے رکھ دیا کہ جو چیز اس میں آپ کی پسند ہو لے لیجئے اس نے کہا میرے کام کی ایک بھی نہیں۔ میں نے کہا کہ دیناج پور میں عہدۂ قضا جاری ہونے والا ہے اگر منظور ہو تو اس بارے میں کوشش کر دی جائے۔ جواب دیا کہ میری بوڑھی ماں ہیں اور میرے سوائے کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں وہ مجھے چھوڑتی بھی نہیں جو میں کہیں چلا جاؤں، بیوی بچے میں رکھتا نہیں جنکی

---

[1] پورنیہ بہار کا ایک ضلع ہے۔

وجہ سے فکر معاش میں مجھے کہیں جانا پڑے۔ پھر کیا پڑی ہے جو سفر کی تکالیف اپنے اوپر برداشت کروں۔ اور دردسری سے زر حاصل کروں۔

رُباعی

در سال بہم رسد گر یک جامہ ۔ چوں کعبہ گرامی منوی ای خوکامہ
ننگی جو ملے سال میں ہو گرچہ وہ موٹی ۔ کعبہ کی طرح دیکھو میری شان نہ چھوٹی
یک نان بدو روز گر بیابی بینی ۔ نام خود باپیمبراں در نامہ
دفتر میں میرا نام پیمبر کے ہو ہمراہ ۔ دو روز میں پاؤں اگر ایک ہی روٹی

القصہ عمر بھر میں اس جیسا تنگ دست اور دریا دل میں نے نہیں دیکھا اسی روز شام کو جمعدار تھانہ پہونچا اور میرے پاس آکر کہا کہ گاڑی اور کہاروں کا ملنا دشوار ہے اگر کہو تو ما نجھ بہت ہیں جو سواری اور باربرداری دونوں کا کام دیتی ہیں اور وہ باہم بندھی ہوئی موٹی، مضبوط اور لمبی ڈونگیاں ہوتی ہیں اور ایک لکڑی ہو تو اس کو ڈونگی کہتے ہیں۔ کوئی بے سائبان کی ہوتی ہے اور کسی پر چھپر یا سی پڑی ہوتی ہے۔ وہ جمعدار اگرچہ تنبولی زادہ تھا اور کسی سپہ سالار کی سفارش سے اس مرتبہ پر پہونچ گیا تھا لیکن کلکتہ کے نئے مالداروں کی طرح اپنے آپ کو فراموش نہیں کیا تھا لاچار اس کے قول پر عمل کرنا پڑا اور پھر دریا ہی میں کشتی ڈال دی اور تین روز میں پورنیہ پہونچ گئے۔

حالات پورنیہ:-

پورنیہ میں اینٹ اور مٹی کے مکانات بہت کم ہیں ٹین کے گھر کثرت سے ہیں جو دریا اس کے نیچے بہ رہا ہے بدرنگ اور بدبودار ہے ہوا سر بسر وبائی، بازار کے ہجوم میں جو شخص فیل پا، گلے پھولا اور کلاں خصیہ نہ ہو اگرچہ زرد رنگ اور بخار میں مبتلا ہو تندرستوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

میں پورنیہ میں اُترا اور شاہ حسین رضا کے امام باڑہ میں ٹھہرا اس مکان کا مہتمم میر کلن نامی خوش خلق، اور زندہ دل آدمی تھا میرے پاس آیا، کھانا لایا اور کہنے لگا کہ یہاں ہر تین دن مہمانی کا دستور ہے، میں نے کہا اس وقت تو بے شک منظور ہے دوسرے دن ضرورت نہیں۔

امام باڑہ ہندوستانی شیعوں کی ایجاد ہے کہ ایک جگہ ایسی بنالیتے ہیں جہاں پر عشرہ محرم میں لوگ جمع ہو کر کتاب اور مرثیہ پڑھتے ہیں شربت اور کھانا تقسیم کرتے ہیں ماتم اور ہائے ہائے کرتے ہیں

اور ایک مقام میں جھنڈے اور قبر کی شکل بنا کر رکھتے ہیں علمائے دین کے نزدیک بعض باتیں ان میں بدعت ہیں مثلاً اندھیری کوٹھری، سینہ کوبی، ڈھول بجانا اور قبر کی تصویر اور بعض باتیں گمراہی ہیں یعنی قبر کے احکام اس پر جاری کرنا اور کچھ کفر کی رسمیں ہیں جیسے سجدہ کرنا اور حاجتیں مانگنا[1] اور کچھ اچھی باتیں بھی ہیں جیسے بزرگانِ دین کا ذکر کہ وہ باوجود اس قدر مصائب کے اپنے رویہ پر ثابت قدم رہے، اور مساکین کو کھانا کھلانا اور مسافروں کی راحت رسانی۔

الغرض میں نے اپنے ایک ساتھی کو تھانہ بھیجا جو وہاں کے افسر کا یہ جواب لایا کہ دو روز توقف کریں فوج کی روانگی کے بعد کہار اور گاڑی بھیج دوں گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور چوتھے روز روانہ ہو گیا اور ننیگر گاؤں میں پہنچکر ایک بنیئے کی دکان میں رات گزاری اگلے دن سویرے ہی تاج پور بھوپلا پہونچا۔

کوائف تاج پور بھوپلا :-

لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں شہر تاجپور بھوپلا ہی تھا اور پورنیہ گاؤں تھا اب برعکس ہے کہ بہ نسبت پورنیہ کوردیہہ ہے ؎

کوردیہے شہر گہ گہ می شود   گاہ شہرے بدتر از دہ می شود

کوردیہہ گاہے معظم شہر ہو   اور کبھی شہر معظم کوردیہہ

ایک تنگ گلی میں وہاں کے بد مزاج چودھری کا ایک مسافر خانہ تھا لوگوں نے کہا کہ اگر تم خود ہی کہو تو شاید ایک رات کے لئے کرایہ پر دے دے، میں نے اس کو بلایا وہ (چودھری) یہ کہتا ہوا فوراً واپس ہوا کہ میں اس گھر ہی کو جلا دوں گا تاکہ بے ہودوں کی مانگ کی مصیبت سے چھٹکارا پاؤں میں مجبوراً ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اور ساتھ والوں سے کہا کہ کچھ کھانے کا انتظام کریں جو کچھ ہاتھ لگا تیار کیا اور وہیں بر سر راہ نہ گھر نہ آرام گاہ، بازاریوں کی طرح چند لقمے زہر مار کئے اتفاقاً فرندس نامی فرانسیسی سوداگر کا گماشتہ شیخ کھو وہیں رہتا تھا ازراہِ انسانیت میرے پاس

[1] مولانا حسن قنوجی المتوفی ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء (والد نواب صدیق حسن خاں قنوجی) نے بدعات محرم پر ایک مفصل اور مدلل رسالہ ہدایت المومنین ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں رقم فرمایا یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے ہمارے کتب خانہ میں اس کے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں۔

آیا اور کہنے لگا کہ ابھی آدھا دن اور پوری رات گزارنی ہے بہتر ہے کہ غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں۔ میں نے اس کی بات مان لی اور آرام پایا۔

وہاں ایک عجیب حکایت سنی کہ کسی کاشتکار نے خواب میں دیکھا کہ مُرغی نے دھان کی شاخ پر انڈا دیا ہے اور دھان کہتا ہے کہ جب میری ذلت اس درجہ پر پہونچ گئی تو اب میں بنگال سے جاتا ہوں (کاشتکار) کی آنکھ کھلی تو اس نے لوگوں سے خواب کہدیا سب گاؤں والوں نے یہی بہتر سمجھا کہ مُرغیوں کو ایک دم مار ڈالا جائے تاکہ دھان پریشان ہوکر ہماری سرزمین نہ چھوڑدے اور دُنیا قحط سے نہ مرجائے دوسرے دیہات میں بھی خبر ہوگئی اور چند بد معاش ناعاقبت اندیشوں[1] کے علاوہ کہیں مرغیوں کا نشان بھی نہیں رہا۔

اسی مجمع میں قصبہ کے قاضی بھی تھے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ بھی ان باتوں کا یقین کرتے ہیں؟ کہنے لگے الحمدللہ میں مسلمان ہوں ایماندار، ایسی چیزوں کا انکار کیسے کرسکتا ہوں جن پر سب لوگوں کا اتفاق ہو۔ میں نے خاموشی ہی میں اپنی نجات دیکھی۔ صبح کو چند ریا پہونچا اور اگلی صبح کو دیناج پور۔

کلکٹر دیناج پور سے ملاقات:۔

دیناج پور شہر میں بھی پورنیہ کی طرح اینٹ اور مٹی کی عمارتیں کم نظر آئیں لیکن دریا کا پانی خراب نہ تھا پوچھتا پوچھتا کلکٹر صاحب کی کوٹھی چلد یا دری خانہ (ڈرائنگ روم) میں پہونچ کر نظامت جمعدار سے میں نے کہا کہ صاحب کلکٹر سے میرا نام اور پتہ دے کر کہدو کہ در دولت پر حاضر ہے کیا حکم ہے جمعدار نے عرض کی اور آکر مجھے لے گیا۔ میری باریابی حضور میں ہوئی نوکروں کے مرتبہ سے زیادہ نوازش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ مجھ کو اتنی جلدی تمہارے پہنچنے کی اُمید نہ تھی اسی سوال و جواب میں کچھ وقت گزر گیا اور میں رخصت ہوا۔

جمعدار کو حکم ہوا کہ کہیں آرام کی جگہ انہیں ٹھہرادو نصرت حسین ندیا کے باشندے نے مجھے دیکھ لیا اور دفتر سے اُٹھ کر میرے ساتھ ہولیا، ایک مکان اپنے گھر کے پہلو میں مجھے دکھا کر کہا کہ سردست یہیں آرام کرو اس کے بعد جو پسند خاطر ہو میں غنیمت سمجھ کر وہیں ٹھیر گیا۔

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی مرغیوں کو ختم نہیں کیا اور وہ اس توہم پرستی سے متاثر نہیں ہوئے ان کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

دوسرے دن قاضی دلاور علی جو ہندوستان کے باشندے تھے اور عدالت میں صدر امینی کا کام کر رہے تھے اور میر ببر علی عظیم آبادی سررشتہ دار رجسٹری اور مولوی آصف علی بردوانی مولوی عدالت اور شیخ خدابخش کلکتوی قائم مقام سررشتہ دار مجھے دیکھنے آئے اگلی صبح کو میں بھی بازدید کے لئے گیا۔ اگرچہ قاضی اور مولوی دونوں بظاہر خوش خلق تھے مگر اہل معاملہ قاضی کی دیانت کے بہت مداح تھے اور میر ببر علی شیعہ مذہب اور صلح کل کا طرز رکھتے تھے۔ شیخ خدابخش چالاکی اور فریب کاری میں مشاق تھا لیکن انگریزی عملہ کے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح کسی کام کے کرنے، نہ کرنے کا پابند نہ تھا۔ جج وہاں کا لسٹر صاحب تھا اور کلکٹر میرا آقا اور رجسٹرار فریخ صاحب تھا۔ مقدمات میں روبکار لکھنے کا دستور ان صاحبوں میں نہ تھا بلکہ فارسی میں خطوط لکھے جاتے تھے یہ طریقہ ہاکل صاحب نے جو نمائش پسند تھا جاری کیا تھا لیکن لسٹر صاحب اور میرے آقا نے اس بدعت کو ختم کر دیا۔ اور وہاں پر ایک ڈاکٹر تھا جس کا میں نام بھول گیا کسی کو میں نے اس سے خوش نہ پایا بلکہ سب رنجیدہ تھے مسافروں پر بھی بے جا حکومت کر بیٹھتا تھا اور خواہ مخواہ جھگڑنے لگتا تھا۔

ہندو زمیندار کی ملازمت

وہیں ایک راجہ رادھا ناتھ نامی بہت بڑا زمیندار رہتا تھا وہ مرا اور ایک خورد سالہ لڑکا چھوڑا جس کی عمر بہت کم تھی سرکار نے حسب دستور اس کی جائداد کو "کورٹ آف وارڈس" کے ماتحت کر دیا کارکنوں نے اپنے گھروں کی آبادی اور اس گھر کی بربادی کر ڈالی ان کارکنوں میں ایک شخص کشن کنت رائے تھا جو اسی زمیندار کا ہم قوم تھا دوسرا اہاب اللہ جو پہلے راجہ کی سرکار میں سائیس تھا اور پھر کلکٹری میں ناظر ہو گیا تھا۔ راجہ کی زمینداری نیلام پر چڑھ گئی اور اس شخص نے کم داموں میں خرید لی۔ اس وقت رام سنگھ نامی مختار تھا اور وہ شخص اگرچہ شریر نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے بشرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسی شخص کے سبب یہ زمینداری کورٹ آف وارڈس کے قانون کے ماتحت آئی ہے اور یہ بات راجہ کے لئے فائدہ مند تھی۔ مسکین نابالغ بچہ پیر بالغ کا کارکن ہو گیا آمدنی سرکار میں جمع ہو جاتی۔ مالگذاری داخل خزانہ ہو جاتی اور بقیہ آمدنی سرکار میں امانت رہتی اور مستحقین میں سے ہر ایک کو خرچ کے مطابق دے دیا جاتا۔ میرے آقا نے راجہ کے بالغ ہونے تک کے لئے صاحب عدالت سے مشورہ کر کے اور کورٹ کی تحریری منظوری لے کر بابو پیارے کشن

نامی کو جو راجہ کا ماموں تھا ولی مقرر کر دیا یہ شخص نہایت دانشمند اور کام میں ہوشیار تھا راجہ کی فلاح و بہبود پر کمربستہ ہوگیا۔

وہاں کا ایک طریقہ اور تھا کہ داخل خارج کے وقت صاحب کلکٹر کی جانب سے دخل دلایا جاتا تھا اور محکمہ امانت کا یہ سررشتہ تھا کہ یہ کام فروخت کرنے والے کا ہے نہ کہ گواہ کا۔ اگر کلکٹر چاہے تو البتہ اسکو یہ حق حاصل ہے ورنہ زمینداری کو ایک کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے نام لکھنا اور اپنے دستخط کرنے کے علاوہ جو درحقیقت فریقین کے اقرار پر گواہی ہے اور کچھ نہیں کر سکتا شاید کسی سادہ لوح حاکم کے زمانہ میں عملہ کے لوگوں نے یہ قانون تجویز کرالیا ہوگا میرے آقا نے یہ طریقہ جائز نہ رکھا۔

مسماۃ دیا کنور کی زمینداری کا قضیہ:-

مسماۃ دیا کنور کا شوہر بہت سا روپیہ اور جائیداد چھوڑ کر مرشد آباد میں مرگیا یہ عورت بہت کم سن اور حسین تھی انگریزی سرکار نے کورٹ آف وارڈس کے قانون کے مطابق اس کے باپ کو اس کی تولیت سپرد کردی۔ باوجودیکہ وہ اٹھارہ سال کی ہوگئی لیکن باپ نے روپیہ کے لالچ میں سرکار میں اس کی اطلاع نہ کی دو سال یوں ہی گزر گئے طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ کلکٹر صاحب نے صاحبانِ کورٹ کی منظوری پر جن کا سر دفتر راک صاحب تھا اس عورت کی بلوغیت کا خیال کئے بغیر ہرموہن نامی شخص کو وہ جائداد سنبھالہ پٹہ پر دے دی اسی اثنا میں وہ کسی حیلہ سے باپ کی قید سے نکل کر دینا پور آگئی اور اپنی روداد لکھ کر کلکٹر کو پیش کی انصاف پسند کلکٹر نے جب اس کی عمر کا اس تحریر سے اندازہ لگایا جو اس کے باپ، اور شوہر کے وارثوں نے شوہر کی وفات کے دن دفتر میں لکھائی تھی تو انیس سال برآمد ہوئے کلکٹر نے یہ چاہا کہ تیس ہزار روپیہ اس کی زمینداری کی آمدنی کا امانت سے نکال کر اسکے سپرد کرے لیکن ولی نے اس کی نادانی ظاہر کی اور کورٹ آف وارڈس نے معتمد لوگوں کے ذریعہ اس کی بلوغ کی شہادت لے کر کلکٹر صاحب کے پاس روبکار بھیجا۔ کلکٹر نے کورٹ کو اطلاع دے کر روپیہ اس کو دے دیا اور اس کی خود مختاری کا حکم دے کر یہ چاہا کہ وہ عورت زمینداری پر بھی قبضہ کرے لیکن ٹھیکیدار مانع ہوا۔ کلکٹر صاحب نے بورڈ کو لکھا حکم ملا کہ یہ صورت سابق کلکٹر کی غفلت اور دفتر والوں کی سستی سے پیش آئی ہے اب ٹھیکیدار کو سمجھا کر زمینداری اس کے ٹھیکہ سے نکال لی جائے یا مالکہ سے کہا جائے کہ ٹھیکہ کی میعاد تک ٹھیکہ کی رقم سرکار سے وصول کر لیا کرے۔

کلکٹر صاحب نے غور کر کے ایک صورت نکالی اور ٹھیکہ دار سے کہا کہ اب تک ٹھیکہ کی رقم تم خزانچی کے پاس پہنچاتے تھے اب دیا کنور کے پاس پہنچایا کرو اور اُس کو سمجھایا کہ خام تحصیل کا کام عہد بندی (یعنی پنجسالہ ٹھیکہ) کے ساتھ دشوار ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں ناتجربہ کاری کی بنا پر نقصان اٹھانا پڑے اس مدت میں کہ ابھی دو سال ہیں تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ٹھیکیدار کو کتنی گنجائش ہے اور اگر کوئی دوسرا اضافہ کی درخواست دے دے گا تو اُس وقت تمہارا قبضہ بحالی کا سبب ہو جائے گا۔

چند دوسرے واقعات :-

وہیں پر (دیناج پور) ایک مشہور بزرگ کے مزار پر ایک ہفتہ تک عرس کا مجمع ہوتا اور ہر ایک خوانچہ فروش کو پروانہ ہفت روزہ دیا جاتا تھا کبھی چالیس روپئے، کبھی پچاس روپے اس کا ٹھیکہ ہوتا تھا ساٹھ روپے سے کبھی آگے نہ بڑھا۔ اس مرتبہ کئی آدمیوں نے تھوڑے تھوڑے روپے کے فرق کے ساتھ درخواستیں دیں سررشتہ کے کارکنوں نے اُس شخص کی درخواست منظوری کیلئے پیش کردی جس کی رقم سب سے زیادہ تھی صاحب دوربین اور معاملہ فہم نے فرمایا کہ سب کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے اور یہ اطلاع کردی جائے کہ جو کوئی زیادہ رقم منظور کریگا اور مناسب طریقہ سے ادا کرے گا اس کی درخواست منظور کی جائے گی اس تدبیر سے سات سو روپے تک نوبت پہونچ گئی اور ضمانت اپنے ذمہ کر لی۔

وہاں پر پوست کی زراعت جس سے افیون نکلتی ہے ممنوع تھی اور اس کام پر بہت سے آدمی مقرر تھے مگر کوئی بندوبست نہ ہوتا تھا صاحب کے حسن تدبیر سے گھر کے باغیچوں میں بھی اس کا اثر نہ رہا۔ صورت یہ ہوئی کہ مسٹر صاحب نے صدر کی اجازت سے تھانے پیادوں کا ماہانہ چار روپے کردیا پہلے تین روپے پا رہے تھے۔

لوہاروں اور سناروں کو اس دستور کے مطابق جو اس زمانہ میں وہاں مروج تھا سندیں دیں چونکہ سررشتہ کے محرر روزمرہ کے معمولات کے ساتھ اس کام کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ صاحب ممدوح نے اجازت دیدی کہ درخواست والے اپنی سندیں بموجب اشتہار لکھا لائیں سررشتہ میں مقابلہ کے بعد دستخط کر کے دیدی جائیں گی بے روزگار لوگوں نے اس مزدوری سے بے حد فائدہ اٹھایا کہ ایک سند کی لکھائی

پانچ پانچ روپئے لیتے تھے لوگ اس کاروبار میں منشی غلام امام سررشتہ دار فوجداری کی شرکت کا گمان کرتے تھے اور ڈاکٹر نے صاحب عدالت تک یہ بات پہونچادی مگر ثبوت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی۔

بائل صاحب نے گواہوں کے اظہار لینے کا ایک عجیب طریقہ جاری کیا جو کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتا یعنی آدمے قدآدم ایک تپائی رکھی ہوئی تھی اس پر چڑھ کر گواہ شہادت دیتا تھا اور روبکاری میں اس کا یہ سبب لکھوا رکھا تھا کہ اس ملک کے لوگ ایمان نہیں رکھتے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اس جگہ جب گواہ کھڑا ہوگا تو حاکم کے سوال پر یا تو جھوٹا آدمی رعب میں آکر سچ بولے گا یا لرزہ براندام ہوکر گر پڑے گا یہ نکتہ جو صاحب ممدوح کے خیال میں آیا تھا اگر صاحبان کونسل کے دماغوں میں آجاتا تو لوگوں کو درباری طریقہ سکھانے کا نیازمند ہونا پڑتا۔ لیکن خداوند عالم مخلوق کا نگہبان ہے

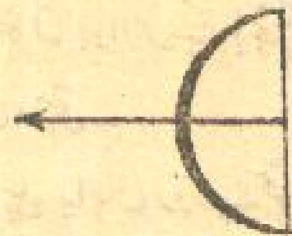
نماند دماند بسے برزبان	زنیک و بد داوراں داستاں
رہے داستاں بس ہمیشہ زبان پر	رہینگے نہ حاکم بد و نیک یاں پر
مکن آنچہ خواہی کہ ماند نہاں	کہ ناکردہ پنہاں بود از کساں
جو چاہے کہ مخفی رہے ہر کسی سے	نکر اس کو۔ ہرگز نہ سنتا کسی سے
چو کردی بہ پوشیدن آں مکوش	بگفتار دانشوراں دار گوش
کیا جس کو تونے سے مت چھپا	نصیحت یہ تجھکو ہے دانشورانہ
کہ پنہاں کنی تخم درکشت زار	شود آشکارا چو آید بہار
چھپایا ہے کھیتی میں جس بیج کو	بہار آئے گی جب وہی کاٹ لو

دیناج پور کے عام حالات :۔

اب کچھ وہاں کی سرزمین کی حالت بیان کرتا ہوں اس کے بعد فریدپور کی طرف آؤں گا۔ عورتوں کا لباس ناف سے گھٹنے تک ریشمی، سینہ کھلا ہوا، کمر بالوں سے ڈھکی ہوئی بہترین آنکھوں والی نہایت شوخ چشم، ان کے شب دراز بال، بناگوش کی سفیدی صبح کا مقابلہ نہ کرسکے، شیرخوار بچہ کو کام کے وقت ایک رسّی میں کمر سے باندھ لیتیں تمام بدن چھپانا کپڑا موجود ہونے کی صورت میں بھی پسند نہ کرتیں، یہاں ہم دور کے باشندے (مسافر) کی بے حد تعظیم کرتیں اور جو کچھ ان کے پاس

ہوتا اس کے سامنے لا رکھتیں۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیتا تو اس کی خوبی شمار کرتیں اور اگر صرف خورد نوش پر اکتفا کر لیتا تو اس کا بھی ان پر کوئی بار نہ تھا بلکہ زندگی بھر تک اس کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ رنگین ریشمی ساری دیناج پور کے ضلع کی دور دور مشہور ہیں اور بوریا بھی سیتل پاٹی کہلاتا ہے۔ شیر پکڑنے والے شیروں کے اتنے سر کلکٹر کے پاس لاتے تھے کہ گویا شیروں کا ریوڑ کا ریوڑ ان کے قبضہ میں ہے۔ شیروں کے مارنے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک باریک تاگا تیر کے پچھلے حصے میں باندھتے اور اگلے حصے میں گوشت کا ٹکڑا لگا دیتے اور اس جھاڑی کے قریب جہاں درندے کے پیروں کے نشان ہوں کمان میں لگا کر اس تاگے کے ذریعے ایسا کھینچ دیتے ہیں کہ ذرا سی حرکت سے تیر چھوٹ جائے۔ جب شیر گوشت کھینچے گا فوراً تیر سے زخمی ہو جائے گا لوگ اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد اس کا سر کاٹ لاتے ہیں۔





پورنیہ میں بیدری کا کام خراب نہیں ہوتا لیکن اصل اور نقل میں بہت بڑا فرق ہے نیزہ کا بانس بھی اچھا ملتا ہے غلیل چلانے والے بھی اس کو پسند کرتے ہیں اور دور دور تحفے میں لے جاتے ہیں۔

کوائف مالدہ

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں ایک دن میں آقا کے پاس تھا کہ نمل صاحب کا حکم صدر پہنچا کہ ان کی بجائے لیک صاحب آتا ہے اور وہ جلال پور کے ضلع میں فرید پور کی کچہری میں عدالت کے کام پر جائیں گے۔ ان ہی ایام میں لسٹر صاحب چھپرہ کے جج ہو گئے۔ یہاں پر جج اور کلکٹر آجانے کے بعد میرے آقا اور لسٹر صاحب نے سفر کی تیاری کی نئے جج کا نام ہاویل تھا میں پہلے مالدہ کو روانہ ہوا تاکہ وہاں کے لئے کشتیاں کرایہ کر لوں، گاڑیوں پر سامان لدوا دیا اور انگریز بازار میں جو مالدہ اور اس دریا کے بیچ میں ہے ایک جھونپڑے میں آٹھہرے وہیں پر چیپ صاحب

ابریشم کی سرکاری تجارت کا مہتمم رہتا تھا اور میرے آقا سے واقف تھا ہم روزانہ صاحبوں کا انتظار کرنے لگے آخر وہ آگئے اور کشتیوں کو پسند کیا۔ لسٹر صاحب کے ساتھ منشی غلام امام بھی استعفا دے کر آگیا میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا کیونکہ پہلی ہی ملاقات سے وہ اپنے آپ کو چھوٹے بھائی کے مرتبے میں کہتا تھا البتہ میرا آقا دو روز پہلے آگیا تھا لسٹر صاحب اور یہ دونوں چسٹر صاحب کے مکان پر ٹھیرے تین روز قیام کیا۔ دریا کی گہرائی وہاں پر کم تھی ایک روز ابریشم کا کام دیکھنے دریا پار مالدہ پہونچا۔

ریشم کے کام کو میری طبیعت نے پسند نہ کیا کیونکہ ریشم کے کیڑے جو کسی کو نہیں ستاتے نہایت بے دردی سے روزانہ بے انتہا مارے جاتے تھے صورت یہ ہوتی کہ ایک دیگچے میں پانی بھر کر چولھے پر رکھا جاتا اور نیچے آگ جلائی جاتی جب پانی گرم ہو جاتا تو اس کیڑے کے منہ کا ایک تار ہاتھ میں پکڑ کر اس کو گرم پانی میں ڈال دیا جاتا جب کیڑا اس تار کے ذریعہ ہاتھ پر آجاتا تو تار کو ہاتھ پر لپیٹ کر ہاتھ جھٹک دیا جاتا وہ بیچارا پھر منہ سے تار نکالتا ہوا اس کے ہاتھ تک آجاتا وہ سنگدل پھر ویسے ہی کرتا یہاں تک کہ اس کی جان ہی جاتی رہتی۔

برآید چو ابریشمش از دہن	کرم پیلہ را جاں رود بے سخن
بنا تا ہے منہ سے جو ریشم کو کیڑا	ہے وہ بلا سے ملے تم کو کپڑا
بود ایمن آنکس کہ دارد نہاں	ہنرہائے خود راز چشم کساں
وہی شخص دائم امن سے رہے گا	ہنر کو جو اپنے نہ ظاہر کرے گا
ببیں و بداں و بسنج و بکن	کہ کردار نیکو بہ است از سخن
سمجھ بوجھ کر کام اچھا کرو	کہ باتوں سے بہتر ہے کار نیکو

مالدہ وہ شہر ہے جہاں کا آم سب جگہ سے بہتر ہے اور وہ کپڑا جس کو مالدہی کہتے ہیں تانا اس کا ریشمی اور بانا روئی کے سوت کا ہوتا ہے تاجر لوگ دور دور لے جاتے ہیں کرم پیلہ کو شہتوت کے درخت پر پالتے ہیں وہ اس کے پتے چاٹتا رہتا ہے جب کوئی خریدار آتا ہے تو بیچ ڈالتے ہیں۔

بگفتند مردم کہ مردانِ راہ	بجوئید بہر خورش جز گیاہ
سُنا ہو مسافر نہ ہرگز تلاش!	بجز ساگ کرتا ہے تھوڑا سا آش
رہ رستگاری گرایں ست وبس	بجز گاؤ خر مردہ روغیت کس
اسی پر اگر بس کفایت رہے	دہیو کی ہرگز نہ حاجت رہے

دگر گفت برگ درختاں خورند	بگفتم نژاد کرم ہمیدا اند
درختوں کے پتے کسی نے کھلائے	کہا میں وہ ہی کرم پیدا کئے جائے
شکم را بدہ ہرچہ آید ز پیش	بیاد خدا تازہ کن جان خویش
بھرو پیٹ جب تم کو حاجت پڑے	بیاد خدا جان تازہ رہے

اس شہر میں پیشہ ور اور تاجر لوگ بہت ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ندی میں جس کو بنگالی زبان میں بگو دار کہتے ہیں طغیانی ہوئی اور گاؤں میں پانی پھیل گیا۔ وہاں دفینہ تھا جو لوگوں کو مل گیا اور گاؤں کو آباد کرکے مالدہ نام رکھدیا۔

الغرض ہم کشتی پر سوار ہوئے کوچ اور پڑاؤ میں بھگوان گولہ تک لسٹر صاحب نے مغرب کا راستہ لیا اور ہم نے مشرق کا۔ ایک دن زمین میں زلزلہ آیا۔ پانی بھی ہلا۔ ہم چلتے چلتے فرید پور پہونچ گئے۔

حالات فرید پور۔

فرید پور میں مارس صاحب رجسٹرار عدالت کا کام کرتا تھا اور سرمن برٹ اڈھاکہ کا سینیر جج اپیل سنتا تھا۔ اور ایجنٹ وہاں کا دورہ میں تھا اس کے ساتھ مولوی علی[1] نقی تھے جو قاضی ذکی الطبع خوش تقریر وتحریر، صاحب سلیقہ، نظم ونثر سے آشنا اور امور معیشت میں یکتا تھے اور حسنو میاں تھے جن کا نسب دیوان غلام رسول[2] تھا میدنی پور کے رہنے والے تھے فارسی زبان کے شاعر تھے دونوں شخص عدالتوں کے سررشتہ دار تھے، کفایت اللہ ناظر اور محمد آصف فیصلہ نویس تھے محمد آصف نہایت خوشخط شفیعا اور شکستہ بہت خوب لکھتے تھے منشی نثار اللہ کے داماد تھے جو بنگال میں خط شفیعا کے خوش نویس تھے اور بشارت کو توالی کا کام انجام دیتا تھا۔

وہاں (فرید پور) کی آبادی غالباً میل کے سولھویں حصہ سے زیادہ نہ ہوگی اس کے نیچے ایک ندی جو ڈھول سمندر کے نام سے مشہور تھی بہہ رہی تھی پانی اس کا خوش گوار اور ہلکا تھا اس سرزمین کے مکانات سب چیزوں کے تھے کچہری کی عمارت بھی ویسی ہی تھی صاحب رجسٹرار چند روز کے بعد دوسری جگہ چلے گئے اور وہاں پر مسٹر لنڈ صاحب کو لبرک صاحب کا اکلوتا (فرزند) پہونچ گیا، اور سررشتہ دار

---

[1] تواریخ ڈھاکہ ص۱۸۹   [2] تواریخ ڈھاکہ ص۱۹۶

بھی اس ڈر سے کہ لوگ نالش نہ کر دیں استعفا دے کر گھر کا راستہ لیا۔ کالی شنکر کے وکیل حسن الدین نے جو بوکل کا قائم البدل تھا سررشتہ دار کو بہت کچھ تسلی دی مگر کارگر نہ ہوئی

مسٹر لند صاحب کو سنسکرت کا بے حد شوق تھا ایک پنڈت بھی اس کے ساتھ تھا ایک دن مجھ سے فرمایا کہ مجھے اُردو زبان سیکھنے کی بے حد تمنا ہے لیکن نہ معلوم یہ آرزو کب پوری ہو کیونکہ مغربی ہندوستان (نواحِ دہلی) میں اپنا جانا معلوم نہیں ہوتا۔

میرے آقا نے پہلے پلٹن کے سپاہیوں کی زیادتی کا انتظام کیا کیونکہ پہلا جج سپاہیوں پر کی ہوئی نالش پر خود غور نہیں کرتا تھا بلکہ صوبیدار کو سپرد کر دیتا تھا کارٹن صاحب نے صوبیدار کو اجلاس میں بلا کر فرمایا کہ تین کاموں میں سے ایک پسند کر لو یا تو ایسا بندوبست کرو کہ سپاہی پر نالش کی نوبت ہم تک نہ پہونچے یا جواب دہی اپنے ذمہ کرو کہ سپاہی کے قصور کی بازپرس تم سے کی جائے یا سپاہی کو فیصلہ کے لئے ہمارے پاس بھیج دیا جائے اور اس کا خیال نہ کریں کہ ہر غریب عرضی کے کاغذ کی قیمت کہاں سے لائے گا۔ میں نے اسٹامپ فروش کو اجازت دے دی ہے کہ جو کوئی سپاہی پر استغاثہ دائر کرے اس کو کاغذ دے دیا جائے اور اس کاغذ کی قیمت میری تنخواہ سے محسوب کر لی جائے ایسے مستغیثوں کے لیئے چھ ماہ تک اسٹامپ کی معافی میں نے کورٹ کو لکھ دی ہے اگر ان تینوں میں کوئی تجویز بھی منظور نہ ہو تو اپنے افسر اجنٹن صاحب بہادر کو لکھیں اور ایک ہفتہ کے اندر جواب یہاں لائیں ورنہ یہ حکم جاری ہو جائے گا کہ سپاہی مجمع عام میں سزائے بدنی پائے گا۔ یہ حکم دے کر فرمایا کہ اب جاؤ چونکہ صوبیدار سمجھتا تھا کہ افسر باضابطہ منصف ہے لکھنا مناسب نہ سمجھا اور سپاہیوں کو تاکید کر دی کہ رعایا پر ظلم نہ کریں۔

امیر خاں والیِ ٹونک کا ایک واقعہ:-

اجنٹن صاحب سے اگرچہ بندہ کی ملاقات نہیں ہے لیکن اس کا حال خوب جانتا ہوں جس زمانہ میں[1] کورٹنڈن صاحب بہادر کپتان نظامت تھا صاحب ممدوح اجنٹن تھا ہلکر کے ہنگامہ میں

---

[1] ششنلہ مطابق سنہ جس وقت راؤ ہلکر کا فرخ آباد کے قریب فتح گڑھ میں انگریزوں سے مقابلہ ہوا انگریز فتح یاب ہوئے ہلکر سیدھا مجرتپور پہونچا راجہ رنجیت سنگھ والی مجرتپور نے ہلکر کی ہمت بندھائی اس کی مدد کے لئے ذیگ پر راجہ مجرتپور نے توپ خانہ اور لشکر بھیجا انگریزوں نے یورش کر (باقی اگلے صفحہ پر)۔

کپتان صاحب میرٹھ چلے گئے اور اجنٹن صاحب کو مُرادآباد چھوڑ گئے اچانک ہرکارہ نے خبر دی کہ کہ امیر خاں[1] کا گانگن[2] کی طرف رُخ ہے لسٹر صاحب میرے صاحب اور بلبین صاحب (لسٹر صاحب کا بھانجہ) سوار ہو کر گانگن کی جانب چل دیئے۔ سواروں کا جمعدار نجف علی، اجنٹن صاحب کا رہتی کچھ آگے جا کر واپس آیا اور کہا کہ امیر خاں کے سوار قریب آگئے ہیں[3] دونوں صاحب کہنے لگے کہ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ڈیگ کے قلعہ پر حملہ کر دیا اس خبر کو سن کر امیر خاں سب اپنے سواروں کو لے کر ہلکر سے آملے انگریزوں نے بڑی سختی سے محاصرہ جاری رکھا ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ نواب امیر خاں انگریزوں کے علاقہ میں جا کر گڑبڑ کریں تاکہ انگریز پریشان ہو کر محاصرہ اٹھا لیں۔ اخبار الصنادید جلد اول

[1] امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ والی ٹونک قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد میں ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء میں ایک معمولی سپاہی محمد حیات خاں کے گھر میں پیدا ہوئے محمد حیات خاں کے والد کا نام طالع یار خاں تھا طالع یار خاں نواب علی محمد خاں والی روہیلکھنڈ کے لشکر میں سپاہی تھے طالع یار خاں کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا محمد حیات خاں اپنے باپ طالع یار خاں کے انتقال کے وقت خورد سال تھے نواب دوندے خاں نے ان کی پرورش کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا سنبھل کے محلہ سرائے ترین میں رہتے تھے نواب امیر خاں کی سنبھل ہی میں پیدائش ہوئی ماں باپ کی مفلسی کی وجہ سے تعلیم و تربیت خاطر خواہ نہ ہو سکی جب نواب امیر خاں کی عمر ۲۰ سال کی ہوئی تو تلاش روزگار میں نکلے، اپنی بہادری، دلاوری، تہوری اور شجاعت کا دنیا پر سکہ جما دیا اور ریاست ٹونک کے مالک ہوئے سترہ سال تک ٹونک میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ایک رحم دل، خدا ترس، علم دوست اور جوادو سخی حکمراں کی حیثیت سے حکومت کی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں وفات پائی۔

نواب امیر خاں از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
مطبوعہ یونائیٹیڈ انڈیا پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء

DISTRICT GAZETEER OF THE UNITED PROVINCES VOL. XVI P. 159

[2] گانگن ندی مرادآباد سے مغرب کی طرف قلعہ کے نیچے بہتی ہے۔

[3] نواب امیر خاں بجرتپور سے جریدہ سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مہابن کے گھاٹ سے تحصیل وصول کرتے ہوئے گوکل آئے وہاں سے کوٹھ گئے کوٹھ سے سرسی، جلال پور اور وہاں سے پھپھیت گڑھ اور پھپھیت گڑھ سے قمرالدین نگر پہونچے گنگا کا پایاب گھاٹ نہ پا کر ادھر ادھر پھرتے رہے پھر گنگا کو عبور کر کے موضع دھنورہ میں خیمہ کیا وہاں سے ۱۵؍ فروری ۱۸۰۵ء کو امروہہ ہوتے ہوئے ۱۶؍ فروری ۱۸۰۵ء کو مرادآباد پہونچے۔

نواب امیر خاں ص ۳۹

DISTRICT GAZETTEER OF THE UNITED PROVINCES VOL. XVI P 160

ہندوستانی آدمیوں پر وہم غالب ہے جنگل کے درختوں کو سوار سمجھ لیتے ہیں۔ وہ (میر نجف علی) اپنے دس بارہ سواروں کو لے کر گھوڑوں کو تیز دوڑاتا ہوا قزاولی طریقہ سے آگے بڑھ گیا اور بندوقیں چلادیں۔ بندوقوں کا چلنا تھا کہ ٹڈی دل سپاہیوں کی جمعیت ظاہر ہوئی اجنٹن بہادر نظامت کے سپاہیوں کی دو کمپنیاں لاکر مقابل ہوگیا اور توپ چلی (اتفاقاً) توپ ٹوٹ گئی لسٹر صاحب نے اپنے بھانجے کو لے کر گھر کا راستہ لیا[۵۱]۔ اور امیر خانی سوار حملہ آور ہوگئے اجنٹن بہادر نے نہایت استقلال سے بیکار توپ کو کھینچتے ہوئے اور مخالف کو ہٹاتے ہوئے اپنی جمعیت کو لسٹر صاحب کے احاطہ مکان تک پہونچادیا اور ریٹ صاحب جج مع اہل و عیال کے مال و اسباب کو چھوڑ کر احاطہ کے اندر آگئے اور عدالت کے عملے کے لوگ جو مرادآباد کے باشندے نہ تھے وہ بھی اسی احاطے میں آگئے اس احاطہ میں نہ کوئی برج تھا نہ کوئی محفوظ مقام نہ ایسی خندق کہ اس قدر فوج سے پناہ مل سکتی۔ ہاں ہمہ کوئی ایک توپ کھلونا تھا بھی نہ تھی نہ باروت گولہ۔ اس پر طرفہ یہ کہ احاطے کی دیوار کے نیچے درختوں کا جھنگٹ بھی تھا تین روز تک گھرے پڑے رہے محض اجنٹن بہادر کے استقلال اور حسن تدبیر سے سب کے سب آفت سے محفوظ رہے۔ جب کبھی سوار نعرے لگاکر حملہ کرتے تھے تو سب (محصورین) کے چہرے فق پڑ جاتے تھے مگر اجنٹن نہایت خندہ پیشانی سے سپاہیوں کی تسلی فرماتے رہتے تھے[۵۲]۔ نہ معلوم اس تفصیل کے ساتھ ان کی یہ کیفیت کونسل پہونچی یا نہیں یا افسرانِ

[۵۱] انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا جو مقابلہ کی تاب نہ لاکر فرار ہوگئی نواب نے قید خانہ توڑ کر اور قیدیوں کو زادِ راہ دے کر ان کے گھروں کو رخصت کر دیا رعایا کو ذرہ برابر تکلیف نہیں پہونچنے دی نواب امیر خاں نے مرادآباد کو قطعاً نہیں لوٹا البتہ سرکاری بنگلے جلا دئے گئے (اخبار الصنادید جلد اول ص ۳۷۳)

DISTRICT GAZETTEER OF THE UNITED PROVINCES (XVI) P. 160

[۵۲] اسی اثناء میں نواب امیر خاں کے ہرکارے جنرل اسکاٹ کے ہرکاروں کو گرفتار کر کے لائے ان کے پاس سے چٹھی نکلی جس سے معلوم ہوا کہ دوپہر تک بہت بڑی انگریزی فوج آجائیگی نواب کو چونکہ جم کر مقابلہ کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انگریزوں کو پریشان کرنا مدنظر تھا لہذا اگلے دن صبح کو وہاں سے کوچ کر کے ٹانڈہ کے راستے کاشی پور پہونچے اور کمایوں کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے انگریزی فوج نواب کے تعاقب میں روانہ ہوئی لیکن نواب امیر خاں کی فوج کی برق رفتاری کے مقابلہ میں انگریزوں کی فوج قطعی مفلوج ہو کر رہ گئی۔

نواب امیر خاں ص ۳۹، ۴۰

اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۵

نظامت کے لیئے ایک دم ترقی کا دستور نہ ہوگا کیونکہ وہ برسوں اس عہدے پر رہے۔

رجوع بہ حالات فرید پور:-

اب ہم پھر اپنے قصے کی طرف آتے ہیں۔ وہاں (فرید پور) پر یہ قانون جاری ہونے والا تھا کہ زمیندار کے سپاہی عدالتی احکام تھانے پہونچایا کریں۔ زمینداروں نے عذر کیا میرے آقا نے اعلان کرایا کہ دس روز کے اندر اپنا عذر ڈھاکہ کورٹ میں پیش کریں اس قانون کے التوا کا حکم ہم تک پہونچائیں ورنہ گیارھویں روز عدالت کا پیادہ تمہارے سامنے لفافہ ڈال کر چلا آئے گا اور اگر تم نہ پہنچاؤ گے تو قانونی دفعات کے بموجب جواب دہی کرنی ہوگی۔ گیارھویں دن ایسا ہی کیا اور قانون جاری ہوگیا۔

فرید پور اور حاجی گنج کے راستہ میں آدمی گم ہو جاتے تھے اور کہیں ان کا سراغ نہیں ملتا تھا حکم دیا کہ یا تو زمیندار جنگل کاٹ کر میدان صاف کریں ورنہ سرکار کٹوائے گی اس صورت میں زمیندار زراعت کے لئے دعویدار نہ رہے گا۔ یا حفاظت اپنے ذمہ لے لیں چنانچہ ان ہی ایام میں یہ آفت کم ہوگئی بلکہ جب تک میں رہا پھر کبھی نہیں سُنا۔

صاحب نے اپنی ایک تجویز کورٹ کے ذریعہ صدر لکھ بھیجی کہ سررشتہ دار اور ناظر دو جُدا گانہ محکمے ہونے چاہئیں یک جا ہونا اچھا نہیں اور فوجداری کی سررشتہ داری بندہ کے لئے[1] تجویز کی اور دیوانی ایک دوسرے کے لئے شاید کلکتہ سے وہ صاحب کا نیازمند تھا لیکن لکھنے پڑھنے سے عاری تھا۔

وُرودِ ڈھاکہ :-

یہ ناچیز براہ نادانی یا غرورِ جوانی یا رزّاقِ مطلق کی روزی رسانی پر اعتماد کرکے بلا اجازت وہاں سے بھاگ کر ڈھاکہ پہونچا۔ وجہ یہ کہ میں نے دس روپے سے تین سو روپے تک کی ملازمت کی ہے مگر جہاں بھی رہا ہوں مجھ سے زیادہ تنخواہ اور عزت میں دوسرا نہیں رہا۔

بدل گفتم آں روز ہرگز مباد | پئے نان دہم شیوہ خود بباد
خدایا کوئی روز ایسا نہ ہو | کہ روٹی کے پیچھے بگڑ جائے خو

---

[1] مولوی عبدالقادر مرحوم روزنامچہ کو فوجداری کی سررشتہ داری پسند نہ آئی بنا ڈھاکہ چلے آئے۔

جس دن میں فرید پور سے چلا تو پانچ روپیہ کے علاوہ میرے پاس کچھ نقد نہ تھا اور جو کچھ سامان تھا اسے اس کور دیہہ میں کون خریدتا۔

ڈھاکہ میں کسی سے واقفیت نہ تھی صرف اسی خیال سے کہ بڑا شہر ہے شاید کوئی صورت نکل آئے کشتی والوں کو تین روپئے کرایہ کے دے کر ڈھاکہ چل دیا۔ تین روز میں شہر کی عمارتیں نظر آئیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہاں نہ کوئی مہمان سرائے ہے نہ مسافر خانہ! اسی فکر میں تھا کہ ناگاہ ایک شخص آیا اور دریا کنارے میرا نام لے کر پوچھا کہ وہ[1] کونسی کشتی میں ہے؟ ملاح نے کہا یہ ہے وہ میرے پاس آگیا میں نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے اور کون ہو؟ اس نے جواب دیا میرا نام شفیع ہے اور نواب نصرت جنگ کے پیشکار سید محمد حسین[2] خاں کا بھیجا ہوا آیا ہوں پالکی اور سامان لے جانے والے مزدور ساتھ ہیں (سید محمد حسین خاں) نے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ اگر ایک دو روز یہاں ٹھیریں تو میرے اوپر احسان ہو گا میں نے پوچھا وہ مجھے کیا جانیں کہا آغا میر فرزند خاں صاحب وہاں (فرید پور) سے آکر ذکر خیر کرتے تھے اس بنا پر وہ مشتاق ہو گئے۔

بالآخر میں سید محمد حسین خاں کے مکان پر پہونچ گیا وہ حویلی میں تھے ان کا لڑکا محمد میر مجھ کو اپنے ساتھ لے گیا اور ایسی جگہ پہنچایا جہاں ضروریات کی ہر شے مہیا تھی اور پوچھا کہ کچھ ناشتہ لاؤں؟ میں نے کہا کہ احسان آباد کے مقام پر ناشتہ کر چکا ہوں۔

جناب خان صاحب (محمد حسین خاں) جب تشریف لائے تو انہوں نے ایسی شفقت فرمائی کہ والد بزرگوار کے علاوہ کسی اور سے نہیں دیکھی تین روز تک ان کا مہمان رہا اس عرصہ میں شہر کے تمام عزیزوں کو وہ خواہ مخواہ میرے پاس لائے جو بھی آتا تھا یہی کہتا تھا کہ کل میرے یہاں نمک روٹی پر قناعت کرو۔ نواب نصرت جنگ[3] نے بھی چوبدار بھیجکر یاد فرمایا اور بے حد نوازشیں فرمائیں رخصت کے وقت عطر اور پان عنایت ہوا اور خوان بھیجا۔ یہی صورت نواب شمس الدولہ[4]

---

[1] مراد مولوی عبدالقادر مولف روزنامچہ ہے

[2] سید محمد حسین خاں کے حالات صفحہ ۱۳۵ پر ملاحظہ ہوں

[3] نواب نصرت جنگ المتوفی ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء کے حالات صفحہ ۱۳۳ پر ملاحظہ ہوں

[4] نواب شمس الدولہ بہادر المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء کے حالات صفحہ ۱۳۳ پر ملاحظہ ہوں

بہادر کے یہاں ہوئی ایک مہینہ اسی طریقہ پر گزر گیا اس کے بعد روزانہ ایک چیز کوئی برتن یا کپڑا اپنے ملازم کو دیتا کہ دوستوں سے پوشیدہ فروخت کرکے کچھ کھانے کا بندوبست کرے آخر یہ صورت بھی نہ رہی اس دن مجھے فکر ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیئے اور دو شعر موزوں ہو گئے۔

از خلق نکو باش کہ تسخیر ہمیں ست	برباد مدہ خاک خود کہ اکسیر ہمیں ست
دُنیا سے بھلائی کرو تسخیر یہی ہے	برباد نہ کر جان کو اکسیر یہی ہے
ہر عقدہ کہ از ناخن کوشش نکشاید	بگذار بتقدیر کہ تدبیر ہمیں ست
جو عقدہ ترے حال سے ہو جائے نہ حل	تقدیر پہ چھوڑ اس کو کہ تدبیر یہی ہے

تائیدِ غیبی :-

میں ان اشعار سے اپنی خاطر پریشان کو تسلّی دے رہا تھا کہ ایک عورت دروازے میں داخل ہوئی اور میرا نام لے کر پوچھا کہ وہ (مولوی عبدالقادر) کہاں ہے ؟ ساتھیوں نے پتہ بتا دیا وہ میرے پاس آگئی اور کہنے لگی کہ میں مراد آباد کی رہنے والی ہوں میرا لڑکا امانت جس کے متعلق دو کلماتِ خیر صوبے دار سے آپ نے فرما دیئے تھے حولدار ہو گیا ہے مجھے اپنی باندی اور لڑکے کو باندی زادہ سمجھئے اور یہاں کس اُمید پہ پڑے ہو؟ میں نے کہا وطن کا ارادہ ہے مگر سامان کی فکر ہے اپنا زیور اُتارا اور کہا یہ دو سو روپے کا مال ہے لیجئے اور سفر کی تدبیر کیجئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ سب پروردگار کی کارسازی ہے۔ دل کو قوی کرکے میں نے اسے جواب دیا کہ اگر ضرورت پڑی تو لے لوں گا اس وقت اپنے ہی پاس رکھو اور رنجیدہ خاطر نہ ہو کیونکہ میں خود جان بوجھ کر یہ تمہارے سپرد کرتا ہوں، کہنے لگی میری دعوت قبول کیجئے شام کو خشک روٹی لاؤں گی۔ میں نے منظور کر لی۔

جب وہ عورت چلی گئی تو ہرکارہ نے کارنی صاحب کا خط لا کر میرے ہاتھ میں دیا میں نے لفافہ کھولا، اس میں ایک پرچہ دستخطی اور انگریزی خط میری نظر پڑا۔ مضمون یہ تھا کہ

"میرا خط تین سو چھتیس روپے کی رسید کے ساتھ ایجنٹ صاحب کے پاس بھیجکر روپیہ وصول کر لیں اور اگر زادِ راہ کافی نہ ہو تو وہیں توقف کرکے مجھے لکھیں حسبِ طلب روپیہ وہیں پہنچ جائیگا اگرچہ نظر سے دور ہو دل سے دور نہیں۔ میں نے روپیہ وصول کرکے رسید مع عرضی کے ایجنٹ صاحب کے پاس بھیجدی کہ آقا کے پاس پہونچا دیں شام کے وقت اس عورت نے کھانا بھیجا۔ کھایا اور اس

رات آرام سے سویا۔

نواب شمس الدولہ بہادر کی عنایت :۔

صبح کو کشتی کرایہ کرنے کے لیے اپنا ملازم بھیجا جناب خان صاحب (محمد حسین خاں) نے سنتے ہی نواب شمس الدولہ کو خبر کردی۔ نواب صاحب نے میاں ننکو کو میرے پاس بھیجا یہ میاں ننکو نواب صاحب کی کلکتہ میں نظر بندی[۵۱] کے زمانے میں حسن خدمت کی بنا پر آج نواب صاحب کے جز و کل کا مختار ہے اور نواب صاحب کی خاطر سے سرکار انگریزی سے بھی مرزا محمد علی خاں بہادر کا خطاب ملا ہوا ہے[۵۲]۔ مختار نے یہ پیام دیا کہ دو مہینے صبر کرو اس عرصہ میں کوئی معقول صورت تجویز کردی جائے گی میں نے کہا کہ اندازاً کچھ تم تو کہو کہنے لگا کہ ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوں گے۔ میں نے کہا کہ آج ہی سے اسی روپئے لکھدیں اور دو مہینے تک کی بے تنخواہ دیئے رسید مجھ سے لے لیں تیسرے مہینے اسی روپئے مجھے دے دیں اگر اس سے زیادہ عنایت ہو تو نوازش ہے اس نے کہا کہ شاید یہ تدبیر مناسب نہیں ہے میں نے کہا کہ پھر اُس وقت میں کیا کروں گا جب میرا زادِ راہ یہیں خرچ ہو جائے گا بھیک مانگنا مجھے آتا نہیں یہی بہتر ہے کہ مجھے رخصت فرمائیں۔

مختار (میاں ننکو) نواب کے پاس چلا گیا اور جناب نواب میر اشرف علی[۵۳] صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ نواب شمس الدولہ نے تمہاری تنخواہ میرے ذمہ کردی ہے ستر روپئے ہر مہینے، باورچی خانہ کا خرچ

---

[۵۱] نواب شمس الدولہ کی نظربندی کا واقعہ صفحہ ۱۳۰ پر ملاحظہ ہو۔

[۵۲] "مرزا محمد علی عرف ننکو میاں سابق سے ان (نواب شمس الدولہ) کی سرکار کا داروغہ تھا اور جس وقت گرفتار ہو کر کلکتہ گئے تھے یہ شخص ہمیشہ ان کے ساتھ رہا نواب شمس الدولہ انواع حسن خدمات اور جاں نثاری کے سبب سے اس کو نہایت معتمد اور خیرخواہ جانتے تھے اپنی سرکار کا مدار المہام مقرر کیا اس وقت سب چیزوں کی ارزانی تھی اور گھر کا سامان پورا تھا مرزا محمد علی اسی مبلغ قلیل سے بحسن تدبیر کل اخراجات سرکار کے انجام دیتا تھا اور سارے لواحقین کی تنخواہ دیتا تھا تاریخ نصرت جنگی میں لکھا ہے کہ کارنمائیوں سے نواب شمس الدولہ کے یہی ایک کام ہوا کہ مرزا محمد علی کی نمک حلالی اور حسن تدبیرات کی تعریفیں نواب گورنر جنرل اور اہالیانِ کونسل کے یہاں لکھکر اس کی عزت افزائی فرمائی اور حسب استدعا ان کے سرکار کمپنی سے خطاب خان بہادر مع خلعت مرزا محمد علی کو ملا"

تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲

[۵۳] میر اشرف علی کے حالات صفحہ ۱۳۶ پر ملاحظہ ہوں۔

اور خدمت گاروں کی تنخواہ تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ جاڑے اور گرمیوں کے کپڑے میرے لباس میں مصارف میں شامل ہیں سواری بھی میری طرف سے متعین ہو جائے گی میں نے عرض کیا کہ نواب صاحب کے تذکرہ کی ضرورت نہیں جناب میرے مربی اور بجائے چچا کے ہیں مجھے اپنے مہربان کی نوکری سے کیا عار ہے لیکن کوئی کام فرمایئے جس کو میں انجام دوں، فرمایا کہ میں تم کو واجب الاحترام قوت بازو اور لوگوں کی نظروں میں باعث فخر سمجھتا ہوں یہی کام ہے کہ کچھ عرصہ تک یہاں رہو اور اپنے سفر کرنے کے تذکرہ سے میرا دل نہ ستاؤ۔ جب جی چاہے کہیں دیکھ لوں اور جو کچھ دل میں آئے دریافت کر لوں میں نے بہت اچھا کہہ کر منظور کر لیا۔

حالات کارٹن صاحب

اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کارٹن صاحب کے کچھ حالات بھی لکھ دوں کیونکہ انگریزی سرکار میں سب سے پہلے میں ان ہی کا دست گرفتہ ہوں وہ شخص نہایت عقل مند کم گو، پاک دل اور خوش مزاج ہے فارسی اور بنگلہ کے لکھنے اور پڑھنے میں دوسرے کا محتاج نہیں، چشم مروت بہت رکھتا ہے شکایت کسی کے سامنے زبان پر نہیں لاتا جس مجرم کو سزا کا حکم دیتا ہے اس سے آنکھ نہیں ملاتا۔ ادنی ملازم سے بھی سخت کلامی نہیں کرتا، ہنر پسند ہے کسی کی عیب جوئی نہیں کرتا، ہندوستانیوں سے میل جول کم رکھتا ہے ہاں جس کو اس قابل سمجھے زبان اردو، بنگلہ اور فارسی خوب سمجھتا ہے اگرچہ بول نہیں سکتا جس شخص کو اپنی دانست کے مطابق نہ پاوے پھر اس کی صورت نہیں دیکھتا اس پرانے غلام کی بھلائی سے خوش ہوتا ہے اور پریشانی سے رنجیدہ لیکن چونکہ اس کے دامن دولت کو میں نے خود ہی چھوڑا ہے نوکری کا تذکرہ جب تک میری طرف سے نہ ہو گا وہ زبان پر نہ لائے گا۔ توقیعات کسری یا رقعات عالمگیری کے طرز پر مختصر اور مفید تحریر کو پسند کرتا ہے اس کی فرمائش سے ایسے بہت سے فقرے میں نے لکھ کر دیے ہیں۔

قیام ڈھاکہ

اب میں پھر ڈھاکہ کے قیام کا تذکرہ کرتا ہوں جس آرام سے میں وہاں رہا اب تک کسی دوسری جگہ

---

[1] مولوی عبدالقادر مولف روزنامچہ مراد ہیں۔

وہ آرام مجھے نہیں ملا۔ میرا کام صرف دید باز دید (ملاقاتیں) تھا اور لکھنے پڑھنے کا مشغلہ۔ حضرات ذیل کتابیں پڑھتے تھے۔ میر محمد صالح فرزند میر محمد علی فاضل۔ محمد میر فرزند جناب سید محمد حسین خاں منشی عبدالعلیم معلم، اشہد علی فرزند میر حیدر بخش طبیب[۵]، میر ذوالفقار علی فرزند حکیم عبدالشافی خاں، اور مندرجہ ذیل بزرگ وار مناظرہ اور تحقیق کے ذریعہ فائدہ پہنچاتے تھے۔

منشی ریاض الدین وکیل اپیل جو بعد کو مفتی دورہ ہو گئے تھے اور اب کسی ضلع میں مولوی ہیں اور اس کام کے لئے موزوں ہیں۔

میر غلام علی۔ فرزند میر ولی سندیلہ کے رہنے والے نواح لکھنؤ کے مدارس میں فنون درسیہ کے عالم تھے۔

مرزا محمد میر۔ جناب خان صاحب (محمد حسین خاں) کے ولی عہد سے فارسی نظم و نثر اور محاورات اردو کا تذکرہ رہتا تھا۔

میر سید علی مہدی خاں اسی طرح جناب میر صاحب (میر اشرف علی) کے صاحبزادے میر سید علی مہدی میر سید علی حسن خاں خاں عرف میر حیدر جان اور میر سید علی حسن خاں عرف میر حسن خاں اکثر شام کے وقت ہاتھی پر سوار ہو کر بندہ کی قیام گاہ پر قدم رنجہ فرماتے تھوڑی دیر بیٹھتے اور مجھ کو ساتھ لے جاتے اور دن چھپے تک دولت خانہ پر پہونچ جاتے۔ ہر قسم کے کلمات کی تحقیق کرتے اور وہاں پر میر صاحب کی خدمت میں بھی ایسی ہی گفتگو ہوتی رہتی تھی[۶]۔

خواجہ خلیل اللہ بھی اکثر آتے رہتے تھے اور جو چاہتے دریافت کرتے رہتے تھے۔

جناب مولوی عبدالحلیم جناب مرزا محمد باقر طباطبائی، جناب مرزا جعفر فرزند حاجی کریم، آغا محمد واعظ آغا ہادی نوسنری، آغا محمد کاظم آذر بائیجانی، میرزین العابدین شیرازی، میرزین العابدین کتاب خواں

۵؎ حکیم حیدر بخش اپنے دور کے نامور حکیم تھے مشہور زمیندار شیخ غلام علی کی صاحبزادی سے عقد ہوا تھا نواب شمس الدولہ کی سرکار میں حکیم مقرر تھے۔ تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۹۶

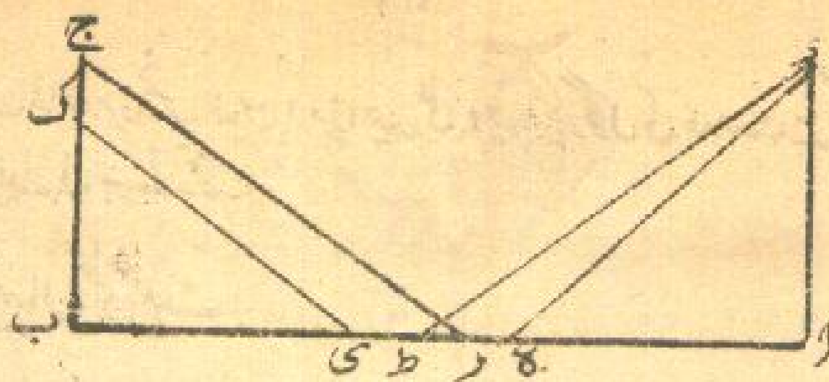
۶؎ میر اشرف علی کے صاحبزادوں کو خاں بہادری کا خطاب عطا ہوا تھا سید علی حسن خاں دریا میں ڈوب کر مرگئے سید علی مہدی خاں کے دو بیٹے سید امیر الدین حیدر اور سید اسد الدین حیدر تھے سید اسد الدین حیدر کے دو بیٹے سید محمود اور سید محمد تھے سید محمود فارسی کے بڑے ادیب اور نامور شاعر تھے اور نواب سید محمد ڈپٹی کلکٹر تھے سرکاری ملازمت میں نہایت نیک نام رہے۔ تاریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۸۷، ۱۸۸

مرزا ماتور بیگ شاعر، مرزا شمس الدین، مرزا حیدر علی وغیرہ بزرگوں کی خدمت میں کبھی میں حاضر ہوتا تھا اور کبھی وہ تشریف فرما ہوتے تھے۔

نواب شمس الدولہ کے یہاں علمی صحبت:۔

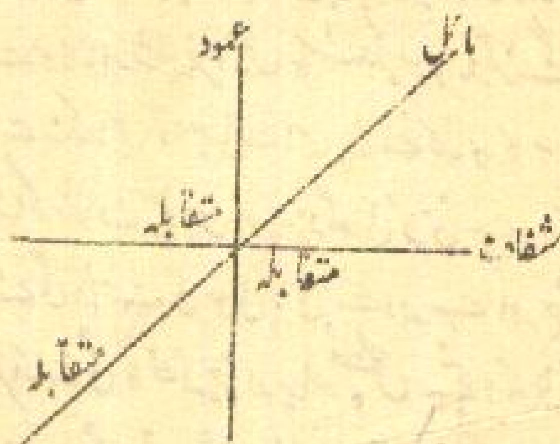
ایک مرتبہ مولوی نور الزماں کی خدمت سے بھی فیضیاب ہوا ہوں جو فاضل، قانع اور پرہیزگار تھے اگرچہ طبیعت روشن، لطافت تقریر اور طرز دلجوئی نہ رکھتے تھے لیکن آدمی نیک تھے پہلی ملاقات میں خود ہی علمی گفتگو شروع کی اور خود ہی رنجیدہ ہوگئے، بندہ پھر ان کی فیض صحبت سے محروم رہا۔ مگر ایک دن نواب صاحب (نواب نصرت جنگ) کی محفل میں نواب شمس الدولہ بہادر نے شیخ بہاؤالدین کا کشکول ہاتھ میں لیے ہوئے بندہ سے فرمایا کہ شیخ نے اس کتاب میں درخت کے پانی میں اُلٹے عکس کی وجہ انفاقی روبہ لکھی ہے اس کا مطلب کیا ہے بیان کرو۔ میں براہ ادب (از راہ تمسخر) مولوی پر سبقت کرنی مناسب نہ سمجھا عرض کیا کہ حضرت مولانا ارشاد فرمائیں یہ سنکر مولانا بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ کتب درسیہ کی تعلیم پر قادر ہونے کا نام علم ہے نہ کہ اس واہیات میں پڑنے کا۔ یہ کام تمہارا ہی ہے مجبوراً جیسا کچھ کہ میری سمجھ میں آیا میں نے کہا کہ شفاف سطح میں، جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ سطح سے جس قدر دور ہوگی اتنی ہی عکس کی گہرائی میں نظر آئے گی درخت کی چوٹی پانی سے دور ہے اور جڑ قریب ہے لہذا بہ نسبت جڑ کے چوٹی زیادہ گہرائی میں نظر آئے گی لامحالہ جڑ اوپر اور پھنگل نیچے دکھائی دے گی بہت ممکن ہے کہ کشکول "بمقدار بعد از نظر فرو رفتہ دیدہ می شود" میں لفظ "[illegible]" کاتب کی بھول ہو۔

جناب مولانا نور الزماں باوجودیکہ اس فن سے مطلق مناسبت نہیں رکھتے تھے لیکن کچھ لغویات سی کہنے لگے میں نے ان کی اس تقریر میں نجات دیکھی نواب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میرا ذہن ان کلمات طیبات کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ نواب صاحب نے پھر بندہ سے فرمایا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے میں نے عرض کیا ہے۔ فرمایا کیا؟ میں نے کہا کہ فن مرایا و مناظر کے مسلمات میں سے ہے کہ شعاع کا زاویہ انعکاس کے زاویہ کے برابر ہوتا ہے، اب خط اب کو پانی کی سطح تصور کریں اور ب ج کو درخت کی لمبائی اور ا د دیکھنے والے کا قد اور ر ح زاویہ شعاع اور ب ر ج زاویہ انعکاس بجانب سر درخت، او زاویہ ا ر د شعاع اور زاویہ انعکاس ب ی ک شکل یہ ہے:۔

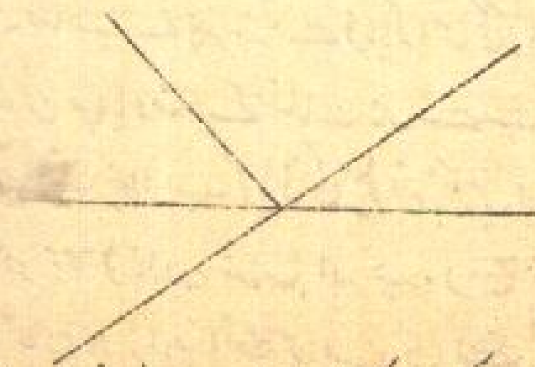


ظاہر ہے کہ خط ز ج، ط ی ک سے بڑا ہے پس ک سطح آب میں جو اب ہے ج سے قریب دکھائی دے گا لا محالہ ک اوپر نظر آئے گا اور ج نیچے اور ب اوپر دکھائی دے گا اور ک اس کے نیچے۔

نواب صاحب نے اس کو بے حد پسند فرمایا لیکن یہ کہا کہ زاویہ شعاع اور زاویہ انعکاس میں مساوات کا سبب کیا ہے۔ میں نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ اگر جسم شفاف ہے تو شعاع باہر چلی جائے گی خواہ سطح جسم پر عمود ہو یا نہ ہو بہر کیف زاویہ متقابلہ پیدا ہو جائے گا یہی ہندسہ متساویہ کی دلیل ہے شکل یہ ہے:۔



اور جب شفاف کی پشت پر کثیف جسم رکھ دیں کہ شعاع کے نفوذ کو منع کرے تو وہ شعاع واپس ہو کر دوسری چیز پر پڑے گی اسی کا نام انعکاس ہے پس مساوی زاویہ وہی زاویہ متقابلہ رہے گا شکل یہ ہے:۔

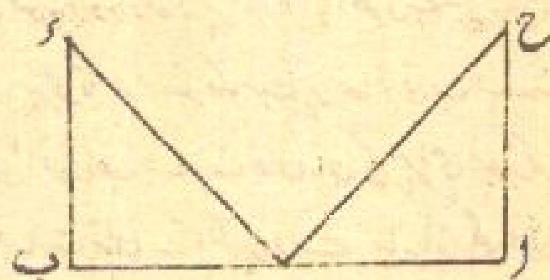


اور اس طرح بھی تصور کر سکتے ہیں کہ جسم شفاف پر شعاعی خط عمودی ہے جیسے



اب خط ب ح رخط،

اس صورت میں ا ح کی مقدار سے ح ب کی مقدار کے برابر ہے کیونکہ دونوں زاویے قائمہ ہیں اور جو قائمے دو خطوط مستقیم سے پیدا ہوں وہ آپس میں برابر ہوتے ہیں اسی طرح دو گول خط نیز ایک مستقیم اور ایک گول خط سے ہر طرح کے قائمے افراد آپس میں مساوی ہوں گے یا مائل ہے تو جس قدر خط شعاعی میلان کرے گا لامحالہ اسی قدر خط انعکاسی بھی میلان کرے گا کیونکہ اگر دو شخص آپس میں ایک دوسرے کا چہرہ آئینوں میں دیکھیں تو ایک کا خط شعاعی ہوگا دوسرے کا انعکاسی۔



اکابرینِ ڈھاکہ:- اب کچھ حالات اعیانِ شہر کے بیان کرتا ہوں:-

نواب سید علی خاں بہادر

ان کے بزرگ قزوین کے باشندے، سادات اور اہل علم تھے۔ انقلاب زمانہ سے نجف اشرف اور کربلا معلے آ گئے فرقہ امامیہ کے پیشوا میر سید علی ان کے چچا تھے اور والد بزرگوار سید مرتضیٰ سرزمین بنگالہ کے شہر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں وارد ہوئے۔ نواب جسارت خاں[1] نے جو اس وقت حاکم شہر تھے ان کی

---

[1] علی وردی خاں مہابت جنگ نے حسین الدین خاں نائب صوبہ دار ڈھاکہ کے قتل ہونے کے بعد نواب جسارت خاں کو ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۵ء میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

تشریف آوری کو غنیمت سمجھ کر اپنی لڑکی ان کے نکاح میں دے دی اس خاتون سے تین لڑکے پیدا ہوئے اور ماں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے وطن آخرت کو سدھاریں اور سید مرتضٰے نے بھی ملک جاودانی کی راہ لی اس وقت نواب کو بھی لڑکی کے صدمے نے اس خاکدان عالم سے سرائے جاودانی میں پہنچا دیا۔

نواب حشمت جنگ :-

(سید مرتضٰی کا) بڑا لڑکا سید امجد (نواب جسارت کا نواسہ) کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نواب (جسارت خاں) کی جانشینی کا مستحق نہ تھا مسند پر بیٹھا حشمت جنگ بہادر کا خطاب ہوا[۱] جب وہ بھی اپنی والدہ اور بزرگوں کے پاس جا پہنچا اور پیچھے اسکے کوئی لڑکا نہ تھا اسکا مجھلا بھائی اسکے بجائے مسند نشین ہوا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) عہدۂ نیابت صوبہ داری ڈھاکہ پر مقرر فرمایا انھوں نے بیس سال تک نوابی کی میر محمد جعفر خاں کے وقت میں بھی ان کی نوابی قائم رہی جس وقت میر محمد قاسم مسند حکومت پر بیٹھا تو نواب جسارت خاں کو ڈھاکہ سے بلوا کر اپنی رفاقت میں رکھا جب میر قاسم نے بنگال چھوڑا تو نواب جسارت خاں ان کی ہمراہی چھوڑ کر پٹنہ چلے گئے نواب سراج الدولہ اور نواب میر قاسم کے مقابلہ میں نواب جسارت خاں نے انگریزوں سے سازباز رکھی اور انگریزوں کی فلاح و بہبودی کو ہمیشہ مد نظر رکھا انگریزوں نے جسارت خاں کی خدمات کے صلہ میں ان کو پھر ڈھاکہ کی نیابت پر مقرر کر دیا اور وہ سات سال تک اس عہدہ پر قائم رہے جب سررشتہ نظامت بنگال انگریزوں کے ہاتھ آیا تو نواب جسارت کی پانچ ہزار روپیہ پنشن مقرر ہوئی ۱۷۷۸ء میں نواب جسارت خاں نے انتقال کیا۔ تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۹۳، ۱۵۶، ۱۵۷۔

DANI, AHMAD HUSAIN, DACCA PP-51, 53 (THE SAOGAT PRESS DACCA 1956)

BIRT, F.B BRADLEY, THE ROMANCE OF AN EASTERN CAPITAL PP-203, 220 LONDON, 1906

TAIFOOR, SYED MOHAMMAD, GLIMPSES OF OLD DHAKA, PP. 163, 167.

[۱] سید محمد خاں المخاطب بہ نواب حشمت جنگ کو ان کے نانا جسارت خاں نے اپنے آخری زمانۂ حیات میں اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنی پنشن کو نواب حشمت جنگ کے نام مقرر کروانے کے لئے گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز سے درخواست کی گورنر جنرل نے نواب جسارت خاں کے حسن خدمات کے صلہ میں ان کی پنشن نواب حشمت جنگ کے نام بحال کر دی اور نوابی عزت و صولت جیسی کہ نواب جسارت خاں کی تھی قائم رکھی، نواب حشمت جنگ نے سات سال مسند نشین رہ کر ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا۔ تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۵۷ DACCA, P 55

GLIMPSES OF OLD DHAKA, P 167, 168.

نواب نصرت جنگ :-

امرار میں نصرت جنگ لقب ہے اور غریبوں فقیروں میں اس کا نام نواب اولیا ہے مشغلہ قرآن شریف لکھنا، کتب بینی اور عبادت ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبہ کے لائق سلوک کرتا ہے اپنے حسب لیاقت مراعات رکھنے کی بنا پر بظاہر امیروں میں شامل ہے اور اقوال و اعمال باطنی اس کو صلحا میں ملاتے ہیں باوجودیکہ انگریزی سرکار سے سالانہ نقد مقرر ہے مگر نہ اتنا کہ مصارف ریاست کو کافی ہو لیکن کھینچ تان کر کے اور اپنے مصارف میں تنگی کر کے حتی الوسع ہمت سے کام لیتا ہے۔[1]

نواب شمس الدولہ بہادر:-

اس (نواب نصرت جنگ) کا بھائی سید احمد علی خاں بہادر شمس الدولہ[2]، نواب مبارک الدولہ مرشدآبادی کے داماد ہیں بھائی کے اوصاف کے علاوہ علمی استعداد زیادہ رکھتے ہیں اکثر مطالعہ کتب اور ان کے انتخاب میں وقت گزارتے ہیں، ریاست کی ضرورت کی وجہ سے کچھ ذی لیاقت اشخاص سے ملاقات

---

[1] نواب سید علی خاں بہادر المخاطب بہ نواب نصرت جنگ، انتظام الدولہ نصیر الملک نواب حشمت جنگ کے بعد جانشین ہوئے سرکار کمپنی میں بڑے نیک نام رہے نواب نصرت جنگ نے ۲۴ سال نوابی کی بڑے لائق اور خوش نویس تھے اور باوجود اس شوکت و امارت کے طلباء کو خوش نویسی کی تعلیم دیتے تھے۔ ترسٹھ سال کی عمر میں ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں بعارضہ اسہال انتقال ہوا۔

تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹۔ DACCA, P 55

THE ROMANCE OF AN EASTERN CAPITAL P. 270 GLIMPSES OF OLD DHAKA, PP. 169-171

[2] امیر الملک شمس الدولہ سید احمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ، نواب نصرت جنگ کے چھوٹے بھائی تھے نواب آصف الدولہ بہادر والی اودھ کے جانشین وزیر علی خاں نے انگریزی ریذیڈنٹ جارس چیری کو قتل کر دیا تھا اس میں نواب شمس الدولہ بھی ملوث تھے اس لئے انگریزوں کا دل ان سے صاف نہ تھا اور یہ اپنے بھائی نصرت جنگ کی جگہ نائب ناظم مقرر نہ ہو سکے بلکہ نصرت جنگ کی تنخواہ سے ڈیڑھ ہزار روپیہ ان کی ذات کے واسطے سرکار کمپنی سے مقرر ہو گیا۔ سیر المتاخرین صفحہ ۱۳۱ - تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۵۹-۱۶۲ - تاریخ اودھ حصہ سوم صفحہ ۳۰۳ -

GLIMPSES OF OLD DHAKA PP. 17-174. DACCA - PP 58-59

THE ROMANCES OF AN EASTERN CAPITAL PP 249-50

رکھتے ہیں فارسی نثر مختلف طرز پر لکھنے کی ایسی مہارت ہے کہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد میں نے اپنے ہم جنسوں میں دوسرا شخص نہیں دیکھا چند رسالے بھی فارسی زبان میں لکھے ہیں انگریزی لکھنے پڑھنے پر بھی قادر ہیں لیکن چونکہ بندہ اس زبان (انگریزی) سے ناواقف ہے اس لئے اس ہیچ میرزی کی ستائش فضول ہے۔

ہم چشموں کی بدنظری اور ہم نشینوں کی نمک حرامی سے گھر بیٹھے بلائے ناگہانی یعنی وزیر علی خاں[1] کے ساتھ سازش کی تہمت میں چند روز کلکتہ میں فرنگیوں کا نظربند رہنا پڑا بالآخر اپنی خوش نصیبی اور دولتِ انگریزی کی قدردانی سے اس دریائے ہلاکت سے ساحلِ مراد تک پہونچے اب ڈھاکہ کی مسند پر ہی رونق افروز ہیں نامہ نگار (مولوی عبدالقادر) کے حال پر بے حد نوازش ہے۔ ایک روز حسب طلب میں گیا دربان نے اطلاع دینے میں تغافل کیا میں اپنی جگہ واپس آگیا۔ پھر دل جنبش آمادہ نہ پایا اگر اس جانب سے الطاف غائبانہ ہیں اور بندہ بھی اب تک بے انتہا عقیدت رکھتا ہے لیکن اپنے کھوٹے سرمایہ کو اس آدمیت پرکھنے والے سے چھپا رکھا ہے۔

شکم سیر کن با دونانِ جویں	بے پوشش تن گلیمے گزیں
ملے جو کی روٹی اگر پیٹ بھر	ڈھکے تن فقط ٹاٹ ہی سے اگر
بگرما و سرما بزیر درخت	بسر کن کہ نے مایہ داری نہ رخت
درختوں کے نیچے ہی راتیں گزار دو	نہ ہو جبکہ سرمایہ کچھ پاس یار دو

---

[1] آصف الدولہ کے نطفہ سے کوئی فرزند نہ تھا ایک غریب لڑکے کو فرزندی میں جگہ دی اور وزیر علی خاں نام رکھا جو نہایت ذہین اور خوبصورت تھا علم و ہنر اور اطوار کی تعلیم خوب پائی تھی خوش نویسی میں مرزا محمد علی اعجاز رقم کا شاگرد تھا اسپ تازی شمشیر زنگی تیر اندازی اور چوگان بازی میں اس کو خوب مشق تھی نواب آصف الدولہ کے بعد مسند آرائے حکومت ہوا نواب سعادت علی خاں آصف الدولہ کے بھائی نے اعتراض کیا اس کے تصفیہ کے لئے گورنر جنرل سر جان شور خود لکھنؤ آئے اور وزیر علی خاں کو معزول کردیا اس کا بنارس میں رہنا طے ہوا وہاں اس نے انگریزوں سے بدلہ لینا چاہا اور انگریزوں کی حکومت کے خلاف ایک محاذ بنایا، اطراف و نواح کے زمینداروں، رؤسا اور مقتدر حضرات سے نامہ و پیام کیا۔ انگریزی رزیڈنٹ متعینہ بنارس اور دوسرے انگریزوں کو مار ڈالا اور انگریزی فوج سے مقابلہ کیا آخر میں راہ فرار اختیار کی۔ مہاراجہ جے پور نے دھوکہ دے کر انگریزوں کے قبضہ میں پہونچا دیا۔ انگریزوں نے وزیر علی خاں کو کلکتہ کے قلعہ میں قید کردیا جہاں بحالت قید ۱۸۱۷ء میں انتقال ہوا۔ تاریخ اودھ حصہ سوم ص ۳۲۲-۸۵ ۲۔ وزیر نامہ از محمد امیر علیخاں ص ۲۹-۱۵ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۹ء قیصر التواریخ جلد اول ص ۱۳۶-۱۴۲۔

انساں بہ کہ دربارگاہِ شہاں | درآئی بہ نامردی ناکساں
نہیں اس سے بہتر کہ دربار سلطاں | کرے گر سفارش تری مرد ناداں
چہ سود ار نصد سیم داری بہ گنج | چو باشی زبے آبروئی بہ رنج
زر و سیم کی گٹھڑی بھر لے تو کیا | جو بٹا تری آبرو پر لگا
کہ گنجت بماند برسد اے پسر | تو باشی بہ گورے وخاکت بسر
خزانے پہ تیرے سدا سانپ لوٹیں | تری ہڈیاں خاک میں مل کے ٹوٹیں
بگیرے کو ترا خواہد او ورا نخواہ | گدا زادہ باشد دیا پور شاہ
بنا ہے جو تجھ سے تو مت اس سے نباہ | گدا زادہ ہو یا کوئی بادشاہ
ہر آں کو فرو مایہ داند ترا | کہ گہ خواند و گاہے براند ترا
بچ کر کمینہ جو تجھ کو کبھی | بلا کر کرے پھر نہ عزت تری
اگرچہ شہ ہفت کشور بود | بزور و بزر چوں سکندر بود
اگرچہ وہ دنیا کا ہو بادشاہ | زر و زور میں ہو سکندر پناہ
بامید نیکی مرو سوئے او | مکن چوں سگاں جائے در کوئے او
نہ کر اس سے نیکی کی ہرگز تو آس | نہ پھر اس کے کوچے کے تو گرد پاس

سید محمد حسین خاں:-

سید مکرم خاں کے بیٹے ہیں جو ہمت علی خاں، شجاعت علی خاں اور رستم علی خاں کے خاندان سے ہیں، یہ محمد شاہی امرا میں سے ہیں سیر المتاخرین[1] میں ان کا ذکر ہے سید محمد حسین خاں کی والدہ حکیم معصوم علی خاں کی لڑکی ہے جن کو دربار محمد شاہ سے بہادری کا خطاب ملا تھا۔ اور اس

---

[1] سیر المتاخرین میر غلام حسین طباطبائی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے [illegible] دوسری جلد کا آغاز روز سہ شنبہ یکم صفر ۱۱۹۴ھ جنوری ۱۷۸۰ء سے تقریباً ایک سال میں بروز یکشنبہ ۲۱ ماہ محرم ۱۱۹۵ھ مطابق نومبر ۱۷۸۰ء کو تمام کو پہونچا۔ اس کے بعد مصنف نے اس جلد کے تتمے کے طور پر جلد سوم لکھی جو چند مہینوں میں یوم سہ شنبہ ۶ رمضان ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء میں تمام ہوئی اس تتمے سے فارغ ہونے کے بعد اسے اصل کتاب کا مقدمہ لکھنے کا خیال ہوا بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں اس مقدمے کو لکھنا شروع کیا اور یہ کام تقریباً ایک سال میں تمام ہوا اس طرح یہ کتاب تقریباً ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء میں اختتام کو پہونچی۔

سراپردہ عصمت کا نکاح سید مکرم خاں سے بادشاہ نے کرایا تھا حسبی ونسبی سیادت کے آثار ان کے
عادات شریفہ سے ظاہر تھے اپنے اور پرائے کے لئے کوشش کرنے میں ہر وقت تیار اور دشمن کی مد
سے کوسوں دور، غریبوں کے ساتھ انکساری اور زر دستوں سے بے پروائی ان ہی کا شیوہ تھا ان کے سعید
میر شجاعت علی خاں عرف مرزا میر چاشنی، شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے اردو زبان میں بھی عاشقانہ
شعر کہتے تھے فارسی نثر جو غور سے لکھتے تھے وہ بے ربط نہ ہوتی تھی اور سلطان میر حرف آشنا تھا میر
عبدالحی عرف محمد میر جوان صالح لکھنے پڑھنے اور علم مجلسی میں بہت اچھا تھا لیکن یہ سب پدر بزرگوار
کے سامنے ہی چلدیئے میر رستم علی جس کو نواب (نصرت جنگ) محبت آمیز طریقہ پر آغا میسر کہتے ہیں
زمانہ سازی میں یکتا ہے۔

میر اشرف علی :-

الہ آباد کے پرانے باشندے تھے کچھ عرصہ تک کسی انگریز افسر کے ساتھ رہ کر نظامت اور سررشتہ داری کا
کام انجام دیا اس کے بعد پرگنہ بلداکھار علاقہ ڈھاکہ کے زمیندار مرزا بھیلا کے خاندان میں ایک خاتون
سے عقد کر لیا اور اپنی بیوی اور ساس کے حصہ کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جو کچھ ہاتھ لگا اس سے
زیادہ خرچ کیا۔ زیادہ تر اوسطاً خرچ مہمانداری اور مسافروں کے سامان کی تیاری پر تھا۔ وہ اس
ناچیز (مولوی عبدالقادر) پر بلا کسی استحقاق سابق اور آئندہ امید اور طلب حسن خدمت کے جو
مربیانہ احسان اور بزرگانہ شفقت کرتے تھے اس کا شکریہ لینے کسی قول و فعل سے ادا نہیں
کر سکتا کہ ملک بقا میں اپنے آبا و کرام کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ خدا کرے اس کی برکت اس کے
فرزندوں کو نصیب ہو اور اتفاق کی توفیق بخشے [1]

---

[1] میر اشرف علی بڑے نامور اور باحیثیت زمیندار تھے جن کی زمینداری کی آمدنی بیس ہزار روپئے ماہوار تھی ان کا مکان رمنہ کے قریب محلہ پھول
بڑیہ میں تھا میر اشرف علی کی سرکار میں سیکڑوں آدمی پرورش پاتے تھے اور داد و دہش بھی اعلےٰ درجے کی تھی۔
میر اشرف علی نے رنگون کی پہلی لڑائی میں سرکاری فوج کی رسد وغیرہ کے بارے میں بڑی تائید کی تھی اور لاکھوں روپے دیئے تھے
میر اشرف علی اپنے وقت کے بڑے ذی عزت اور صاحب حوصلہ شخص تھے۔
تواریخ ڈھاکہ ۱۸۸۵ء

مولوی عبدالعظیم :-

اور ان کے بڑے مولوی حفیظ اللہ[۵۱] نہایت فراخ حوصلہ ہیں ان بزرگوں کا مسکن خطہ دلپذیر کشمیر ہے تجارت پر بسر کرتے تھے لیکن بہت امیرانہ رکھتے تھے کہ ہر کس و ناکس کی امداد میں لگے رہتے تھے خصوصاً مولوی عبدالعظیم جن کی گھٹی میں شکستہ دلوں کی دلداری اور عاجزوں کی دستگیری ہے وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک و احسان کرتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو خبر ہو اسی بنا پر میں بھی تفصیل سے بیان نہیں کرتا اب اس خاندان میں جو کچھ ہیں وہ علیم میاں[۵۲] ہیں

خواجہ خلیل اللہ :-

خواجہ خلیل اللہ بھی اسی خاندان سے ہے اگرچہ تجارت کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے مگر اپنے بازو کی طاقت اور تائید الٰہی سے روٹی مل جاتی ہے میرے بے تکلف مہربان ہیں[۵۳]

---

[۵۱] مولوی حفیظ اللہ خاندان نوابان ڈھاکہ کے پہلے شخص تھے جو بعہد نواب نواب نصرت جنگ ڈھاکہ آئے اور تجارت کے ذریعہ بڑی دولت پیدا کی علوم دینیہ میں اچھی قابلیت تھی بہت سی زمینداری خریدی۔ (تواریخ ڈھاکہ ص ۲۴۹)

[۵۲] مولوی حفیظ اللہ کے بڑے بھائی خواجہ احسان اللہ کے لڑکے تھے خواجہ احسان اللہ نہایت صوفی منش اور عالم باعمل تھے۔ اپنے لڑکے خواجہ علیم اللہ کو مولوی حفیظ اللہ کے پاس چھوڑ کر مکہ معظمہ ہجرت کر گئے خواجہ علیم اللہ نے اپنے چچا کے پاس رہ کر تجارت کے ذریعہ بڑی دولت جمع کی اور امیر و کبیر اور رئیس اعظم بن گئے غربا و مساکین کی امداد کے لئے اپنی زمینداری کا بڑا حصہ وقف کیا ۱۸۵۴ء میں انتقال ہوا۔ مولوی محمد فاضل نے تاریخ کہی ہے :-

مر گئے خواجہ علیم اللہ امیر نامدار	داخل جنت ہوئے با حشمت و تمکین و شان
سال مرگ ان کا کہا فاضل نے بحال عیری	آہ واویلا ہوا ڈھاکے کا ختم خواجگان

خواجہ علیم اللہ کثیر الاولاد تھے جن کے بڑے صاحبزادے نواب عبدالغنی[۵۴] جانشین ہوئے جو نہایت[۱۸] زیرک، دانشمند اور علم و عمل کی دولت سے بہرہ مند تھے سرکار سے "سر" کا خطاب ملا انھوں نے کار خیر کے بہت سے کام کیے۔ نواب سر عبدالغنی کے صاحبزادے نواب سر احسن اللہ خاں تھے جن کے نواسے خواجہ ناظم الدین اور خواجہ شہاب الدین ہیں۔ تواریخ ڈھاکہ ص ۲۴۸-۲۵۳

[۵۳] تواریخ ڈھاکہ صفحہ - ۲۰۵

مرزا شمس الدین:-

محمد تقی خاںؐ کی اولاد میں ایک خاندانی شخص ہے پرہیزگار اور خدا پرست ہے مگر دریا دل اور تنگ دست ہے۔[۲]

مرزا جلال الدین:-

مرزا فتح علی کا لڑکا نواب (نصرت جنگ) کی سرکار میں ملازم ہے نیک جوان ہے۔

مرزا محمد باقر طباطبائی:-

اصفہان کے سیدوں میں سے ہیں اس کی ماں خاندان صفویہ سے تھیں فاضل، دانشمند مہذب اور جملہ علوم سے واقف تھے اکثر جزئیات کے مختلف اقوال بیان فرما دیتے تھے عربی عبارت بھی قلم برداشتہ اچھی لکھتے اور فارسی تو ان کی زبان ہی تھی اپنے مذہبی اعتقاد و اعمال میں نہایت مضبوط اور معاملات میں صلح کل کا مشرب رکھتے تھے۔

آغا ہادی شوستری:-

باوجودیکہ عروض و قافیہ سے واقف نہ تھے شعر ایسا کہہ لیتے تھے کہ سننے والا خوش ہو جائے۔

مرزا جعفر:-

حاجی کریم تاجر کے لڑکے اچھا سرمایہ رکھتے تھے لیکن اپنی تن پروری کی توجہ نہ تھی مگر کبھی توجہ

---

[۱] "میر محمد تقی خاں نے ایران سے آکر بذریعہ تجارت اچھی دولت حاصل کر کے زمینداری خریدلی تھی ناموری کے ساتھ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے ان کا مکان محلہ نل گولے میں تھا دو لڑکے سید خاں اور سید محمد باقر تھے۔" تواریخ ڈھاکہ ص ۲۰۶

[۲] "مرزا شمس الدین کے صاحبزادے آغا غلام علی ڈھاکہ کے نامور زمیندار اور صاحب عزت شخص تھے تنکو میاں کے داماد تھے۔" (تواریخ ڈھاکہ ص ۲۰۵)

بھی کرتے تھے۔ کچھ خفقان سا تھا شرفا کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے تھے ایک دن مجھ سے کہا کہ اگر دریا میں میرے ہم سفر ہو جاؤ تو ایران چلیں اور اپنے کارندے کو دیکھ کر چلے آئیں کیونکہ تمہاری ہم نشینی سے میرے خفقان میں کمی ہو جاتی ہے ایک دو سال میں جب مع الخیر یہاں آجاؤ گے تو دس ہزار روپیہ نقد دوں گا، میں نے کہا کہ پھر آپ کی صحبت کی برکت سے مجھے خفقان ہو جائے گا اور وہ دس ہزار روپیہ اگر مجھے کوئی ہم نشین مل گیا تو میں اسے دیدوں گا میرے پاس نفع میں صرف وہی خفقان رہ جائے گا یہ نکتہ پسند کیا اور ہنسنے لگے۔

حکیم عبدالشافی خاں :-

بیماروں کی طرف بے حد متوجہ ہوتے تھے۔ اب سنا ہے[۵۱] کہ ان کے لڑکے ذوالفقار علی باپ کے نعم البدل ہیں بڑی خوشی کی بات ہے میں اسے (ذوالفقار علی کو) اپنے چھوٹے بھائی جیسا سمجھتا ہوں۔

مرزا حیدر علی تاجر :-

اگرچہ دوسروں کی طرح چنداں زردار نہیں تھے لیکن ہنرمندی اور معاملہ فہمی کی بنا پر بہت کچھ ترقی کر لی ہے ضروری لکھنا پڑھنا اور فارسی دواوین کے اشعار سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اب اس شہر میں بہت غنیمت ہیں[۵۲]

میر محمد علی حکیم :-

اگرچہ یونانی طب کے علم و عمل میں زیادہ دسترس نہیں مگر اخلاقِ حمیدہ کی بنا پر اس وقت[۵۳] لوگ زیادہ تر ان ہی کی طرف توجہ کرتے تھے ان کا چھوٹا بھائی اور شاگرد حکیم پناہ اللہ کلکتہ میں ہے بندہ سے ملاقات تھی نہ معلوم اب کیسا ہے۔

---

۵۱ ۱۸۳۱ء ۵۲ مرزا حیدر علی کا مکان محلہ بیگم بازار میں بڑی شان و شوکت کا تھا ایک مشہور امام باڑہ تھا اس میں بڑی دھوم سے محرم کی مجالس ہوتی تھیں" (تواریخ ڈھاکہ ص ۱۸۹) ۵۳ ۱۸۱۵ء

مرزا غلام علی،

ذہین اور استعداد اچھی رکھتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ کتب درسیہ پر عبور کیا ہے یا نہیں [1]

میر محمد صالح

میر محمد علی فاضل کے فرزند ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس شہر میں وہ (میر محمد علی) بے حد غنیمت تھا، بندہ نے اس بزرگوار کی زیارت نہیں کی کئی لڑکے تھے سب بھائیوں میں یہی میر محمد صالح علم سے زیادہ انسیت رکھتے ہیں۔

سولہ مہینے تک میں اس شہر ڈھاکہ میں رہا بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ [2] کو میر اشرف علی کے لڑکوں [3] کی شادی انجام پائی نکاح سے ایک دن پہلے تمام شہر کی دعوت کی محلہ محلہ اور گھر گھر خوان بھر کے کھانے پہنچائے گئے [4]۔ شب عقد میں بھی آرائش محفل، روشنی اور آتشبازی اتنی ہوئی کہ خیال میں نہیں آتی تھی بہت ممکن ہے کہ نصف لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ ہو گیا ہو

روانگی کلکتہ۔

سولہ مہینے میں ڈھاکہ ٹھیرا ناگہاں والد صاحب کا خط پہونچا اس میں تحریر تھا کہ

"تم کو تین سال ہو گئے میرا دل پریشان ہے بیماری کی حالت میں تمہاری یاد سے دل میں اور زیادہ پریشانی ہوتی ہے اب زندگی بھر میرے پاس رہو کہیں باہر مت جاؤ۔"

---

[1] میر غلام علی کے والد حاجی شمس الدین تھے ڈھاکہ کے نامور اور ذی عزت زمیندار اور اپنے وقت کے بڑے صاحب حوصلہ اور مہذب شخص تھے نواب شمس الدولہ کے مدارالمہام ننکو میاں کی بیٹی حور النساء بیگم سے شادی ہوئی تھی بڑے مہمان نواز تھے (تاریخ ڈھاکہ ص ۲۰۵)

[2] ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۸۲۱ء

[3] میر سید علی مہدی خاں و میر سید علی حسن خاں پسران میر اشرف علی

[4] شادی کی تقریبوں میں امرا کے یہاں خاص ترتیب اور خاص قاعدے سے خوان تقسیم ہوتے تھے جس کی ہیئت ترکیبی یہ تھی کہ ایک بڑی کشتی یا چند کشتیوں میں مٹی کے پیالے پیالیاں اور برتنوں میں کھانے لال بانات کے خوان پوش سے ڈھک کر مہمانوں کے گھر بھیجے جاتے تھے ان کشتیوں میں چار قسم کی روٹیاں، چار طرح کے چاول، چار نوع کے نان خورش چار قسم کے کباب چار قسم کی مٹھائیوں کے علاوہ پنیر بورانی۔ چٹنی اور اچار یعنی کل ۲۴ قسم کی اشیا ہوتی تھیں۔

"ڈھاکہ پچاس برس پہلے" از حکیم حبیب الرحمن ص ۴۳ مطبوعہ اتحاد پریس لاہور ۱۹۴۹ء

ان کی تحریر دیکھتے ہی میں ایسا پریشان ہوا کہ کس کا سونا کس کا کھانا، ایک کشتی جسے بجرہ کہتے ہیں کلکتہ تک کرایہ کی کلکتہ آنے سے مقصد حافظ احمد کبیر کو دیکھنا تھا میں اور وہ انتہاء طفلی اور ابتداء شباب سے برسوں رات دن یکجا رہے تھے اتفاقاً وہ کلکتے پہونچ گئے میں اس ملک میں سرگرداں پھرتا رہا۔ لامحالہ میں نے چاہا کہ پھر ان کو ایک مرتبہ دیکھ لوں نہ معلوم موت پھر ایسا موقع دے یا نہ دے۔

مولوی حفیظ اللہ صاحب کے مکان سے ہم کشتی پر سوار ہوئے شہر کے لوگ اخلاقاً رخصت کیلئے اتنے جمع ہوگئے کہ کبھی وطن سے روانگی کے وقت بھی ایسا اتفاق نہ ہوا تھا ایک چھوٹی کشتی کرائے کرنی پڑی تین میل تک بعض احباب ساتھ آئے تین روز میں اس زادِ راہ کے بارے ملاحوں کو جو بہت سے مسلمان تھے کھلا کر ہلکا ہوا۔ راستہ میں فرید پور آیا وہاں کے کارٹن صاحب سے ملے بغیر گزر جانا مناسب معلوم نہ ہوا۔ ایک روز کا وقفہ کر کے میں گیا، آداب بجالایا، کچھ دیر بیٹھا اور اٹھ آیا اور منزلیں طے کرتا ہوا کلکتے پہونچا چیت پور میں مکان کرائے پر لیا اور ملاحوں کو رخصت کیا۔

عجب اتفاق کہ جس دن کلکتے پہونچا ہوں شام کا وقت تھا چودھویں شب تھی، سمندر کے پانی میں جوار بھاٹا کا شور ہوا میرے ہمراہی ڈرنے لگے تمام شب ان کی تسلی اور دلاسے میں گزری۔

مشاہیر کلکتہ

حافظ احمد کبیر[1]: میں پوچھتے پوچھتے مدرسہ عالیہ پہونچا اور اپنے دوست احمد کبیر کو دیکھا

---

[1] مولوی حافظ احمد کبیر مجددی ولد شاہ محمد پیر مجذوب، ولادت تقریباً ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۲ء) میں رام پور میں ہوئی اکثر علوم رام پور میں مفتی شرف الدین سے حاصل کئے حرمین شریفین اور شام میں حدیث وغیرہ کی تحصیل کی بڑے جید عالم تھے مولوی عبدالقادر خاں سے ایام طالبعلمی سے بہت دوستی تھی ممالک اسلامیہ سے آکر کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کی ملازمت میں منسلک ہوگئے ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ء) میں رام پور میں وفات پائی اپنے والد کے حظیرہ کے سامنے جانب جنوب متصل دیوارِ مسجد مدفون ہیں۔

(تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۲۹)

مولوی بہادر علی: مولوی بہادر علی نے جو ہم محلہ اور ہم سبق تھے اور مدرسہ میں چوتھے نائب مدرس تھے
اپنے دیدار سے مجھے مشرف کیا اور جب میں نے ان کے بھائیوں کو دیکھا تو بہت مسرت ہوئی

مولوی نعمت علی، مولوی نعمت علی بھی جواب چھپرہ میں مولوی عدالت ہیں ایک دن مجھے دیکھنے
آئے۔

مولوی امین اللہ۔ جناب مولوی امین اللہ صاحب کی خدمت فیض درجت میں جو اس وقت صدر
مدرس تھے میں حاضر ہوا، سچ تو یہ ہے کہ اس زمرہ میں حق صدارت ان ہی کا تھا باوجود اس
بلند مرتبہ ہونے کے شعر کے فن خسیس کو عزت بخشتی، نواح عظیم آباد کے باشندے ذکی الطبع،
وضعدار ذی وجاہت اور باوقار تھے اور جیسا کہ علماء کو ہونا چاہیئے ایسے ہی تھے بہت سے
لوگ جو خوش خلقی اور بدتمیزی میں فرق نہیں کرتے ان بزرگ کو کج خلق سمجھتے تھے [1]

مولوی غلام سبحان: مولوی غلام سبحان صاحب سے بھی صحبتیں رہیں جو اس وقت صدر مفتی ہیں اور
اُس وقت تیسرے نائب مدرس تھے، ہشاش، بشاش، ملنسار اور طلبا کی تربیت میں بجد
مصروف رہتے تھے، اب زمانہ نے تفکرات میں ڈال دیا ہو۔

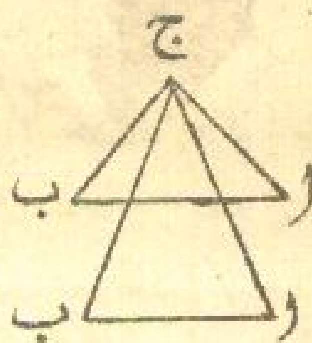
مولوی عبدالمجید۔ ان ہی دنوں میں جناب مولوی عبدالمجید صاحب کو بھی دیکھا جو میسوری شہزادے کے [2]
عتاب سے معتوب تھے ان سے یہ تذکرہ ملاقات کے درمیان آگیا کہ دور سے چیز چھوٹی کیوں معلوم ہوتی
ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ ا ب کو مرئی قرار دیں اور ج کو آنکھ اب ج ا اور ج
ب دو شعاعی خط ہیں پھر ا۔ ب کو ذرا فاصلے سے رکھیں تو وہ دو خط شعاعی ملے جائینگے
اور ج کا زاویہ تنگ، لہٰذا چیز کا چھوٹا اور بڑا ہونا اس زاویہ کے چھوٹے اور بڑے ہونے

---

[1] تاریخ مدرسہ عالیہ از مولوی عبدالستار صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ (مدرسہ عالیہ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء) پر ان کے حالات ملاحظہ ہوں۔

[2] ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس کے بارہ شہزادوں اور ایک شہزادی کے لئے تقریباً سات لاکھ روپے مقرر ہوئے اور ان سب کو ویلور کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا ۱۸۰۶ء میں شہزادوں نے آزادی کی کوشش کی اور اس منصوبہ کی تکمیل کیلئے شہزادہ شکراللہ سلطان کو سردار و سالار مقرر کیا گیا انگریزوں نے طاقت سے یہ مخالفت دبا دی اور اس خاندان کو کلکتہ منتقل کر دیا جہاں یہ لوگ ٹالی گنج میں مقیم ہوئے شہزادہ سلطان صاحب علم و فضل تھے۔ شکراللہ سلطان کے بیٹے بشیرالدین توفیق المتوفی ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء غالب کے شاگرد تھے۔ تلامذہ غالب از مالک رام صفحہ ۶۸-۷۰ (مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۷ء)

کی بنا پر ہے۔



مولوی کرم حسین: بلگرام کے جلیل القدر سادات میں سے ہیں مذہب اثنا عشری اور مسلک صلح کل رکھتے ہیں فارسی عبارت قلم برداشتہ چست، درست اور رواں لکھتے ہیں تنگی اور فراخی میں زندہ دلی سے اوقات بسر کرتے ہیں بڑا مشغلہ کتب لغت و ادب اور تواریخ عجم و عرب کی سیر ہے۔

مولوی علی اعظم: علوم عربیہ و ادبیہ کی تحصیل و تربیت کے زمانہ میں مولوی مخدوم صاحب لکھنؤ کے منظور نظر رہے تھے کلکتے پہونچکر باقی علوم قاضی القضاۃ نجم الدین علی خاں کاکوروی اور جناب مولوی امین اللہ صاحب صدر مدرس مدرسے حاصل کئے چند روز مدرسہ میں مدرس اور میکان صاحب میر منشی سپہ سالار کے منشی بھی رہے حسن پرستی میں سعدی، جامی، عراقی اور اوحدالدین کرمانی کی یادگار سمجھے جاتے ہیں آخر کلکتہ کی خاک سیاہ ہی میں بیماری حیات کی تکلیف سے موت کی نیند سوگئے ان کی یادگار ان کا چھوٹا بھائی مولوی عالم ہے۔

مرزا جان تپش: کلکتہ کے مشہور شاعروں میں مرزا جان تپش شاہجہان آبادی خواجہ میر درد کے شاگرد تھے[1] تپش مرشد آباد میں نواب شمس الدولہ کے رفیق رہے اور اپنے آقا کی رفاقت میں بڑی بڑی زحمتیں اٹھائیں ان بلاؤں سے نجات کے بعد راجہ لب کشور نے ان کی معیشت کی کفالت کی

---

[1] محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان متخلص بہ تپش، ساکن دہلی، ان کے والد یوسف بیگ خاں، بخارا کے رہنے والے تھے۔ تپش محمد یار بیگ سائل اور خواجہ میر درد کے شاگرد تھے علی ابراہیم اور تپش سے بنارس میں ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء میں ملاقات ہوئی اس وقت یہ نوجوان تھے اور شہزادہ جہاندار کی ملازمت میں تھے اس کے بعد یہ مرشد آباد پہونچے اور وہاں سے کلکتے چلے گئے وہاں یہ نواب شمس الدولہ کی رفاقت میں قید میں رہے۔ قید کے زمانہ میں انہوں نے ریختہ میں یوسف زلیخا لکھی۔

یادگار شعراء (فہرست کتب خانہ شاہان اودھ از اسپرنگر)

اردو ترجمہ از طفیل احمد بی۔ اے صفحہ ۵۰ (ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۴۳ء)

مرزا ابو القاسم: مرزا ابو القاسم بھی مشہور شاعروں میں ہیں عالی خاندان ہیں شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے کچھ عرصے لکھنؤ رہے اب دوانہ نے کلکتے پہونچا یا لیا قت کے مناسب معاش نہیں ہے۔

مرزا احمد بیگ خاں: مرزا ہادی خاں کے صاجزادے ہیں اور اچھے شاعر ہیں اپنا سلسلہ نسب قبائی خاں سے ملاتے ہیں بندہ (مولوی عبدالقادر) کو شہر ڈھاکہ سے ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اور بے تکلفانہ دوستی ہے ریختہ گوئی میں پرانے شعراء کا نمونہ ہیں اس شہر کے اکثر لوگ اس فن میں ان سے استفادہ کرتے ہیں اس خیال سے کہ لوگ یار فروشی نہ سمجھیں ان کا مرتبہ جیسا میں جانتا ہوں نہیں لکھتا۔

قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں موہانی: کمالات علمیہ رکھنے کے علاوہ شاعر اور طبیب بھی تھے اہل سنت ان کو اپنے گروہ میں اور شیعہ اپنی جماعت میں شمار کرتے تھے اور میری دانست میں جو انہوں نے کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔ اور گویا موتی پرو دیئے ہیں۔

مذہبِ عشق ست و من واقف زادیاں نیستم
عشق کے مذہب پہ ہیں لے دین سارے کھو دیئے
ہندو نصرانی و گبر و مسلماں نیستم
اب نہ ہندو نے مسلماں سب کے دفتر کھو دیئے

بظاہر شرعی طریقہ کے چنداں پابند نہ تھے بہتر مذہبوں میں بس یکتا تھے لیکن اپنے عہدہ پر نیک نام رہے خود غرضی کے غبار سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیا۔

قاضی القضاۃ نجم الدین علی خاں کاکوروی: بڑے فاضل و کامل تھے علوم متعارفہ و نادرہ کے ماہر تھے اس کام اور اس زمانہ میں اپنے وقت کے حامی کہے جا سکتے تھے شرافت ان کی وضع سے ٹپکتی تھی۔ اور علو ہمت کی بنا پر ہر کس و ناکس کے لئے ان کا گھر مسافر خانہ بنا ہوا تھا۔ عاجزوں کے حرف تلخ سننے اور شربت گھونٹ کی طرح چڑھا جاتے[۱] ہمت اور دوست نوازی میں قاضی

---

[۱] قاضی نجم الدین، ملا مولوی حمید الدین قصبہ کاکوری کے ملک زادگان میں سے تھے ۵ اربیع الاول ۱۱۶۳ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے ۱۵ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ شروع میں قصبہ آسیوں نواح لکھنؤ کے مدرسہ میں مدرس رہے جب حکومت کمپنی نے جب بنگال میں قاضی القضاۃ کا منصب قائم کیا تو قاضی نجم الدین کاکوروی کا اس پر تقرر ہوا تقریباً پچیس ۲۵ سال اس عہدہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سعید الدین خاں[1] ان کے جانشین ہیں اور علم کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ مولوی حکیم الدین[2] اور مولوی علیم الدین[3] ہیں، مجھے ان دونوں بزرگوں کی زیارت ابھی تک نصیب نہیں ہوئی اور مولوی خلیل الدین[4] خاں ہندوستانی اور انگلستانی اُمرا میں اب بھی تمام خاندان سے زیادہ نامور ہیں مگر میں نے ان بزرگوار کو بھی دور سے دیکھا ہے اور فن ریاضی کی تمام قسموں میں ان کی مہارت کا کمال سُنا ہے۔ ایک مختصر رسالہ ظل مثلث کے ابطال میں لکھا ہے مجھ جیسا شخص جو جملہ فنون خصوصاً فن روئیۃ الحال سے بے بہرہ ہے اس کتاب کے مطالب تک نہیں پہونچ سکتا ہے اگر کوئی اس کے چھپوانے کی ہمت کر جاتے

بسلسلہ صفحہ گذشتہ
پر فائز رہے اور نہایت نیک نام رہے قاضی نجم الدین نے حکومت کمپنی کے حکم سے فقہ پر فارسی میں ایک کتاب لکھی تھی جو کلکتہ میں سرکار کے حکم سے چھپی تھی اور مفتیان عدالت کے لئے نہایت کام کی چیز تھی ایک دوسرا رسالہ جبر و مقابلہ لکھا تھا یہ بھی کلکتہ میں طبع ہوا تھا، شعر و سخن کا بھی شوق تھا طبیعت نہایت موزوں تھی، ثاقب تخلص فرماتے تھے صاحب نفحۃ الیمن نے قاضی نجم الدین کے کلام کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء میں انتقال ہوا، مولوی فتح علی جونپوری نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

بحر حکمت شمس ملت نجم دیں قاضی قضاۃ	چونکہ در باغ جہاں با حور عین ہم دوش گشت
سر فرو بردم پے تاریخ و در گوشم رسید	علم و فضل و درس و زہد و دیں ہمہ روپوش گشت

سفیر اودھ از مولوی مسیح الدین کاکوروی ۱۰، ۲۲ مطبوعہ ناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء تذکرہ علمائے ہند ۲۳۳ - ۲۳۵۔

نفحۃ الیمن از شیخ احمد شیروانی ۲ ۱۴۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء ۔ قاضی سعید الدین۔ قاضی نجم الدین کاکوروی کے فرزند اول تھے نہایت لائق اور فاضل تھے اول قاضی عدالت وارد و سائرا اور پراونشل کورٹ اضلاع متعلقہ بریلی و روہیل کھنڈ کے تھے اس کے بعد آپ نواب غور دسال فرخ آباد کے نائب مختار ہوئے سفیر اودھ ۲۷

[2] مولوی حکیم الدین، قاضی نجم الدین کے فرزند دوم تھے علم مروجہ کی تحصیل نہایت شوق سے کی۔ حکومت کمپنی کی طرف سے کانپور میں مفتی عدالت، صدر امین اور صدر الصدور رہے۔ سفیر اودھ ۲۷

[3] مولوی علیم الدین، قاضی نجم الدین کے فرزند سوم تھے نہایت لائق، فاضل، ذہین اور ذکی تھے سرکار کمپنی کی طرف سے مفتی، صدر الصدور رہے و رجح الصدر کے عارضے میں فوت ہوئے ان کے صاحبزادوں میں مولوی رضی الدین، ریاض الدین اور مولوی مسیح الدین مشہور رہے ہیں مولوی مسیح الدین صاحب واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے مقدمہ کی پیروی کیلئے لندن گئے تھے۔ مولوی مسیح الدین کا انتقال ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں ہوا۔

سفیر اودھ ص ۲۴ - ۲۸ تاریخ اودھ حصہ پنجم ص ۲۷۴ - ۲۸۱

[4] مولوی خلیل الدین، قاضی نجم الدین خاں کے فرزند چہارم تھے۔ نہایت لائق فاضل تھے۔ علم ہیئت میں بڑا دخل تھا۔ سرکار اودھ میں

تو دنیا کے مہندس بالخصوص دانایان فرنگ اس کے جذرِ اصم کو فرصت کے وقت تفریحِ طبع کا مشغلہ سمجھیں گے۔

فضل مولا خاں :۔ تخلص فضل ہے قاضی سعید الدین خاں کے ہمراہ اس شہر میں وارد ہوئے. فن مصاحبت میں یکتا تھے جو شخص بھی اس کام میں ان کے مقابلہ پر آتا یقیناً زک اٹھاتا. ان کے صاحبزادے کہتے تھے کہ اگر ان کو ابو زید سروجی دیکھ لیتا تو ان کی عربی فارسی اور ہندی غزلوں اور قصیدوں کو اساتذۂ سلف کا ہم پایہ بتاتا، اور جو کوئی واقف ہو جاتا تو چوری کی تہمت ان پر رکھتا، اس زمانہ میں نواب مرشد آباد کی سرکار میں رسوخ پیدا کر لیا تھا، ابھی پیٹ بھر روٹی نہ کھائی تھی کہ موت نے کہا اٹھو اور تلخ شربت پیو۔

حکیم احمد علی خاں :۔ اسی شہر میں حکیم احمد علی خاں ہیں جو مہاراجہ کلیان سنگھ مخاطب بہ راجہ بہادر فرزند راجہ شتاب رائے نائب صوبہ بہار کے رفیق ہیں چیت پور میں بندہ (مولوی عبدالقادر) کے حال پر نوازش کی اور فرمایا کہ عشرہ محرم ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) کے بعد جو آنے والا ہے مہاراجہ سے ملاقات کر دیں نے کہا کہ تقریب کون کرائے گا ایک مسلمان کا نام زبان پر لائے میں نے پوچھا کیا وہ عرض بیگی (اطلاع کنندہ) ہے فرمایا نہیں بلکہ مہاراجہ کا سالا ہے میں نے کہا مجھے کیا جانے، کہا کہ میری زبانی تمہارا نام سن کر مشتاق ہے کسی روز ہم تم ساتھ چلیں گے میں نے کہا ایسے عالی ہمت کو جو ہندوؤں کو بھی اپنی عام مہربانی سے محرومؔ[1] نہیں رکھتا شکم پروری کے لئے تکلیف دینا مناسب نہیں آخر میں مسلمان ہوں. ہندوؤں سے زیادہ میرے ساتھ مراعات کی امید ہے میرے شفیق حکیم صاحب نے فرمایا کہ ایسے تکلفات کی پابندی کے ساتھ اس زمانہ میں بسر اوقات دشوار ہے میں نے کہا کہ بزرگوں کی دعا سے آسان ہو جائے گی۔

روانگی مرشد آباد :۔ ہر چند دل نہیں چاہتا تھا کہ حافظ احمد کبیر سے رخصت ہو جاؤں اور وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ میں یہیں (کلکتہ) رہوں. مگر کئی باتوں سے مجبور ہوا ایک تو ڈھاکہ میں کرم فرماؤں سے وعدہ کیا تھا کہ قبلہ گاہی کی زیارت کو جاتا ہوں دوسرے قبلہ گاہی کے حکم کی تعمیل کہ جس قدر ممکن ہو جلد اپنے کو میرے پاس پہونچاؤ۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) نہایت احترام رکھتے تھے۔ سفیر اودھ ۲۵۴ تاریخ اودھ حصہ چہارم ۱۵۴

[1] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ہونے ہوئے اس شخص کی رشتہ داری راجہ کلیان سنگھ سے تھی ۔

دل پر پتھر رکھ کر پچھم کو چل دیا۔ مرشد آباد کے قریب پہونچا تھا کہ رات کے وقت کشتی میں چوری ہوئی سبب یہ ہوا کہ چنگی کے چپراسیوں نے آکر تمام سامان درہم برہم کر دیا اور کچھ عرصہ تک کشتی کو چلنے سے روک دیا۔ سامان نہ دیکھنے کی صورت میں کچھ رشوت چاہتے تھے میں نے کہا سامان دیکھ لو اور جو سوداگری کا سامان کچھ چھوڑے لو انھوں نے دیکھا اگرچہ نہ پایا صندوقچہ [illegible] جو کچھ نقد تھا [illegible] چھوڑ دیا اور لوگ بچ ہو گئے تھے وہ صندوقچہ ساتھ والے آدمیوں کی سلامتی سے اوپر رہ گیا حالانکہ ہمیشہ نیچے کے درجہ میں رہتا تھا۔ روزانہ یہ دستور تھا کہ رات کے پہلے حصہ میں میں جاگتا تھا بعد کو یکے بعد دیگرے ایک ایک آدمی حفاظت کرتا تھا۔ ابھی سب لوگ جاگ رہے تھے میرا ارادہ بھی سونے کا نہ تھا مگر بستر پر لیٹ گیا تھا کہ آنکھ لگ گئی لوگوں نے مجھے بیدار نہ کیا اور سو گئے دو گھڑی بعد جب میری آنکھ کھلی تو سب کو سوتا پایا اور کھڑکی کھلی دیکھی لوگوں کو جگایا دیکھا کہ صندوقچہ جاتا رہا ہائے ہائے کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ کام ملاحوں کی سازش سے ہوا ہے میں نے کہا کہ اب شور مچانے سے کیا فائدہ جو کچھ ہوا میری نادانی سے ہوا گزشتہ پر افسوس بیکار ہے آئندہ کے لئے ہوشیار رہو چور کے لئے سامان بہت ہے صبح کو کشتی مرشد آباد پہونچ گئی نقد ایک روپیہ بھی پاس نہ رہا۔

مرشد آباد میں میر گدائی کے مکان کے قریب اس آقا فردش[1] کے ذریعے جو نواب شمس الدولہ کو مصیبت میں ڈال کر انگریزی سرکار سے سالانہ وظیفہ پا رہا تھا دو روپیہ ماہوار کے کرایہ پر ایک مکان لے لیا اور ملاحوں کو جو عظیم آباد تک کشتی کا کرایہ پیشگی دے دیا تھا ان سے مرشد آباد تک کا حساب کر کے واپس لے لیا میں نے یہ بھی چاہا کہ دو شالہ، پالکی اور دوسرے تانبے کے برتن فروخت کر کے جس طرح آیا ہوں اسی طرح واپس ہو جاؤں لیکن جلدی میں یہ بھی نہ ہو سکا آخر دو سو روپیہ کا خریدا ہوا دوشالہ نوے روپے میں بیچ کر ہمراہیوں کی تنخواہ ادا کی جو باقی بچا روزمرہ کے خرچ میں لایا۔

اعیان مرشد آباد:- جن بزرگوں نے ڈھاکہ سے آنے والوں کی زبانی بندہ (مولوی عبدالقادر) کا نام سن لیا تھا مجھے دیکھنے آئے بلکہ دیکھنے سے زیادہ بعض احباب کے حسن بیان کی خبر پر اعتماد کر کے ڈھاکہ والے جیسے شفیقوں کی طرح مہربانی کرنے لگے۔

---

[1] معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ آقا فردش کون تھا۔

مرزا احمد:۔ سب سے پہلے مرزا احمد صاحب نے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا مرزا صاحب اپنے باپ کے تمام اندوختہ کو بے اندازہ داد و دہش اور مقاصد میں برباد کر کے نظامت کے سالیانہ پر قناعت کئے ہوئے تھے یہ سالیانہ سید رمق سے زیادہ نہ تھا اور خط نسخ کے خوش نویس تھے طرح طرح کی باتیں کیں۔ تھوڑی دیر صحبت رہی اور چلے گئے۔

مرزا احمد بخش:۔ [illegible] ساتھ لائے۔

بہادر علی خاں:۔ دوسرے روز مرزا صاحب نے بہادر علی خاں سے جو سنبھل کے باشندے اور نواب امین الدولہ انصاری کے خاندان سے تھے بندہ کا ذکر کر دیا وہ بھی بمقتضائے حب وطن اس ناچیز کو دیکھنے آئے۔

میر محمد علی:۔ ایک روز نہ معلوم کس نے کہہ دیا کہ میر محمد علی نواب مبارک الدولہ کے پوتے نے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا میر محمد علی خط نستعلیق خوب لکھتے تھے اور گھوڑے کے اچھے سوار تھے، اس آوارگی سے جو مبارک الدولہ کی اولاد میں عام ہے الا ماشاء اللہ علیحدہ رہتے تھے، دیر تک نشست رہی اور فرمایا کہ کبھی کبھی میرے پاس آکر میرا دل خوش کر دیا کرو میں نے کہا ضرور آستاں بوسی سے استفادہ کروں گا۔

شریف احمد:۔ مخدوم زادہ شریف احمد جو سرہند کے بزرگ زادوں میں ہیں اور بچپن میں رام پور میں انھوں نے مجھے دیکھا تھا میری خبر سن کر میرے پاس پہونچے اور سعادت علی خاں کو جو فخر الدین حسین خاں زمیندار گنگھر کے مختار تھے میرا مشتاق بنا لائے ان بزرگوں کی دید باز دید میں ایک مہینہ وہیں گزر گیا۔

میر حسین:۔ مرزا حسین بخش ممدوح کے مکان پر ایک دو مرتبہ میر حسین صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی جو میر حسن کے بھائی اور نواب سید زین الدین علی خاں مخاطب بہ بلند اقبال سے بھائی چارہ رکھتے تھے، صلحاء اور پرہیزگاروں کی سی وضع رکھتے تھے فقہ امامیہ کے مسائل جزئیہ پر بے حد توجہ تھی، علم کلام۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ رجال۔ علوم عربیہ ادبیہ اور حکمت فلسفہ میں بھی مہارت تھی۔

حکیم معین الدین خاں:۔ اسی شہر میں حکیم معین الدین خاں کو سعادت علی خاں کے مکان پر دیکھا جو شاہجہان آباد کے قدیم باشندے ہیں اور آج کل باندہ میں نواب ذوالفقار بہادر کی سرکار میں ہیں، علاوہ فن طب کے دوسرے رواجی فنون سے بھی آشنا ہیں۔ پھر رسم دید باز دید بھی درمیان میں آگئی۔

نواب یعسوب الدین علی خاں:۔ ایک دن مرزا احمد صاحب نے نواب یعسوب الدین علی خاں کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل کرایا جو نواب مبارک الدولہ کے داماد تھے فارسی میں پختہ تحریر تھی کتب تواریخ وحدیث پر بھی عبور تھا مہذب سردار سمجھے جاتے تھے شام کی نماز کا وقت تھا میں نے وہیں نماز ادا کی شاید پہلے سے امامیہ مذہب کے دوست تھے، اسی لئے شاید مجھے شیعہ سمجھے ہوں گے اگرچہ ہر مذہب کے بزرگوں کے نزدیک بھلائی ان ہی کے مذہب میں منحصر ہے میری دست بستہ نماز کو بحیرت نفرت سے دیکھنے لگے[1] مگر فرط اخلاق کی وجہ سے زبان پر نہ لائے تاکہ رنج کا سبب نہ بن جائے پھر کہا کہ ایک مدت سے سعدی کی دو بیتیں خوب سمجھ میں نہیں آتیں اگر بیان کردو تو تمہاری یادگار رہے گی۔

گل سرخش چو عارض خوباں	سنبلش ہمچو زلف محبوباں
پھول جیسے حسین رخسارے	تار سنبل سے زلف بھی ہارے
ہمچناں کز نہیب بردِ عجوز	شیر خوردہ طفل دایہ ہنوز
مارے سردی کے چڑ مری بڑھیا	اور نازک ہو لو ولد بچہ

میں نے کہا جناب کے سامنے اس طریقہ کی باتیں بگھارنا ہندوستان میں مرچ اور کرمان میں زیرہ بھیجنا ہے مگر حکم سے سرتابی کرنا اس سے زیادہ بُرا ہے اگر میں درست کہہ دوں تو جناب کا فیض صحبت ہے ورنہ بندہ سرتاپا خطا ہے میں نے کہا کہ لفظ ہمچناں کا تعلق پہلی بیت سے ہے اور برد عجوز سردی کی زیادتی کے چند دن ہیں جو آخر میں ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ پھول اور سنبل اس وقت ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ سردی کے خلل سے بچہ ان کا دودھ ہی نہیں پیتا کیونکہ وہ سردی سے جم گیا ہے یا یہ کہ سردی کی تکلیف سے رہی گل و سنبل شیر خوردہ بنے ہوئے تھے شیر خوردہ مجاز ہو جانے کا آب نارسیدہ سے اور مناسبت طفل سے لفظ دایہ استعمال کیا گیا۔ انھوں نے سنا خواہ میری بات دل نشیں ہوئی ہو

---

[1] مولوی عبدالقادر اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور چونکہ یہ طریقۂ نماز امامیہ مذہب کے مطابق نہ تھا۔ اس لئے نواب یعسوب الدین خاں نے اظہار نفرت کیا۔

میری خاطر[1] سے پسند کر لیا ہو۔

نواب دلاور جنگ کے یہاں علمی صحبت:۔ ایک دن مرزا حسین بخش نے نواب دلاور جنگ کے فرزند صولت[2] جنگ کی خدمت میں باریاب کیا ایسے گفتار و کردار کا نوجوان امیرزادہ اس ملک میں تو کیا کہیں اور بھی کم ملے گا۔ امیرانہ شان محفوظ رکھتے ہو۔ ہر شرفاء کی انتہائی دلجوئی ملحوظ رکھتے تھے جیسے ہی میں نے دروازہ میں قدم رکھا وہ ایک کمرہ سے باہر آ گئے اور میں بغل گیر ہو گئے اور دوسرے کمرے میں لے جا کر بٹھایا پھر جب دیکھا کہ میں جانا چاہتا ہوں تو خدمت گار کو اشارہ کیا چند قسم کے عطر لا کر ان کے سامنے رکھ دئے، مجھے اشارہ کیا کہ یہاں پر ہندوستان جیسے اچھے عطر تو شاید کم ملیں گے تاہم ان قسموں میں سے کوئی پسند کر و تھوڑا تھوڑا میں نے سب کو سونگھ کر دیکھا اور سب کی تعریف کی۔ کہنے لگے اگر چاہو تو اور کمروں کی بھی سیر کر لو میں نے کہا جیسے ارشاد ہو، اٹھے میں ان کے پیچھے پیچھے چل دیا اور رخصت ہو کر اسی دروازہ سے باہر نکلا جس سے داخل ہوا تھا اور وہ محل سرا میں رونق افروز ہو گئے اگر بہ نظر غائر دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ گھر کے دروازہ ہی پر استقبال ہوا اور وہیں تک مشایعت ہو گئی رخصت کے وقت عطردان دے دیا، اس کے علاوہ کچھ نہ کیا اور اسی مجلس میں کہا کہ اگر کچھ عرصے یہاں رہو تو مجھے اصطرلاب کا شوق ہے حاجی باقر جو ہمارے شہر کے فاضل ہیں اس مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کرا سکتے وہ چاہتے ہیں کہ منقول کی طرح معقول کو بھی میں ان سے تسلیم کر لوں میں نے گزارش کی کہ ان ظروف مدور کی باتیں جیسی کہ میں سمجھتا ہوں خدا ہی جانتا ہے۔ فرمایا ایک صفحہ پر تین دائرے ایک مدار راس الجدی دوسرا مدار راس الحمل تیسرا مدار راس السرطان

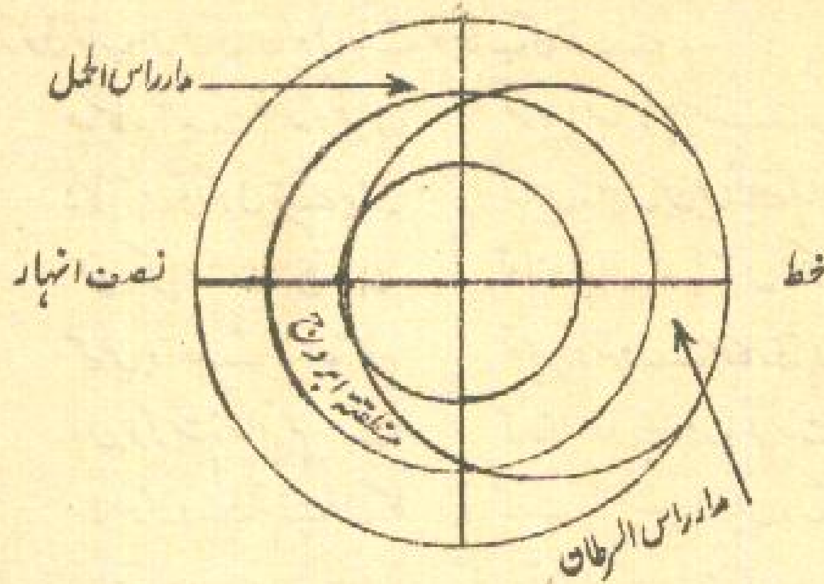
۱؎ مؤلف نے جو شرح بیان کی ہے اس میں اغلاق ہے شیخ سعدیؒ اصل میں گلاب اور سنبل کی مدح سرائی کرتے ہیں اور ہر ایک میں دو دو باتیں ثابت کرتے ہیں گلاب میں حسن اور نزاکت اور سنبل میں باریکی اور پیچ در پیچ ہونا۔ گلاب کے حسن کی تشبیہ عارض خوباں سے دی ہے اور نزاکت کی تشبیہ اس بچہ سے دی ہے جس نے پیدا ہو کر ابھی دودھ نہ پیا ہو سنبل کی تاریکی زلف خوبان کے مشابہ ہے اور اس کی پیچیدگی و شکن دار ہونا ایسا ہے جیسے کوئی بڑھیا سردی کی وجہ سے سکڑ سکڑ کے بیٹھ گئی ہو۔

۲؎ مہام الدولہ صولت جنگ کا اصل نام سعید احمد خاں تھا باپ کا نام مرزا احمد تھا نواب علی وردی خاں کے حقیقی بھتیجے اور داماد تھے نواب الہ وردی خاں کی لڑکی آمنہ بیگم ان کو منسوب تھیں نواب الہ وردی خاں نے ان کو اڑیسہ کی نظامت پر سرفراز کیا تھا۔

تواریخ ڈھاکہ ۸۸

تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ۲۵۸

کس طرح کھینچتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ پہلے مدار راس الجدی کا دائرہ جتنا بڑا چاہیں کھینچ لیں اور اس میں دو خطوط مستقیم ایک دوسرے کو مرکز پر عمودی حالت میں کاٹتے ہوئے کھینچ لیں ایک کا نام نصف النہار اور دوسرے کا خط اعتدال رکھیں اب نصف قطر (خط نصف النہار کا نصف) کو برابر کے سات حصوں پر تقسیم کریں اور ابتداء خط سے پانچویں نشان کو مرکز قرار دے کر پہلے دائرہ سے ملا ہوا ایک دائرہ کھینچیں یہ دائرہ منطقۃ البروج ہوگا پھر پرکار اصل مرکز پر رکھ کر جہاں منطقۃ البروج خط اعتدال کو کاٹ رہا ہے ایک دائرہ کھینچیں یہ دائرہ منطقۃ البروج ہوگا پھر پرکار اصل مرکز پر رکھ کر جہاں منطقۃ البروج خط اعتدال کو کاٹ رہا ہے ایک دائرہ کھینچیں یہ مدار راس السرطان ہے۔ شکل یہ ہے۔



یہ اس لئے ہے کہ فلک میں تقاطع معدل النہار اور منطقۃ البروج واقع ہے۔ صفحہ میں بھی لازمی ہے کہ وہ خط اعتدال کو جو بمنزلہ معدل النہار کے ہے دو جگہ قطع کرے اور وہاں پر اگرچہ مرکز منطقہ اور معدل ایک ہے مگر قطب ہر ایک کا جداگانہ ہے لیکن صفحہ میں بہ شکل ۵ مقالہ ۳ اصولاً دوائر منطقۃ الاقطاب متقاطع بہ کرہ کا ایک مرکز پر کھینچنا محال ہے پھر مدار راس الحمل اور اسی طرح مرکز مدار راس سرطان و جدی علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن تینوں کے قطب وہی معدل والے قطب ہیں اور کرہ کے متحد الاقطاب دائرے صفحہ میں ایک مرکز پر آتے ہیں اور مدار راس الحمل اور مدار راس المیزان کرہ میں برابر ہی ہیں ایک مدار راس معدل اور منطقۃ البروج کے شمالی تقاطع کی جانب ہے اور دوسرا جنوبی تقاطع کی جانب۔ لامحالہ صفحہ میں یکساں ہیں۔ اور وہی ایک دائرہ دو مقام یعنی تقاطع منطقۃ البروج اور خط اعتدال پر قطع کرتا ہے اور

ان دونوں مقاموں کا نام "دو اعتدالی نقطے" ہے اور مدار راس الجدی چونکہ معدل اور منطقۃ البروج سے بہت دور ہے اور ایسے ہی مدار راس السرطان۔ ضروری ہے کہ منطقۃ البروج کے ایک نقطہ پر ہر ایک مل جائیں اور جب نصف قطر کے ساتوں حصّوں کو دوگنا کیا تو سب چودہ ہو گئے اور جب پانچ کو دوگنا کیا تو سب دس ہوئے مرکز صفحہ کے ایک جانب سات اور دوسری جانب تین۔ جس وقت مدار راس السرطان کے مرکز پر ان سات قسموں میں سے تین قسم کے فاصلہ پر دائرہ کھینچیں تو لامحالہ منطقۃ البروج سے مل جائے گا۔

نواب دلاور جنگ اس تقریر کو غور سے سنکر خوش ہوئے اور پوچھا اس فن کی کوئی کتاب تمہارے پاس ہے میں نے کہا نہیں جو کچھ ہے بس یہی ناچیز ہے۔ البتہ مرزا حسین بخش صاحب کو مہندے کے مکان پر بھیجدیا جائے اگر کوئی کتاب اس فن کی ان کو مل جائے تو جناب کی نذر ہے۔

چہ کار آیدت نامہ دیگراں	مگر بہر افسانۂ باستاں
نہ کام آئیں گی کوئی تیرے پرانی	کتابیں نہ ہوں جن میں قصے کہانی
سخن را کہ باشد خرد بیخ و بن	تو از دیگراں گدیۂ آں مکن
سمجھ میں جو آجائے تیرے سخن	تو پھر دوسروں سے بھکاری نہ بن
بدل جو کہ بہتر ز جام جم است	کہ جام از دل جم زور بانم ست
مطالعہ کرو پہلے تم اپنے دل کا	کہ ہے جام جمشید دربان دل کا

بہادر علی خاں اور دوسرے احباب نے نواب بلند اقبال کے سامنے جس طرح چاہا میرا نام لے دیا۔ دوستوں کی چرب زبانی کی بنا پر ان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ اگر تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھ جایا کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ زندگی بھر ہمارے ہی پاس رہ جائے اور لوگوں کی رائے ہے کہ ایسی خوبیوں کا ایک شخص ہمارے پاس رہنا چاہیئے کیونکہ اس کساد بازار عالم میں انسان بہت کم ملتا ہے اس کے بعد پوچھا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ ایک نے کہا سُنی۔ دوسرے نے کہا شیعی۔ ایک گروہ نے کہا کہ معلوم نہیں۔

میں نے جب یہ تذکرہ سُنا تو اپنے دوستوں سے کہہ دیا کہ نواب کی ملازمت سے مجھے باز رکھیں کیونکہ ایک سرمایہ دار مہندے کے برابر میری وقعت نہیں ہوسکتی خود بدولت نواب صاحب ایسٹھ کے مکان پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ مجھے امامت، مجتہدی، امام باڑے کی تولیت یا حج و زیارت کی نیابت کی

خواہش نہیں ہے۔ پھر اگر ایسی گفتگو درمیان میں آئی تو آزادانہ جواب دوں گا جس کا انجام مجھے اپنے اور مہربان کے لئے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

میں نے بہت جلد سفر کی تیاری کر دی یہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء کی روداد تھی اس وقت کلکتہ کے گورنر لارڈ ماٹرا[1] اور مرشد آباد کے ناظم سید زین الدین علی خاں بلند اقبال تھے جو نواب دلیر جنگ عرف ببر جنگ کے فرزند ہیں اور وہ نواب صادق علی[2] خاں میرن کے علاتی بھائی نواب مبارک الدولہ[3] کے لڑکے ہیں

---

[1] ۴ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو لارڈ منٹو مستعفی ہوئے اور لارڈ ماٹرا ان کے عہدہ پر مقرر ہو کر آئے اس کے عہد میں راجہ نیپال سے لڑائی ہوئی اور اس علاقہ کا بڑا حصہ ۱۸۱۵ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آیا ۱۸۱۸ء میں رعایا کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک انجمن اسکول بک سوسائٹی کلکتہ میں قائم کی اور اس کے ذریعہ سے جابجا اسکول جاری ہوئے ۱۸۱۹ء میں ایک مکتب ڈھاکہ میں بچوں کی تعلیم کے لئے جاری ہوا۔ اور شہر کے رؤسا و عمائد نے اس مکتب کی حمایت کی اور انگریزوں نے بھی اس کی بڑی تائید کی اور بہت لڑکے اس میں داخل ہوئے ۱۸۲۲ء میں لارڈ ماٹرا راہی انگلینڈ ہوئے اور ان کی جگہ لارڈ امہرسٹ آئے۔

تواریخ ڈھاکہ ص ۱۲۴، ۱۲۵

[2] میر جعفر کا فرزند تھا اسی کے حکم سے نواب سراج الدولہ قتل ہوا تھا میر جعفر نے بوجہ کبرسنی کے میر صادق علی خاں کو انتظام حکومت میں دخیل کیا اس نے رعایا کو تنگ اور ناراض کیا اور مخلوق پر ظلم ڈھائے گھسیٹی بیگم و آمنہ بیگم دختران علی وردی خاں کے مال و اسباب کو ضبط کر لیا اور ان عورتوں کو دریا میں ڈبو دیا مگر منتقم حقیقی کی گرفت سے کون بچتا ہے اس کے اوپر بھی ٹھیک ایک ماہ کے بعد بجلی گری اور ۲ جنوری ۱۷۶۰ء کو یہ ظالم کیفر کردار کو پہونچا اس کا لڑکا نواب دلیر جنگ عرف ببر جنگ تھا۔

تواریخ ڈھاکہ ص ۱۰۴، ۱۰۹

تاریخ جدید صوبۂ اڑیسہ و بہار ص ۳۰۳

[3] نواب مبارک الدولہ میر چہارم میر جعفر خاں نواب سیف الدولہ کے بعد مسند نشین نظامت ہوا اس کے عہد میں مشاہرہ نواب ناظم کا پچاس لاکھ سے سولہ لاکھ ہوا ۱۷۹۵ء میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ناصر الملک ببر جنگ جانشین ہوا۔ مبارک الدولہ ہمیشہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا انتظام کا مادہ بالکل نہ تھا۔ برسات میں ایک کشتی بنا کر دریا میں چھوڑتا اور اس پر کشتی کرتا اور خواجہ خضر کی نیاز میں ہزاروں روپیہ صرف کرتا اسی طرح ہولی اور دیوالی کے مراسم خود ادا کرتا اور ہزاروں روپیہ ان تقریبات پر صرف کرتا انتظام ریاست سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صاحب سیر المتاخرین نے اس کے حالات تفصیل سے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔

تواریخ ڈھاکہ ص ۱۱۴، ۱۲۱

سیر المتاخرین ص ۸۲۱، ۸۲۳

اور یہ فرزند ہیں جعفر علی[1] خاں کے جو سراج الدولہ[2] جانشین مہابت جنگ[3] کی جان و ریاست کا غاصب تھا
نمازی بھی ہے اور شراب خوار بھی، نیکی اور بدی کا پلہ برابر رکھتا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ مبارک الدولہ
کی اولاد میں نواب میر منگلی ریاست کے شایان ہے۔ لیکن بندہ نے اس کو نہیں دیکھا۔
حالات مرشد آباد:- مرشد آباد مرشد قلی خاں[4] کا آباد کردہ ہے۔ اکثر محلے وبا سے ویران ہو گئے ہیں۔ مبارک الدولہ کا

---

[1] نواب علی وردی خاں ناظم بنگالہ کے انتقال کے بعد ۱۰ اپریل ۱۷۵۶ء کو اس کا نواسا نواب سراج الدولہ پسر نواب زین الدین خاں بنگال و بہار کی حکومت پر مسند نشین ہوا جنگ پلاسی میں انگریز کامیاب ہوئے سراج الدولہ نے راہ فرار اختیار کی۔ انگریزوں اور میر جعفر نے پہلے سے ساز باز کی تھی لہٰذا میر جعفر کو مسند نشین کیا۔ سراج الدولہ راج محل سے گرفتار ہو کر مرشد آباد آیا اور میر محمد صادق خلف میر جعفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ میر جعفر سے جب انتظام درست نہ ہوا تو انگریزوں نے اس کو دست بردار کر کے اس کے داماد میر قاسم کو بٹھایا مگر میر قاسم نے انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننا گوارا نہ کیا اور ان سے مقابلہ کیا ۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ ہوئی پھر دوبارہ میر جعفر کو باوجود ضعیف و جذام میں مبتلا ہونے کے مسند نشین کیا مگر ۱۷۶۵ء میں میر جعفر مر گیا۔

تاریخ ڈھاکہ ۳ ۹۶ ، ۱۱۱

تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ۲ ۲۸۵ ، ۳۸۱

Glimpses of old Dokah - p - 145 - 162

[3] مرشد قلی خاں کے بعد اس کا داماد شجاع الدین ناظم بنگالہ مقرر ہوا شجاع الدین کے ایک رشتہ دار مرزا محمد کے دو لڑکے تھے حاجی احمد اور مرزا محمد علی عرف علی وردی خاں۔ شجاع الدین نے ان دونوں بچوں کی تربیت کی علی وردی خاں بڑا شجاع بہادر اور دلیر تھا۔ مختلف عہدوں پر ممتاز رہا شجاع الدین کے بعد اس کا لڑکا سرفراز خاں ناظم بنگالہ مقرر ہوا مگر علی وردی خاں نے بادشاہ دہلی سے نظامت بنگال کی سند حاصل کر لی اور سرفراز خاں کو قتل کر دیا۔ ۱۷۴۰ء میں علی وردی خاں حسام الدولہ شجاع الملک مہابت جنگ ۶۵ سال کی عمر میں بنگال و بہار و اڑیسہ کی نظامت پر سرفراز ہوا علی وردی بڑا شجاع اور زیرک صوبہ دار تھا ۱۰ اپریل ۱۷۵۶ء کو علی وردی خاں کا انتقال ہوا چونکہ کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے سراج الدولہ اس کا نواسا اس کا جانشین ہوا۔

تاریخ ڈھاکہ ۲ ۹۱ – ۹۵

تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ۲ ۲۵۰ ، ۲۸۵

Glimpses of old Dhaka P. 136 - 144

[4] مرشد قلی خاں کا اصل نام جعفر خاں تھا اور اس کو بوڑا خاں بھی کہتے تھے اس کا باپ ایک مسکین اور تنگ حال برہمن تھا حاجی شفیع نامی کوئی ایرانی تاجر مرشد قلی خاں کو خرید کر اصفہان لے گیا وہاں اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کی حاجی شفیع کی وفات کے بعد مرشد قلی خاں پھر ہندوستان آیا اور دکن میں صوبیدار کی ملازمت کر لی اور اپنے کام کو بڑی قابلیت سے انجام دیا۔ ۱۷۰۱ء میں دیوانی بنگال پر سرفراز ہوا اور یہاں کے انتظام کو

(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

خاندان بڑا عالی ہمت ہے یہ لوگ آمدنی سے زیادہ خرچ کر ڈالتے ہیں، شراب۔ رنڈی۔ ناچ۔ رنگ ڈہاں بلائے عام ہے زاہد نام اسی کا ہے خرقہ پہن لے مگر لوگ ناموس مزاج اور مسافر نواز ہیں وہاں کے تمام رئیس امامیہ مذہب ہیں، تجارت پیشہ، دوکان دار، اہل حرفت اور روزگار پیشہ سنی اور شیعہ دونوں ہیں۔

ایک نیا مذہب جس کو نوویہ کہتے ہیں[1] محمد شاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جس کی تفصیل سیر المتاخرین میں موجود ہے اس فرقہ کا سرگروہ "ویدفر" نامی اس وقت اس شہر (مرشد آباد) میں مقیم تھا، اور رئیس شہر بھی اس مذہب کی عید کے دن محفل میں شامل ہوتا تھا۔

صرافہ کے ہندوؤں میں سے ایک ہندو کو ہندوستانی لوگ بڑا زردار سمجھتے ہیں اور اس کو سیٹھ کہتے ہیں ناگوری الاصل ہے اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر وشنو طریقہ اختیار کر لیا ہے تمام ہندوستان میں اس کی سرمایہ داری کے قصے مشہور ہیں اور اس کی مال داری کے متعلق طرح طرح کی باتیں جو عقل سے بعید ہیں زبانوں پر ہیں اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ دکھنیوں (مرہٹوں) کی لوٹ کھسوٹ کی بنا پر شہر کے سرمایہ دار قیمتی جواہرات اس سیٹھ کے

نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ

بہت توجہ سے درست کیا شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اس سے بہت خوش ہوا بنگال و بہار کی نظامت سپرد کی سترہ سال تک بنگال و بہار واڑیسہ کی نظامت پر سرفراز فرمایا ۱۷۲۵ء میں انتقال ہوا۔

تواریخ جدید صوبہ اڑیسہ بہار ۲۳۹، ۲۴۰

تواریخ ڈھاکہ ص ۷۱ - ۷۹

The Roman of an Eastein Capital hP 183 - 190

Glimpses of old Dhaka p 119 - 120

[1] مشہد کا رہنے والا ایک شخص محمد حسین تھا وہ اس مذہب کا بانی ہوا۔ اور بیگوکیت کا عقیدہ جاری کیا۔ کہتا تھا ہر اولوالعزم پیغمبر کے نو بیگوک تھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اول بیگوک حضرت علی بن ابی طالب تھے اور آٹھویں بیگوک امام رضا تھے آٹھویں امام تک امامت اور بیگوکیت جمع رہی اس کے بعد بیگوکیت اس شخص محمد حسین کو ملی اور امامت محمد تقی کو ملی۔ اور خود کو امامیہ مذہب ظاہر کرتا تھا اور اہل سنت کو بتاتا تھا کہ بیگوک اول حضرت ابوبکر صدیق تھے اسی طرح بالترتیب چاروں خلفاء راشدین اور چار اموی و عباسی خلفاء میں سے جو نہایت نیک اور عادل ہوتے تھے بیگوک شمار کرتا تھا اور نواں بیگوک خود کو ظاہر کرتا تھا۔ پانچ وقت کی نماز کے بجائے صرف تین وقت صبح، دوپہر اور شام کی عبادت رکھی تھی۔ صاحب سیر المتاخرین نے اس نئے مذہب کے بانی کے لڑکوں سے ملاقات کی تھی صاحب سیر المتاخرین نے مفصل حالات لکھے ہیں۔

سیر المتاخرین ۲۲۵ - ۲۲۰

مورث کے پاس رکھ کر بھاگ گئے تھے جب دکھنی لشکر واپس ہو گیا اور اس غاصب نے مالکان زر کے آنے کی خبر سنی تو گنگا نہانے چل دیا اور امانت کی کتاب ساتھ لے گیا بوڑھا تو تھا ہی اور مال کا عاشق تھا پانی میں بیٹھ رہا لوگوں کی بے انتہا قیمتی امانتیں اس کی اولاد کے پاس رہیں۔

نکو ہیدہ کردار با خود ببرد — زر و سیم واماندگاں را سپرد
بھلے آدمی نے یہ کرتوت کر کے — دیا مال بچوں کو بے موت مر کے

منزل عظیم آباد:۔ غرض مرشد آباد سے کشتی میں بیٹھ کر عظیم آباد تک پہونچا اور ایک روز ٹھہر کر روانہ ہو گیا۔ اس شہر میں ایک درویش شہرۂ آفاق تھا شاہ حمزہ اس کو کہتے تھے میں نے ڈھاکہ میں اس کو دیکھا تھا نہ شریعت کا پابند تھا نہ دنیا داری سے آزاد، بھنگ کی خشکی نے اس کے دماغ کو تباہ کر رکھا تھا۔ پریشان کلمات بہت بکتا تھا نادان لوگ ان باتوں کو رموز و معارف سمجھتے تھے ایک شخص اور تھا جس کو ٹکیا شاہ کہتے تھے کوئلے کے چورے کی ٹکیوں کے اس کے پاس ڈھیر لگے تھے جو چلم کی آگ کے کام آتے ہیں بظاہر تو دیوانہ ہے مگر خدا عالم الغیب ہے۔

ورود بنارس:۔ چونکہ سفر خرچ پاس نہ رہا تھا بنارس میں اُترنا پڑا کچھ اسباب فروخت کیا اور تین روز وہاں ٹھہرا۔ میر

لے شہزادہ عظیم الشان پسر محمد معظم (بہادر شاہ) کو ۱۶۹۷ء میں بنگال کی حالات کی درستی کے لئے اورنگ زیب عالمگیر نے بھیجا پھر بہار کی صوبیداری پر نامزد ہوا بڑا بہادر، دلیر اور شجاع شہزادہ تھا شہزادہ عظیم الشان نے پٹنہ کے قلعہ کو از سر نو مرمت کرایا اور اس کے اندر کی عمارات کو بھی درست کرایا اور پٹنہ کو بہت کچھ ترقی دی اور یہ شہر عظیم آباد کے نام سے مشہور ہوا شہزادوں نے ہر فرقہ اور ہر گروہ کے محلے جدا گانہ بنائے مقدیان دفتر شاہی کے لئے دیوان محلہ آباد کیا، امراء لئے فوج کے لئے لودی کٹرہ بسایا مغلوں کے لئے مغلپورہ شہزادوں اور امراء کے لئے محلہ کیواں شکوہ آباد کیا عظیم الشان کا مقصد تھا کہ عظیم آباد کو دوسری دلی بنا دے مگر موت کس کو چھوڑتی ہے جب اس کے والد بہادر شاہ نے ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء میں لاہور میں انتقال کیا دعوے داروں میں جنگ ہوئی عظیم الشان اس معرکہ میں فوراً کامیاب ہو جاتا مگر بدقسمتی سے اس کی سواری کا ہاتھی عین لڑائی میں بدمست ہو کر ایسا بھاگا کہ شاہزادے کو لئے دریائے راوی میں گر پڑا اور یوں شہزادے نے ملک عدم کی راہ لی۔ تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ۲ ۲۳۶، ۲۳۷

تواریخ ڈھاکہ ۲ ۴۳، ۴۴، ۷۵

Glimpses of Old Dhaka p. 111-118

The Romances of an Eastern Capital p. 187-190

Dacca P 44-46

نصیرالدین سے جن سے پیشتر بریلی میں شناسائی ہوگئی تھی پھر ملاقاتیں ہوئیں آخر یہاں سے پھر لکھنؤ کو روانہ ہوگیا۔ چنگی والوں نے رشوت کے لالچ میں میرے سامان میں سے کپڑے کے چند عدد نکال لئے چاہتے تھے کہ روپیہ بھی لے لیں اور احسان بھی رکھیں میں نے رسید لے کر وہیں چھوڑ دئے اور ایک درخواست بذریعہ ڈاک کلکٹر کے پاس بھیجکر میر نصیر صاحب کے ذریعہ اس کی قیمت وصول کرلی۔ ایک روز جون پور رہا۔ عمارتوں میں پل اور تحفوں میں تیل وہاں کا سب جگہ مشہور ہے پھر لکھنؤ پہونچا۔

قیام لکھنؤ:۔ مرزا کاظم شیرازی نے جو نواب سعادت علی خاں کے باورچی خانہ میں ملازم تھا پھر علیحدہ ہوکر سوداگری کر رہا تھا مجھے دیکھ لیا اور اس خیال سے کہ شاید ڈھاکہ سے تجارت کا مال لایا ہوگا بے حد منت و سماجت سے مجھے اپنے گھر لے گیا یہ مکان نیا بنا ہوا تھا مجھے یوں پسند آیا کہ خاص بازار کے قریب تھا اور یہ زمانہ نواب سعادت علی خاں کے آخری عہد کا تھا[1] جب میں نے سامان دھوپ میں ہی چھوڑ دیا تب وہ سمجھا کہ مسافر ہے تاجر نہیں ہے اب اسے مروت مانع ہوئی کہ مجھے گھر سے نکال دے۔

حکیم مرزا محمد علی:۔ اسی روز میرا ہم محلہ امیر خاں جو عبدالباقی خاں کے رسالہ میں نوکر تھا مجھ سے ملنے آیا۔ اس کی میرے ایک ساتھی سے ملاقات ہوگئی تھی اس لئے اسے میری آمد کا علم ہوگیا تھا۔ میر عبدالعلی سہسوانی[2] جو بندہ کے ہم سبق تھے اور منو معماران کے والد[3] سے عقیدت رکھتا تھا خود مع مرید مجھ سے آکر ملے دوسرے روز میں میر عبدالعلی سے ملنے گیا وہ مکان پر نہ ملے ان کے بھائی سے معلوم ہوا کہ نفیسی شرح موجز[4] حکیم مرزا محمد علی صاحب کے یہاں پڑھنے گئے ہیں پوچھتے پوچھتے

---

[1] نواب سعادت علی خاں فرزند نواب شجاع الدولہ ۱۷۹۸ء سے ۱۸۱۴ء تک حاکم اودھ رہا تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اودھ جلد چہارم از نجم الغنی و قیصر التواریخ جلد اوّل۔

[2] میر عبدالعلی کا وطن سہسوان ضلع بدایوں تھا تحصیل علم رام پور، دہلی اور لکھنؤ کی ریاست ٹونک میں بعہد نواب وزیرالدولہ سر رشتہ کی نظامت کے عہدہ پر ممتاز رہے مولانا فضل حق خیرآبادی نے مولوی اسمٰعیل شہید کے رسائل کا رد لکھا میر عبدالعلی نے مولانا فضل حق خیرآبادی کے ان رسائل کے جواب دئے کچھ دنوں رام پور میں بعہد نواب محمد سعید خاں بھی رہے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ حیات العلماء ص ۳۹، ۴۰ از عبدالباقی سہسوانی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۲ء

[3] میر عبدالعلی کے والد کا نام مولوی تراب علی تھا جو نہایت فاضل اور درویش صفت شخص تھے۔

[4] موجز قانون، قانون شیخ کا خلاصہ ہے جو علاؤ الدین علی ابن ابی الحزم قرشی المعروف بہ ابن نفیس المتوفی ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء نے کیا ہے اس کی تین شرحیں نفیسی، سدیدی اور اقصرائی مشہور ہیں۔

میں وہیں پہونچا اور سلام کر کے بیٹھ گیا کتاب میں بحث یہ تھی کہ معتدل حقیقی کا وجود اگر ہو بھی جائے تو کہاں ہو کیونکہ ہر مرکب اپنے غالب جزء کے مکان میں ہوتا ہے اور معتدل میں کوئی جز غالب نہیں ہوتا لہٰذا اس کا وجود محال ہے میں نے کہا جس جگہ ترکیب پائے وہیں رہ سکتا ہے کیونکہ وہاں سے دوسرے مکان میں منتقل ہونے کا کوئی سبب نہیں یہ سن کر ——— حکیم صاحب نے خیال کیا کہ شاید یہ ماہر فن ہے ان کو اس کی کیا خبر تھی کہ ہر دانش مند سے سن سن کر کچھ کچھ یاد کر لیا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ حکیم صاحب نے درس ختم کر دیا اور مجھ سے پوچھا کہ یونانیوں کے مسئلہ الٰہیات کہ وجود محض خیر ہے اور عدم محض شر، اس کا کیا مطلب ہے خدا کی مدد تھی کہ اسی روز اس مسئلہ کو ہدایۃ الحکمۃ[1] کی شرح ملا شرح صدرا میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے بیان کر دیا۔ اور ایک رباعی بھی پڑھ دی جس میں اجمالاً یہ مسئلہ میں نے نظم کیا تھا۔

نیکو بنگر کہ ہست در ملک وجود	خیر کلی ز شر جزئی مقصود
اس ملک وجودی پہ ترا غور ذرا ہو	مقصود بھلائی ہے شر اگر چہ ذرا ہو
بر چہرۂ زیبا کہ بود خال سیاہ	پیداست کہ جز حسن چہ خواہد افزود
چہرے پہ حسینوں کے اگر خال سیاہ ہو	ہرگز نہ کہے کوئی کہ وہ نقص نما ہو

حکیم صاحب رباعی سن کر بے حد خوش ہوئے اور بندہ کے متعلق جو کچھ ان کے دل میں آیا میر انشاء اللہ خاں سے کہہ دیا۔ حکیم (مرزا محمد علی) صاحب[2] (میر انشاء اللہ) خاں صاحب اور میر عبد العلی تینوں بزرگوار مجھ سے ملنے آئے اور نوازش فرمائی۔

---

[1] ہدایۃ الحکمۃ اثیر الدین ابہری کی تالیف ہے جس پر ملا صدر الدین محمد ابن ابراہیم الشیرازی کی شرح ہے جو شرح صدرا کے نام سے مشہور ہے۔ ملا صدر الدین میر باقر داماد اور بہاؤ الدین آملی کا مشہور شاگرد ہے ہدایت الحکمۃ پر میر حسین معین الدین المیبذی کی شرح بھی مشہور ہے میبذی پر توضیحات و حواشی مولانا امین اللہ صاحب لکھنوی نے لکھے ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ ہدایت الحکمۃ کی شرح مولانا عبد الحق خیر آبادی ابن مولانا فضل حق خیر آبادی نے بھی لکھی ہے۔

[2] لکھنؤ کے نامی گرامی طبیب تھے محلہ توپ دروازہ میں رہتے تھے سنہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں انتقال کیا میر علی اوسط رشک نے تاریخ وفات کہی ہے۔

بقراط زمانہ بو علی سینا	اے فخر ہمہ سابق و لاحق افسوس
تاریخ وفاتش قلم رشک نوشت	افسوس طبیب ہائے حاذق افسوس ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء)

مختصر سیر ہندوستان از حکیم محمد وحید اللہ بدایونی ۸۲ (مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء))

میر انشاء اللہ خاں:۔ دوسرے روز میر انشاء اللہ خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ وہ شعر و شاعری میں مشہور ہیں لیکن میری دانست میں علم مجلسی اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس کام میں وہ یکتائے زمانہ کہے جاسکتے تھے۔ اردو فارسی عربی بنگالی پوربی مرہٹی کشمیری ترکی اور افغانی لوگوں سے ان کی ہی زبان میں گفتگو کرتے تھے فارسی نثر بے تکلف خوب رواں لکھ لیتے تھے تیر اندازی، شمشیر بازی اور گھوڑے کی سواری اچھی جانتے تھے وکالت کے ذریعے جو کچھ ملتا سب جمع رکھتے رندوں میں پیر مغاں اور حلقہ مشائخ میں شیخ صنعان بنے ہوئے تھے[1]

محفل مشاعرہ۔ ایک دن مشاعرہ کی محفل میں جو ان دنوں مرزا جعفر[2] کے مکان پر ہوتی تھی میں بھی چلا گیا

---

[1] میر انشاء اللہ خاں ولد میر ماشاء اللہ خاں مرشد آباد میں پیدا ہوئے نہایت ذہین و فطین تھے شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں ان کی سرکار سے وابستہ رہے پھر لکھنؤ پہونچے اول شہزادہ سلیمان شکوہ سے متعلق رہے پھر علامہ تفضل حسین کی سفارش سے نواب سعادت علی خاں کے دربار میں رسائی ہوئی ان کی کلیات اور دریائے لطافت مشہور ہے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے۔

۱۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابواللیث ص ۱۹۹ - ۱۹۰

۲۔ گل رعنا از حکیم عبدالحئی ص ۲۵۳ - ۲۶۳ دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

۳۔ تاریخ داستان اردو ص ۱۴۵ - ۱۵۱ ۴۔ آب حیات از مولوی محمد حسین آزاد ص ۲۵۴ - ۳۰۳ مطبوعہ پنجاب پریس لاہور

۵۔ گلشن ہند از مرزا علی لطف ص ۴۱ - ۴۳۔

۶۔ تذکرہ شعراء (از ابن امین اللہ طوفان) مرتبہ قاضی عبدالودود ص ۳ - ۴ مطبوعہ آزاد پریس پٹنہ سنہ ۱۹۵۵ء

۷۔ گلستان بے خزاں از حکیم قطب الدین ص ۱۰ - ۱۱ مطبوعہ نولکشور پریس سنہ ۱۲۶۱ھ

[2] مرزا جعفر کا اصلی نام مرزا فخر الدین احمد خاں تھا بہت ہوشیار آدمی تھا لکھنؤ کے حالات پر پوری پوری اطلاع رکھتا تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے حالات کو اکثر مسخ کرکے رزیڈنٹ بیلی سے بیان کرتا تھا اس سے نواب کو رنج ہوتا تھا۔ نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں مرزا جعفر اور اس کے فرزند مرزا قمر الدین احمد خاں عرف مرزا حاجی کو خوب عروج ہوا کیونکہ غازی الدین حیدر کو تخت نشین کرانے میں ان لوگوں کی کوشش بھی شامل تھیں مرزا جعفر سنہ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ قطعہ تاریخ انتقال

میرزا جعفر کہ دائم از امام جعفرش — حب بر دل بود ایں بر ہر دو عالم ظاہر ست

بہر تاریخ وفاتش چوں تامل شد مرا — آمد از ہاتف ندا جعفر بنزد جعفر ست — سنہ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۹۰، ۱۱۵، ۲۰۶

قیصر التواریخ جلد اول ص ۲۲۹

مرزا محمد حسین قتیل[1]، مصحفی، میر نصیر دہلوی[2] اس زمرہ میں سرگروہ شمار ہو رہے تھے اور شیخ امام بخش ناسخ[3] کو ان دنوں اس فن میں دن دونی شہرت حاصل تھی

میاں مصحفی: ۔ ایک روز میاں مصحفی کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا خوب تفصیلی ملاقات رہی کثرت سے لوگوں کو میر نجات کی گل کشتی پڑھاتے تھے اور اکثر لوگوں کے اشعار کی اصلاح بھی کرتے تھے مگر بایں ہمہ نان شبینہ

---

[1] فرید آباد (دہلی) کے رہنے والے تھے درگاہی مل کھتری کے بیٹے تھے سنہ ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۸ء) میں پیدا ہوئے پہلے دیوالی سنگھ نام تھا ۱۸ برس کی عمر میں مرزا محمد باقر شہید اصفہانی کی تعلیم سے متاثر ہو کر فیض آباد میں مسلمان ہوئے اور محمد حسین نام رکھا گیا فارسی کے شاعر و ادیب تھے مولوی غلام امام شہید اور مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی، قتیل کے مشہور شاگرد تھے مرزا قتیل دربار اودھ کے متوسلوں میں تھے نہر الفصاحت، چہار شربت، اور دیوان وغیرہ قتیل سے یادگار ہیں سید انشاء سے دوستی تھی قتیل کا اردو کے سلسلہ میں یہی کارنامہ ہے کہ دریائے لطافت کی ترتیب میں انشاء کے شریک ہے سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ء) میں انتقال کیا ناسخ نے تاریخ کہی ہے۔

سال ترحیل قتیل اے ناسخ　　　گفتہ ام "شہرۂ آفاق قتیل"

داستان تاریخ اردو ص ۱۵۲　　　تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۹۹

تلامذہ غالب ص ۱۶۶، ۱۶۷

[2] شاہ نصیر الدین نصیر دہلی کے رہنے والے تھے ان کے والد شاہ غریب نے تعلیم و تربیت میں بڑی کوشش کی مگر ان کی قسمت میں ملک سخن کی حکمرانی تھی شاہ محمدی مائل کے شاگرد ہوئے چند روز کی مشق میں اچھا کہنے لگے شاہ عالم کے درباری شعراء میں منسلک ہوئے لکھنؤ میں آئے دیوان چندولال کا شہرہ سن کر حیدرآباد پہنچے اور وہیں سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں انتقال ہوا۔

گل رعنا ص ۲۶۲ - ۲۸۷　　　تذکرہ شعراء مرتبہ قاضی عبدالودود ص ۴، ۵

آب حیات ص ۳۹۴ - ۴۱۰

[3] امام بخش ناسخ فیض آباد میں پیدا ہوئے خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے مشہور ہیں فیض آباد میں نواب محمد تقی خاں کے ملازم ہو گئے ان کی صحبت میں ترقی پا کر میر کاظم علی رئیس لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے لکھنؤ ہی میں تعلیم و شاعری کی طرف متوجہ ہوئے لکھنؤ اسکول کے خاص اساتذہ میں تھے اور اصلاح زبان میں بڑا کام کیا مرزا حاجی سے بھی توسل رہا سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں انتقال ہوا۔

لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۳۶۸ - ۴۰۶

آب حیات ص ۳۳۴ - ۳۶۰

گل رعنا ص ۳۲۰ - ۳۵۸

کے محتاج تھے اور کہتے تھے کہ میری پیدائش بلبھ گڑھ میں ہوئی جو شاہجہاں آباد کے قریب ہے[1]

مولوی محمد اسمٰعیل مراد آبادی (لندنی):۔ ایک دن مولوی وجیہ الدین[2] صاحب نے جو مراد آباد کے بزرگوں میں سے ہیں کرم فرمایا بندہ (مولوی عبدالقادر) بھی ان کی زیارت کے لئے محلہ نیا ہیڑہ (لکھنؤ) میں گیا۔ اور جناب مولانا کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد اسمٰعیل[3] صاحب کو جو ہر فن میں نئے طرز سے باتیں کرتے تھے دیکھکر بے حد خوشی ہوئی نسبتاً عجیب کہ باپ ان کو علماء گزشتہ پر ترجیح دیتے تھے۔ چھوٹے صاحبزادے

---

[1] غلام ہمدانی ولد شیخ ولی محمد نام مصحفی تخلص، امروہہ وطن تھا دہیات کی تحصیل دہلی میں کی، عربی میں جو خامی رہ گئی تھی اس کی تکمیل لکھنؤ کی، دہلی میں شاہ نیاز احمد بریلوی سے بھی کچھ پڑھا دہلی سے نکل کر نواب محمد یار خاں امیر فرزند نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ کی سرپرستی میں آنولہ پہونچے نواب محمد یار خاں ٹانڈہ (آنولہ سے متصل ایک گاؤں ہے) میں سکونت رکھتے تھے وہاں کچھ دنوں رہے پھر لکھنؤ چلے گئے آنولہ اور ٹانڈہ کی صحبتوں کو مصحفی نے لکھنؤ میں بھی یاد کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "واللہ کہ یاد آں صحبت گزشتہ داغ ناکامی بر دل درد مند گزارد" لکھنؤ میں مصحفی وانشاء کے معرکے مشہور رہے سنہ ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۵ء میں انتقال ہوا۔ مصحفی پر نثار احمد فاروقی نے ایک نہایت مبسوط مفصل اور تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے جو برہان دہلی (مئی تا دسمبر سنہ ۱۹۵۹ء) میں مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۱۹۱ - ۲۹۵ گل رعنا ص ۲۱۸ - ۲۳۰

آب حیات ص ۳۰۲ - ۳۳۱ تاریخ ادب اردو ص ۱۹۶ - ۱۹۷

مقدمہ ریاض الفصحاء از مولوی عبدالحق (دہلی سنہ ۱۹۳۴ء)

[2] مولوی وجیہ الدین کے والد کا نام مولوی شیر محمد تھا مولوی وجیہ الدین مراد آباد کے عمائدین میں تھے۔

[3] مولوی محمد اسمٰعیل ذہین، ذکی الطبع اور علوم مروجہ میں استعداد کامل رکھتے تھے مولوی تراب علی لکھنوی کے شاگرد تھے نصیر الدین حیدر نے سفارت پر لندن بھیجا اس لئے مولوی اسمٰعیل لندنی مشہور ہوئے ایک انگریز خاتون ڈف ان کے نکاح میں تھی مولوی محمد اسمٰعیل نے یورپ کے جدید علوم بھی حاصل کئے تھے مولوی محمد اسمٰعیل لندنی کی تصنیفات سے شرح یزدی اور حاشیہ میبذی مشہور ہیں صاحب تذکرہ علمائے ہند اسمٰعیل لندنی کے متعلق لکھتے ہیں "ہر گاہ بہ مدراس رسید زوجہ عیائیش گفت بزیارت بیت اللہ کہ از اینجا قریب است چرا نمی روی بجوابش گفت مرا بدیوار ہائے سنگیں اعتقادی نیست اعوذ باللہ من سوء الاعتقاد"

تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۹

نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی ص ۸۲ (کراچی سنہ ۱۹۵۱ء)

تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۳۲۸ - ۳۲۹

مولوی جمیل الدینؒ صاحب بے حد خلیق ہیں اگرچہ بڑے بھائی جیسی علمی لیاقت نہیں لیکن خوش خلقی کی بنا پر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

میر علی مرثیہ خوان:۔ ایک دن مہینہ کی پہلی جمعرات کو میر علی صاحب کی مرثیہ خوانی سننے چلا گیا مرثیہ سنا آواز اچھی ہے اور اس فن میں ایسی مشق اور مہارت حاصل کر لی ہے کہ اکثر موسیقی کے ماہرین کے ثنا خواں ہیں۔

اس کے بعد میں نے سفر کا ارادہ کیا۔ منو معمار اور حکیم (مرزا محمد علی) صاحب مانع ہوئے اور کہا کہ اتنا اور ٹھہر و کہ کسی دن تم کو نواب (سعادت علی خاں) تک پہونچا دیں میں نے کہا کب تک اُمید ہے کہا کہ برسات بھر یہاں رہنا پڑے گا۔ میرے پاس چار مہینے کے مصارف کی گنجائش نہ تھی لہذا معذرت کر دی حقیقت یہ ہے کہ جس دن میں اس شہر میں آیا تھا اسی دن ایک مخبر نے آکر کہا کہ دیوان خانہ کے نائب داروغہ لالہ امرت لالؔ نے کہا ہے کہ فلاں شخص کو ہمارا سلام پہونچا کر کہو کہ مقام جاندا کے اخبار نویس کی تحریر سے نام، وطن اور کلکتہ سے لکھنؤ آنا مجھے معلوم ہو گیا تھا آج شہر کی خبروں سے معلوم ہوا کہ اس نام و نشان کا شخص گوشائیں گنج سے نوآباد شہر میں آیا ہے اور خاص بازار کے قریب کاظم شیرازی کے مکان میں ٹھہرا ہے[۳] بعد مغرب میں (امرت لال) دو گھنٹے مکان پر رہتا ہوں اگر قدم رنجہ فرمائیں تو مفصل ارادہ اور حالات معلوم کر کے امیر نواب لکھنؤ کے

---

[۱] مولوی جمیل الدین مولوی وجیہ الدین کے چھوٹے صاحبزادے تھے ان کے نامور فرزند مولوی تاج الدین عرف مولوی منو تھے جنھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مرادآباد میں علم جہاد بلند کیا اور شہید ہوئے۔

روزنامہ انجام کراچی، جنگ آزادی نمبر مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء، العلم کراچی جنگ آزادی نمبر (اپریل ۱۸۵۷ء)

[۲] امرت لال عرض بیگی نواب شجاع الدولہ کی بیٹی مسیتی بیگم کی سرکار میں داروغہ دیوان خانہ بھی رہا ہے نواب غازی الدین حیدر اس سے بہت مطمئن تھے نہایت قابل شخص تھا مرزا قتیل کا شاگرد تھا۔

قیصر التواریخ جلد اول ص ۲۴۲

[۳] نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں سررشتہ اخبار کی کیفیت نہایت عمدہ تھی ہر قسم کی نیک و بد کی اطلاع دینے کے لئے ہرکارے ہر ضلع میں مقرر تھے اور شہر میں بھی ہر ایک امیر و سردار اور اہل خدمات دخل کی ڈیوڑھیوں پر ہرکارے خبر لکھنے کے لئے مقرر تھے اور کوئی سررشتہ ایسا نہ تھا جس میں ہرکارہ نہ ہو ہرکاروں کا یہ کام تھا کہ سود و زیان ریاست کے متعلق اور خاص خبریں بالتحقیق بہم پہونچا کر داروغہ اخبار کے افسر اعلیٰ کے پاس پہونچا دیں"۔

تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۴۳، ۴۴

حضور میں لکھ دوں۔ میں نے کہا قسمت میں ہوا تو کسی دن حاضر ہوں گا پھر میں نے سوچا کہ اپنا لباس امراء کے دربار کے قابل نہیں اور نہ اتنا سرمایہ ہے کہ اس کو بیچ کر یہاں (لکھنؤ) کے قیام اور سفر کا خرچ برداشت کر سکوں اس کام کا انجام دشوار سمجھتے ہوئے مہینہ بھر سیر کر کے گھر (رام پور) کو چل دیا۔

مولوی ظہور اللہ فرنگی محل:۔ ایک دن مولوی ظہور اللہ صاحب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا جو فرنگی محل (لکھنؤ) کے بزرگوں میں سے ہیں اور وہاں کے معمول کے مطابق فنون مروجہ کی اصطلاحوں اور مسائل کی تعلیم دیتے تھے[1]۔

صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی:۔ مولوی عبدالرحمٰن صوفی[2] کی بھی زیارت کی وہ ایک ایسے شخص تھے جو بظاہر شریعت کے پابند تھے لیکن مسجد میں گھر کے طریقے سے رہتے تھے سماع بھی وہیں سنتے تھے اور جو کوئی مسئلہ وحدت الوجود میں ان کے اعتقاد کے خلاف ہوتا اس کو کافر سمجھتے تھے تیز فہم اور خوش تقریر آدمی تھے مجھ کو بھی اپنے اعتقاد سے آگاہ کیا اور ایک رسالہ جو اس فن میں تصنیف کیا تھا خود مجھے عنایت کیا اور کہا کہ دیکھو اور اگر کہیں شک ہو تو پوچھو میں نے کہا یہ مسئلہ جب سے مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے لوگ تین طرح کے ہو گئے ہیں ایک اس کے ماننے والے یہ لوگ اگرچہ منکروں کو خطا پر سمجھتے ہیں لیکن کافر نہیں کہتے دوسرے منکر ان کے

---

[1] مولوی ظہور اللہ ولد مولوی محمد ولی سنہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے اپنے والد اور چچا ملا حسن سے علوم مروجہ کی تحصیل کی نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں عہدہ افتاء پر فائز ہوئے کسی وجہ سے عہدہ سے معزول ہوئے مگر نواب غازی الدین حیدر نے پھر مفتی مقرر کر دیا اپنے عہد کے نامور علماء میں سے تھے بعض کتابوں پر تعلیقات و حواشی لکھے ہیں۔

تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۰

تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۷۸

[2] مولوی عبدالرحمٰن صوفی کوٹ مخدوم عبدالحکیم تعلقہ مبارک پور (شکارپور سندھ) کے رہنے والے تھے باپ کا نام محمد حسن تھا سنہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء میں پیدا ہوئے ۱۰ سال کی عمر تک اپنے والد سے تحصیل علم کی ۴ سال تک متوسطات کی تعلیم مولوی محمد فاضل سے خیرپور میں حاصل کی اس کے بعد قصبہ بہادروں میں مولوی اسد اللہ صاحب سے تحصیل علم کی پھر دہلی پہنچے اور وہاں سے رام پور آئے وہاں کچھ پڑھا پھر رام پور سے مولوی بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی کی خدمت میں سنہ ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء بنگال پہنچے ایک سال قیام کر کے تمام علوم کی تکمیل کی سنہ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حج ادا کیا۔ ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں لکھنؤ پہنچے سنہ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں انتقال ہوا صوفی صاحب کا رسالہ کلمۃ الحق بہت مشہور ہے۔

۱۔ انوار الرحمٰن لتنویر الجنان ص ۲۶-۲۸

۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۸-۱۱۹

۳۔ تذکرہ غوثیہ مرتبہ مولوی گل حسن ص ۶۸ تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور

دو گروہ ہیں ایک وہ جو معتقدوں پر کفر کا حکم لگاتے ہیں دوسرے وہ جو معتقدوں کو خطا پر سمجھتے ہیں لیکن مسلمان شمار کرتے ہیں معتقدوں میں سے کسی نے منکروں کو کافر نہیں کہا یہ جناب ہی کی طبع زاد ہے اس بات کی طرف مطلق التفات نہ کیا۔

رام پور واپسی:۔ پھر میں وہاں لکھنؤ سے اپنے وطن رام پور کو چل دیا اور بریلی کے راستے سے اپنے شہر پہونچ کر والد صاحب کے قدموں سے آنکھیں ملیں خدا ان کی مغفرت کرے، مجھے دیکھ کر ان کے جسم میں تازہ جان آ گئی بھائی بہنیں چاروں طرف سے چپٹ گئے گھر گھر سے احباب مبارکباد کے لئے آنے لگے سچ تو یہ ہے کہ یہ سب والد صاحب کی خوش دلی کا سبب تھا ورنہ میں اس وقت بالکل بے سرو سامان پہونچا تھا والد صاحب کے انتقال کے بعد دو تین مرتبہ آسودگی اور مالداری کی حالت میں گیا مگر ایسا لطف و سرور گھر میں نہ پایا۔

مولانا جمال الدین کی خدمت میں حاضری:۔ پھر مولانا جمال الدین[1]، مولوی رستم علی[2] اور مولوی شرف الدین[3] کی خدمت میں قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ مولانا جمال الدین کی خدمت میں حاضری کے وقت جب کہ میں حالات سفر بیان کر رہا تھا ڈھاکہ سے رخصت کے وقت احباب کے آبدیدہ ہونے سے اپنا آزردہ خاطر ہونا یاد آ گیا اور وہ بات جو کئی برسوں پہلے جناب مولانا جمال الدین نے مثل کے طور پر بیان فرمائی تھی خیال میں آ گئی۔ وہ بات یہ تھی۔

کسی نے مولانا صاحب سے پوچھا کہ نیک لوگ کامیاب زندگی سے زیادہ عالم جاودانی کی آرزو رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔ اس کے باوجود مرتے وقت افسردگی اور آزردگی کے آثار دکھائی دیئے گئے ہیں فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے باپ کی اجازت سے بنگال پہونچا کچھ عرصے وہاں قیام کیا اور وہاں کے باشندوں سے برادرانہ دوستی کے تعلقات ہو گئے اس وقت اس کو اپنے والد کے دیکھنے کی آرزو پیدا

---

[1] مولانا جمال الدین ابن مولوی کفایت علی نے علوم عقلی و نقلی حدیث، تفسیر دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تحصیل کئے مولانا فخر الدین صاحب سے بیعت کی رام پور میں مقیم ہو گئے نہایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے ہر شخص کے ساتھ بلا لحاظ مذہب وقت اخلاق سے پیش آتے تھے جنگی خاں دساکن گکرالہ ضلع بدایوں، ان کے بہت معتقد تھے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء میں انتقال ہوا۔

تذکرہ کاملان رام پور ص ۹۱-۹۲

[2] مولوی رستم علی کا حال صفحہ ۷۲ پر ملاحظہ ہو۔

[3] مولوی شرف الدین کا حال صفحہ ۸۰ پر ملاحظہ ہو۔

ہوئی باپ نے بھی حکیم بھیجا کہ بہت جلد آجا، جدائی کے وقت دوستوں کو آبدیدہ دیکھ کر اس کا افسردہ اور غم زدہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں حالانکہ مقصد جدائی ہے اور کسی کا جبر نہیں۔

اور مجھے یہ بھی یاد آیا کہ (اسی محفل میں) ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ عقبیٰ کی بہبود پر دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا نقد کو ادھار پر بیچنا ہے اور لوگوں کے کہنے سے موجود کو معدوم کی اُمید پر ہاتھ سے دے دینا عقل پسند نہیں کرتی۔ گویا میرا یہ شعر اس کی زبانی ہے۔

عشق خوبان کہ بامید جناں بگذارم　　　نقد زد بر طمع نسیہ چناں بگذارم

کیا ارم کی آرزو پر عشق بتاں کو چھوڑ دوں　　　کس طرح وعدوں پہ میں نقد عیاں کو چھوڑ دوں

بسخن ہائے پریشاں تو اے واعظ شہر　　　من نہ آنم کہ در پیر مغاں بگذارم

واعظا تیری نصیحت ہے پریشاں گفتگو　　　وہ نہیں ہرگز کہ میں پیر مغاں کو چھوڑ دوں

میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ اگر کسی کو خارش ہو اور کھجلانے میں لطف و آرام ملے مگر طبیب منع کرے اور سوائے پرانی باتوں اور اپنے تجربہ کے اور کوئی ایسی دستاویز نہ ہو جس کو عقل تسلیم کرے۔ اب ایک گروہ کہتا ہے کہ کھجلانے میں کوئی مضائقہ نہیں (بلکہ مزہ آتا ہے) دوسرا گروہ طبیب کی پیروی کرنے کو کہتا ہے لیکن یہ دونوں گروہ طبیبوں میں سے نہیں ہیں ایسی صورت میں عقلمند لوگ کیا کریں گے میرا یہ جواب سُن کر اس شخص نے منہ پھیر لیا نہ معلوم اس نے کیا سمجھا مولانا جمال الدین صاحب نے فرمایا کہ یہی عیب تھا کہ جواب اس کے منشاء کے موافق نہ تھا۔

اس کے بعد ان رئیسوں کی خدمت میں گیا جن کے نان و نمک کا میں پروردہ ہوں مخدومی مولانا شرف الدین جن کو میری محبت اپنے فرزند سے بھی زیادہ تھی خوشی کے مارے اُچھل پڑے اور جس طرح بھی ممکن ہوا ہر جگہ میرا تذکرہ پہونچایا۔

حکیم غلام حسین خاں کا یاد فرمانا:۔ حکیم غلام حسین خاں[1] نے کسی کے ہاتھ یہ پیام بھیجا کہ مجھ کو دم بھر کی فرصت نہیں اگر بے تکلفی کا خیال کرتے ہوئے جب چاہیں مجھ سے ملنے چلے آئیں تو پرانی دوستی سے بعید نہیں میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ چلا گیا میں اور حکیم غلام حسین ایک محلہ کے رہنے والے اور ہم سبق تھے وہ ان دنوں خوش نصیبی سے رئیس (نواب احمد علی خاں) کی نوازشوں کی بناء پر ریاست (رام پور) کے مختار کل تھے خدا ان کو بخشے اپنی دانست

سلہ حکیم غلام حسین خاں کے حالات صفحہ ۸۳ (ج) پر ملاحظہ ہوں۔

میں بہت زیادہ تعظیم کی مسند سے اُٹھے، معانقہ کیا مسند پر اپنے پہلو میں جگہ دی مگر اس شوریدہ سر کو بہت گراں گزرا اول تو یہی کہ خود نہ آتا مجھے بُلاتا۔ دوسرے تکیہ اور مسند تیسرے یہ کہ پہلے گفتگو میں "حکیم صاحب" کہا کرتے تھے، اب "خان صاحب" کہنا پڑا" تاہم اس مجلس کو مصداق "کج دار و مریز" آخر تک پہونچایا اور دوبارہ نہ گیا۔

نواب عنایت اللہ خاں صاحب کی خدمت میں حاضری: ـــــ ان ہی ایام میں امراء کے سلسلہ میں عنایت اللہ خاں کی خدمت میں بھی آمد و رفت رہتی ایک روز فرمایا کہ حکماء یورپ زمین کی حرکت کے قائل ہیں اس کا خلاصہ کیا ہے میں نے کہا کہ یونان کے بعض عقلمندوں کی بھی یہی رائے ہے اسی گروہ نے اس کو پسند کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ رات دن کے چکر کو زمین کی حرکت پر محمول کرتے ہیں[1] اور آفتاب کو ساکن سمجھتے ہیں اور زمین کی حرکت مغرب سے مشرق کو کہتے ہیں اور مثال یہ کہتے ہیں کہ کشتی میں بیٹھنے والے کنارے کو چلتا دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چند فرسخ تک زمین کے ساتھ پانی اور ہوا گھومتے ہیں جیسے کہ کشتی سے ملی ہوئی ہوا کہ اگر ایک لکڑی اس جگہ ڈال دیں تو وہ بھی کشتی کے ساتھ ساتھ چلے گی اگرچہ پانی دوسری طرف کو بہہ رہا ہو اس بنا پر جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے اور کتابوں میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر زمین رات دن میں چکر کرے تو جو تیر سامنے کو پھینک دیں وہ پس پشت آپڑے گا (یہ اعتراض) وارد نہ ہوگا کہ مخالف جانب کا تیر دور ملک میں جا پڑے گا۔ کیونکہ ہوا بھی زمین کے ساتھ گھومتی ہے تیر بھی زمین کے ساتھ کشتی نشین کی طرح حرکت کرے گا زمین کی اس حرکت کو مرکز کے گرد قرار دیتے ہیں زمین کی دوسری حرکت آفتاب کے گرد کہتے ہیں جس پر فصلوں کی تبدیلی کی بنیاد ہے اور اس کے دور کو بیضوی کہتے ہیں[2] چاند کو بھی زمین جیسا سمجھتے ہیں لیکن اس سے بہت چھوٹا اور اس میں

---

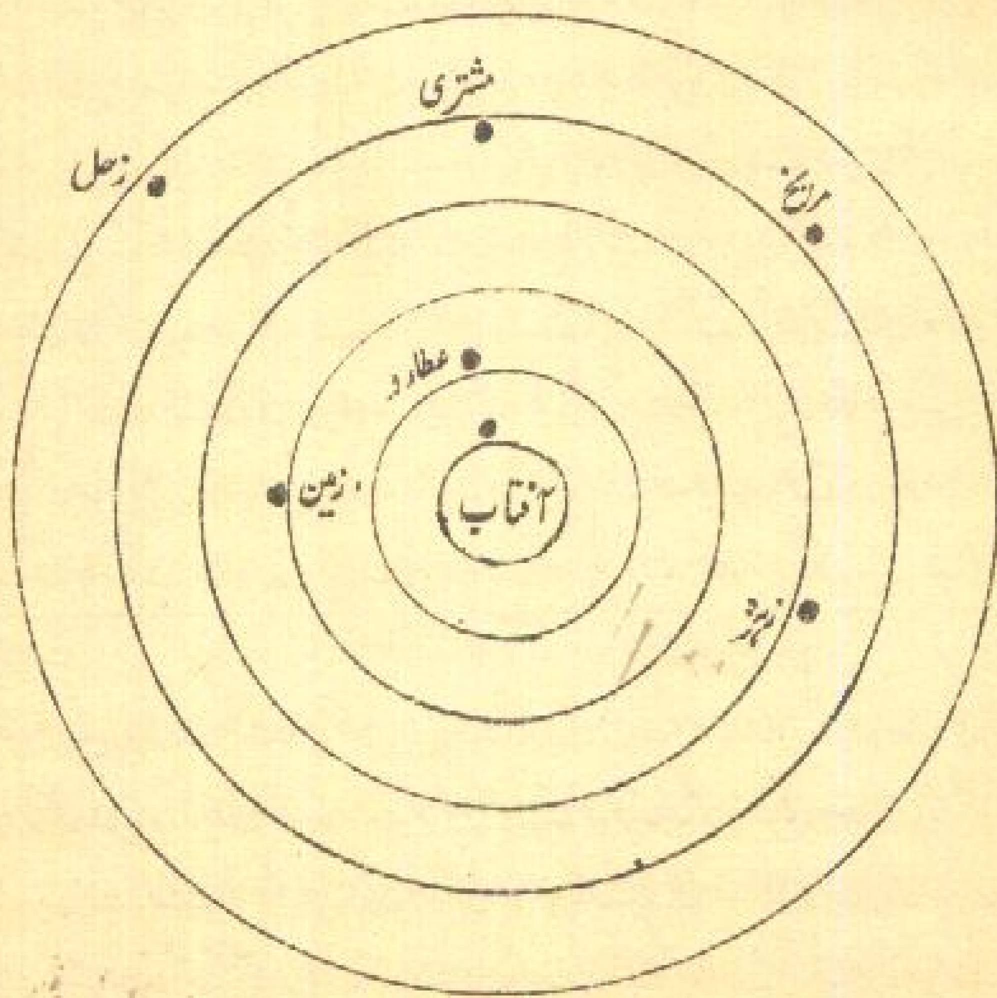
[1] زمین اپنے محور کے گرد مغرب سے مشرق کی طرف ایک لٹو کی طرح برابر گھومتی رہتی ہے اس کا ایک چکر ۲۴ گھنٹے یا ایک دن رات میں پورا ہو جاتا ہے زمین پر کوئی مقام ہو۔ وہ گھوم کر ایک دن میں ٹھیک اسی جگہ لوٹ آتا ہے۔ اس کو گردش محوری، روزانہ گردش یا حرکت یومیہ کہتے ہیں اس حرکت کے نتائج یہ ہیں۔ ۱۔ دن رات پیدا ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے بعد ہمیشہ آتے رہتے ہیں ۲۔ مختلف مقاموں کے وقتوں میں فرق ہوتا ہے کہیں صبح ہوتی ہے تو کہیں شام ہوتی ہے ہواؤں اور سمندری لہروں کے رخ میں تبدیلی ہو جاتی ہے ۳۔ زمین قطبین کے پاس چپٹی ہو گئی ہے۔

پاک جغرافیہ از قاضی سعید الدین ص ۲۰ - ۲۳ مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۵۱ء

[2] اپنے محور پر روزانہ گھومنے کے علاوہ زمین سورج کے چاروں طرف بھی چکر لگاتی ہے یہ ایک چکر سال بھر میں پورا ہوتا ہے اس کو گردش دوری یا سالانہ گردش کہتے ہیں جس راستہ پر زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے اس کو مدار ارضی کہتے ہیں مدار ارضی کی شکل بیضوی ہے اس کے حرکت کے نتائج یہ ہیں ۱۔ دن رات کا سال کے مختلف حصوں میں گھٹنا بڑھنا ۲۔ موسموں کا تغیر و تبدیل ہونا۔

پاک جغرافیہ ص ۲۴ - ۲۸

بھی آبادی خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے سیاروں میں اور کہتے ہیں کہ ہماری زمین، چاند کی زمین کا، چاند ہے اور وہاں بھی پورا باریک، درمیانی چاند دیکھا جاتا ہے یہ تمام احتمالات سال، مہینہ، چاند گرہن، سورج گرہن اور ضبط حرکات کے حساب میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ایسی یقینی عقلی دلیل جس سے یقین پیدا ہو جائے نہ جمہور یونانیوں کی ہیئت پر ہے نہ اس رائے پر۔ اگرچہ وہ لوگ (یونانی) چند طبعی مقدمات تسلیم کرکے اس کو یقینی سمجھتے ہیں اور یہ لوگ (یورپ والے) مثالوں اور دوربینوں کے ذریعے مشاہداتِ عینی تصور کرتے ہیں اس کے بعد ایک دوست کی فرمائش سے ایک صفحہ پر اس کی تصویر بھی کھینچ دی ہے۔



باب سوم

دہلی روانگی :۔ چند مہینے گزرے کہ دہلی سے ولیدر صاحب کا خط بع سفر خرچ پہونچا خط کا مضمون یہ تھا کہ
"میں نے سنا ہے کہ بنگال سے تم گھر پہونچ گئے ہو اور جو کچھ اس مدت میں فراہم کیا تھا وہ چوری ہو گیا یہاں پر (دہلی میں)
ایک نوکری کی صورت ہے اگر تمہارا دل چاہے تو رہ جانا ورنہ پھر گھر پہونچا دیا جائے گا ایک دفعہ خود کو ہمارے پاس
پہونچا دینا چاہیئے" بکم رمضان سنہ ۱۲۳۷ھ[1] ــــــ کو میں (عبدالقادر) دریائے جمنا پر پہونچ گیا۔ ہونا ہی ولیدر صاحب کا
ملازم مجھے دریا کے کنارے لینے آ گیا۔ اپنے شہر میں لے جا کر ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ خود بدولت (ولیدر صاحب) شہر سے باہر
شالیمار باغ میں تشریف رکھتے تھے عدالتی کام کے لئے شہر میں آتے تھے چونکہ دن تھوڑا رہ گیا تھا ملاقات کو کل پر
رکھا شام کو آقا کے خانساماں شیر علی نے جو جونپور کا باشندہ اور نیک آدمی تھا میرے پاس آ کر کہا کہ (ولیدر صاحب کے
پاس) ماتم کے سیاہ کپڑے بھیجکر آیا ہوں۔ ولایت (انگلینڈ) سے خط ملا ہے اس کو دیکھ کر صاحب کے چہرہ پر غم کے آثار
ظاہر ہو گئے۔ مٹکاف صاحب[2] کا کہنا ہے کہ صاحب کو اپنے والد کے مرنے کی خبر ملی ہے غالباً تین روز تک ملاقات نہ ہو

۱۔ اگست سنہ ۱۸۲۲ء

۲۔ سر چارلس تھیافلس میرن مٹکاف ۱۷۸۵ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے اور کمپنی کی ملازمت میں سنہ ۱۸۰۰ء میں داخل ہوئے ہلکر اور بھرت پور کے مقابلہ میں جو
جنگ سنہ ۱۸۰۴ء میں ہوئی تھی اس میں لارڈ لیک کے لشکر کے ساتھ یہ پولیٹیکل افسر تھے اور ڈیگ میں گولہ باری کے وقت فصیل کے شگاف پر سب سے پہلے یہی پہونچے
سنہ ۱۸۰۶ء میں دہلی کے ریزیڈنٹ کے مددگار رہے سنہ ۱۸۰۸ء میں رنجیت سنگھ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ سنہ ۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۹ء تک دہلی کے ریزیڈنٹ رہے اور دوبارہ سنہ ۱۸۲۵ء میں پھر
دہلی کے ریزیڈنٹ رہے۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں آگرہ کے گورنر ہوئے سنہ ۱۸۳۵ء میں گورنر جنرل کے قائم مقام رہے سنہ ۱۸۳۶ء میں گورنر ممالک مغربی و شمالی رہے سنہ ۱۸۴۵ء میں
لارڈ بنائے گئے سنہ ۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔ سنہ ۱۸۲۶ء میں انتقال ہوا لکا فٹ کے خاندان کا دلی سے نصف صدی تک تعلق رہا مٹکاف ہاؤس کا بانی ان کا چھوٹا بھائی تھا
ان کی مکمل سوانحعمری انگریزی زبان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ؛۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ۳ ۲۸۱

۲۔ تذکرہ مولوی ذکاء اللہ۔ از سی۔ ایف۔ اینڈریوز۔ ترجمہ ضیاء الدین برنی ص ۶۱۔ ۶۲ (تعلیمی مرکز کراچی سنہ ۱۹۵۲ء)

LIFA AND CORRESPONDENCE OF CHARLES LORD METCALFE BY JOHN WILLIAM KAYE 2 VOL
(LONDON 1858)

میں نے توقف کیا۔

ولیدر صاحب سے ملاقات:۔ تیسرے روز خود بدولت نے مجھے بلایا میں گیا میرے حالات پوچھے اور تفریحاً فرمایا کہ پہلی ملاقات بھی رمضان میں ہوئی تھی اور دوبارہ بھی اسی مہینہ میں اتفاق ہوا ڈرتا ہوں کہ اس مرتبہ بھی پھر بھاگ نہ جاؤ۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ تین گھنٹے تک میں ٹھہرا پھر ارشاد ہوا کہ یہاں پر فوجداری کے انتظام کے لئے شہر سے باہر ایک نیا عہدہ "عدالت دورہ" کے نام سے مقرر ہوا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے ماتحت اور متعلق ہوگا۔ نیا عملہ اس کے لئے مقرر ہوگا اور سررشتہ داری تمہارے نام کرنی چاہتا ہوں، میں رخصت ہو کر شہر چلا آیا اگلے دن خود بدولت شہر میں آئے اور مجھے بلا کر فرمایا کہ گارنر صاحب جو مجھ سے پہلے تھا اور کسی کام کی وجہ سے یہاں سے چلا گیا تھا واپس آ گیا ہے اب لامحالہ وہی اس کام پر جائے گا اور عملہ کی تجویز بھی اس کے اختیار میں ہے غیب کی مجھے خبر نہ تھی بلا وجہ میں تمہاری دردسری کا باعث ہوا میں نے کہا کہ عنایت سابقہ کا حق مجھ پر اس سے زیادہ ہے کہ اس بات کو میں گراں سمجھوں، فرمایا کہ کل یہاں پھر آنا اس وقت جو کچھ مناسب ہوگا ہو رہے گا چنانچہ میں گیا، فرمایا کہ شہر کے تھانے میرے اختیار میں ہیں اور باڈلی کا تھانہ خالی ہے یہاں سے بہت قریب ہے تیس روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے تمہارے بھائی غلام باسط کے نام کر دوں گا لیکن اس کے واقف ہونے تک نگرانی اور ڈھنگ پر لگانا تمہارے ذمہ ہوگا تیس روپیہ تم کو علیحدہ دوں گا خدمتگاروں کو رکھو کہاروں کو رخصت کر دو کیونکہ یہاں کہاروں کی ضرورت نہیں ہے صرف بھائی کی سواری کا ایک گھوڑا کافی ہے کرایہ کے مکان کی بھی ضرورت نہیں میں نے کہا بہتر ہے میں پہلے تیس روپیہ پر راضی ہو گیا تھا اب ساٹھ روپیہ میں کیا عذر ہو سکتا ہے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس فرصت میں کتاب شاہنامہ سے واقفیت حاصل کر لوں پھر میں رخصت ہو کر شہر پہنچا کیونکہ کہار ایک ماہ کا مطالبہ پیشگی لے چکے تھے سردست ان کو رخصت کرنا ضروری نہ سمجھا۔

گارنر صاحب سے ملاقات:۔ ولیدر صاحب نے تیسرے دن پھر یاد فرمایا اور کہا کہ گارنر صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ دو تین مہینے میں بہر صورت مجھے کسی دوسرے کام پر جانا پڑے گا تم نے عبدالقادر کو جس کی تعریف میں نے مراد آباد میں کی ہے، سررشتہ داری کا امیدوار کر کے وطن سے بلایا ہے اور کوئی ایسا شخص کہ جس کو میں یہ عہدہ دینا ضروری سمجھتا ہوں میرے ماتحتوں میں نہیں ہے۔ بہتر ہو کہ وہی شخص میرے ساتھ رہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں چلے جاؤ میں نے کہا کہ میں تو حکم کا تابع ہوں نہ مجھے اس کی خوشی کہ میں سررشتہ دار ہو گیا نہ اس کا رنج کہ بیکار رہ کر کچھ پاؤں مجھے تو دلی چاہیئے اور آقا کی نظروں میں عزت، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں کہ آقا کا دل ہاتھ میں آ جائے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گارنر صاحب کا انگریزی خط خود بدولت کے نام پہونچا، پڑھا اور مجھ سے فرمایا کہ صاحب یہاں آ رہا ہے کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ گارنر صاحب آ گئے میں آداب بجا لایا اور باجازت بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ میں پرسوں یہاں سے

ڈرائے جاؤں گا میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ میں نے کہا کہ گھر یہاں نہیں ہے نہ کچھ عرصہ سے یہاں رہنا سہنا ہے ابھی تک مسافروں کی طرح کمر بستہ ہوں جس وقت بھی حکم ہو سوائے بہت اچھا کے کوئی جواب نہیں، بالآخر مقررہ دن پر ایک مختصر سا خیمہ خرید کر لشکر کے ساتھ ہو لیا اور نریلہ[1] پہونچا بارش اتنی شدت سے ہوئی کہ آگ جلانا روٹی پکانا دشوار تھا۔

کیفیت سونی پت:۔ ہم نریلہ میں تھے کہ دوسرے روز ہوا اور ابر موقوف ہوا پھر کوچ کرکے سونی پت پہونچ گئے یہ بڑا شہر اور ایک پختہ کارواں سرائے ہے جس کی اونچی اور مضبوط دیواریں ہیں بہت بڑا دروازہ ہے اگر اس کو ایک چھوٹا سا قلعہ شمار کریں تو بے جا نہ ہو۔

ایک عجیب افسانہ وہاں کے ہر خاص و عام کی زبان پر ہے بلکہ دور دور مشہور ہے کہ دکھنی فوج کی شکست اور احمد شاہ درانی کی فتح کے ہنگامہ میں[2] ایک دکھنی جو گھوڑی پر سوار تھا اور درانی سوار اس کے پیچھے تھے ایک جست میں سرائے کے دروازے پر پہونچ گیا مگر اوپر کے سیخچوں میں الجھ کر مرگیا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی کرشمہ نگاری کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سب باتیں آسان معلوم ہوتی ہیں مگر عادت کے خلاف، چوپایہ کا ہوا میں اڑ جانا سننے والے کو ضرور حیرت میں ڈال دے گا۔

وہاں پر سادات کثرت سے ہیں امامیہ مذہب رکھتے ہیں اہل کم بلکہ معدوم ہیں۔ بہت سوں کی معاش جاگیر ہے وہاں ایک قبر ہے جس کو امام ناصر الدین کا مزار کہتے ہیں دور دور سے لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں جہلا چونکہ ہر جگہ نیکوں کی قبروں پر جمع ہو جایا کرتے ہیں اور ان بستر خاک میں سوئے ہوؤں سے مرادیں مانگتے ہیں جن کا پورا ہونا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہاں بھی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ شہر کے ارد گرد بہت سے باغ ہیں آب و ہوا اچھی ہے۔

اسی دوران میں وہاں شدت کی بارش ہوتی تین روز تک رہنا پڑا چوتھے دن دھوپ کا منھ دیکھا۔ ایک روز اور ٹھہرے تاکہ خیمے خشک ہو جائیں اس کے بعد سنبھالکہ پہونچے وہ چھوٹا سا قصبہ ہے اور وہاں سے چل کر دوسرے روز پانی پت میں

---

[1] میر ابوالعلی دادا میر ابوالوفا کے جد امجد میر عبدالسلام اپنے وطن سمرقند سے اکبر بادشاہ کے عہد میں مع عیال و اطفال ہندوستان میں تشریف لائے جب قصبہ نریلہ میں جو دہلی سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے پہونچے تو ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں اسی مقام پر ابوالعلی پیدا ہوئے میر عبدالسلام وہاں سے فتح پور سیکری میں رونق افروز ہو کر سکونت پذیر ہوئے (مرقع اکبرآباد سعید احمد مارہروی ص ۱۳۴ آگرہ ۱۹۳۱ء)

[2] پانی پت کی مشہور تیسری لڑائی مراد ہے جو احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان ۱۷۶۱ء میں ہوئی اور جس میں مرہٹے بری طرح ناکام ہوئے

میں قیام کیا۔

قیام پانی پت:- پانی پت میں صاحب بہادر نے عملہ کی تجویز کی پچاس روپیہ تنخواہ سررشتہ دار کی جو بندہ (مولوی عبد القادر) تھا چالیس روپے مہینہ انگریزی نویس کے جو ایک بنگالی تھا بیس روپے ناظر امید سنگھ کے مقرر ہوئے میں نے امید سنگھ سے زیادہ زود نویس اب تک نہیں دیکھا شاید احمد بخش خاں کے لوگوں کے ساتھ ہے دو محرر تجویز ہوئے ایک بہاری لال جو لکھنے پڑھنے، حساب اور تعمیر عمارات میں بہت چالاک اور خیمہ کی کانٹ چھانٹ اور دوسرے کاموں میں دست رساں تھا اور میرے ناگپور سے آنے کے بعد ولیدر صاحب کی نوازش سے وہاں کی رزیڈنسی کا منشی ہو گیا تھا دوسرا جے سکھ رائے کہ وہ بھی بہاری لال جیسے صفات رکھتا تھا ہر ایک کا مشاہرہ پچیس روپے تھا، ایک محافظ دفتر بیس روپیہ کی تنخواہ کا طے ہوا مگر آدمی کی تجویز سررشتہ دار کے متعلق رہی ایک داروغہ جیل خانہ بیس روپیہ پر مقرر کیا اور بیس پیادے (چپراسی) چار چار روپے ماہوار کے ناظر کے ماتحت ہوئے اور وہاں پر بہت سے لوگ قدیم زمانہ کے قید کئے ہوئے تھے صاحب عدالت نے جملہ نظر بندوں کو مع مسل روداد تجویز کے لئے طلب کر لیا جن لوگوں کی قید کے اسباب کاغذ میں ملے تحقیق فرما کر اپنی رائے کے موافق حکم دے دیا اور جن کا کوئی تذکرہ کسی کاغذ میں نہ پایا ان کو رہا کر دیا۔ اور حکم میں لکھ دیا کہ اگر کوئی جرم ان کا ہوتا تو دفتر میں اس کا اندراج ہونا چاہیئے تھا دفتر سے اب تک یہ بھی واضح نہ ہوا کہ آیا حاکم کی اطلاع سے قید ہوئے ہیں یا کیونکر ---- بے وجہ کسی کو ستانا کسی دین اور سلطنت میں درست نہیں ہے اس لئے رہا کر دئے جائیں۔ پانی پت میں کچھ عرصہ قیام کر کے برت کو روانہ ہو گئے۔

حالات پانی پت:- اب پانی پت کا حال لکھتا ہوں یہ شہر عرصہ سے آباد ہے[1] پانی پت کے میدان میں بابر بادشاہ نے سلطان ابراہیم لودھی کو قتل کیا[2] اور اس کی جمعیت کو منتشر کر دیا تھا، احمد شاہ ابدالی نے بھاؤ کے لشکر کو شکست

---

[1] پانی پت ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے بیان کیا جاتا ہے کہ مہابھارت کے زمانے سے بھی پہلے کا آباد شدہ ہے اور پانڈوں نے کوروں سے جن پانچ شہروں کا مطالبہ کیا تھا ان میں پانی پت بھی شامل تھا مہابھارت کی لڑائی بھی پانی پت ہی کے میدان میں واقع ہوئی، پانڈوں اور کوروں کی فوجیں جب ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئیں تو انھوں نے نبرد آزمائی کے لئے جو مقام تجویز کیا وہ پانی پت سے تھانیسر تک پھیلا ہوا تھا۔

تاریخ پانی پت از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

(مشمولہ "حیات نو" پانی پت، حالی سینٹری نمبر، ماہ جولائی ۱۹۳۶ء)

[2] جنگ پانی پت اول جو ۱۵۲۶ء میں بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان ہوئی۔

دی تھی[1] وہاں کے رئیس انصاری ہیں[2] بعض شیعہ ہیں اور بعض سنی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی:۔ سنیوں میں قاضی ثناء اللہ[3]، علم فقہ، سیر، حدیث اور تفسیر میں بہت مشہور ہوئے ہیں شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے ہم عصر تھے اور ہمارے زمانے تک رہے انھوں نے تفسیر مظہری بہت مبسوط لکھی ہے جو ان کے متبحر ہونے کی دلیل ہے بعض نادر چیزیں بھی اس میں مل سکتی ہیں۔ تفسیر سورۂ فاتحہ میں لکھا ہے کہ عالمین کا مفرد عالم ہے عربی زبان میں فصحاء کے کلام میں مستعمل نہیں اور اس مشہور شعر کا کوئی جواب نہیں دیا۔

۱۔ جنگ پانی پت سوم سنہ ۱۷۶۱ء

۲۔ انصاریان پانی پت خواجہ ملک علی انصاری کی اولاد سے ہیں جا ہرات سے ہو کر بعہد سلطان غیاث الدین بلبن پانی پت میں مقیم ہوئے دربار شاہی سے منصب قضاء و خطابت اور چند پرگنے عطا ہوئے ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ نصیر الدین کی نسل کو خوب فروغ ہوا بڑے بڑے وفا شعار امراء، رؤسا، شعراء اور ادباء ان کی اولاد سے ہوئے پانی پت کی قابل فخر ہستی شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی بھی ان ہی کی اولاد میں تھے خواجہ ملک علی انصاری کا انتقال ۱۸ رمضان سنہ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء کو نوے سال کی عمر میں قصبہ پائل میں ہوا۔ خواجہ ملک علی انصاری کی اولاد میں خلیل آباد، اورنگ آباد دکن اور فرید آباد میں بھی پائی جاتی ہے۔ (تاریخ پانی پت از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی)

۳۔ قاضی ثناء اللہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کی اولاد میں تھے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے شاہ عابد سنامی سے بیعت ہوئے پھر حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے کسب فیض کیا اور اجازت و خلافت حاصل کی۔ مرزا صاحب نے "علم الہدیٰ" کا لقب عطا فرمایا۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قاضی ثناء اللہ کو "بیہقی وقت" کہتے تھے شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا تفسیر، فقہ، کلام، تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں۔

"شیخ ثناء اللہ زبدہ علمائے ربانی و مقرب بارگاہ سبحانی بود در علوم عقلی و نقلی و کمالات ظاہری و باطنی از ممتازان وقت بود و در فقہ و اصول بمرتبۂ اجتہاد رسیدہ و کتابے مبسوط در علم فقہ الموسوم بہ مالا بد منہ بروایات مذاہب اربعہ و نیز تفسیرے طولانی جامع اقوال قدمائے مفسرین و تاویلات جدید ارقام نمودہ است۔"

۱۔ السیف المسلول ۲۔ تذکرۃ الموتیٰ والقبور ۳۔ تذکرۃ المعاد ۴۔ حقوق الاسلام ۵۔ رسالہ در حرمت و اباحت سرود ۶۔ رسالہ حرمت متعہ ۷۔ رسالہ شہاب ثاقب ۸۔ ارشاد الطالبین ۹۔ تفسیر مظہری ۱۰۔ مالا بد منہ وغیرہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی یادگار ہیں رجب ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا۔ آخر الذکر تینوں کتابیں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہیں تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور مالا بد منہ کا اردو ترجمہ محمد فخر الدین ولد محمد اشرف جانگامی نے ۱۲۱۲ھ میں کیا ہے۔ ۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۸ ۲۔ خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری ج ۲ ص ۶۹۰-۶۸۹ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۳۔ مالا بد منہ (اردو) مطبوعہ ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ سنہ ۱۳۳۲ھ

لیس علی اللہ بمستنکر	ان یجمع العالم فی الواحد
خدا پہ یہ دشوار ہرگز نہیں	بھرے سارے اوصاف اک شخص میں

نیز طوفان نوح کی روایت میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ وہ عام اور تمام عالم کو شامل نہ تھا اور نص قرآنی "ہر جانور کا جوڑا کشتی میں رکھنا" عموم پر دلالت کرتا ہے[1] اس کے علاوہ اور بھی کتابیں اور رسالے تصنیف کئے ہیں مرزا مظہر جان جاناں سے کہ جن کا نام مشائخ اور ہندوستان کے متاخرین شعراء میں مشہور ہے مشرب فقر میں یگانگی بندی رکھتے تھے۔

شیعوں کی جماعت میں شیخ صادق علی تھے اگرچہ فاضل نہ تھے لیکن لیاقت کے حصہ دار تھے[2] ایک گروہ افغانوں کا ہے اور ایک مسلم راج پوتوں کا اور ایک بو علی قلندرؒ کے مزار کے خادموں کا ——— اس مزار کی عمارت نہایت عمدہ ہے[3] اس کے مصارف کے لئے چند گاؤں کی جاگیر وقف ہے جو لوگ عیال دار ہیں اور بچوں کی پرورش کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں وہ اس آستانہ پر پرورش پاتے ہیں نواب لطف اللہ خاں

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی جلد اول ۴۳ ، ۵ و جلد پنجم ۱۸۳ ـ ۳۰ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

[2] شیخ صادق علی کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جب پانی پت پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے یہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کی شہر کے معززین اور ذمہ دار حضرات نے چھاؤنی کے قیام کو پسند نہیں کیا اور جب لارڈ لیک اپنی فوج کے ساتھ ادھر سے گزرے تو شیخ صادق علی نے لارڈ لیک سے درخواست کی کہ چھاؤنی پانی پت سے اٹھالی جائے لارڈ لیک نے شیخ صاحب سے کہا کہ اچھا تم ہمارے ساتھ چلو ہم راستہ میں اس پر غور کریں گے شیخ صادق علی ساتھ ہو لئے جب کانپور کے مقام پر پہونچے تو پھر شیخ صاحب نے لارڈ لیک سے کہا اسے خیال بھی نہیں رہا تھا اب جو شیخ صاحب کو دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ تم اتنی دور ساتھ آئے اور راستہ میں نہ کہا شیخ صادق علی نے جواب دیا کہ میں سمجھا آپ غور فرما رہے ہوں گے لارڈ لیک نے کہا اچھا میں اسی وقت حکم لکھ دوں مگر اس کے پاس قلم دوات وغیرہ موجود نہ تھا شیخ صادق علی نے عرض کیا کہ میرے پاس سب کچھ موجود ہے اور یہ کہکر قلم دوات اور کاغذ لارڈ لیک کو پیش کر دیا اور خود رکوع میں جھک گئے کہ حضور میری پیٹھ پر رکھکر تحریر فرما دیں اس طرح یہ حکم شیخ صادق علی نے حاصل کیا اور چھاؤنی کرنال منتقل ہو گئی (تاریخ پانی پت از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی)

[3] بو علی شاہ قلندرؒ کی درگاہ نواب مقرب خاں کے بیٹے نواب رزق اللہ خاں نے عالمگیرؒ کے عہد میں نہایت شاندار بنوائی یہ درگاہ وسط شہر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے نواب رزق اللہ خاں نے درگاہ میں دو ستون گلوائے جن کی نظیر نہیں ملتی، درگاہ کا اندرونی چبوترہ سنگ سرخ کی خوشنما مسجد حوض اور کنواں بھی سنہ ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء میں نواب رزق اللہ نے بنوایا۔

(تاریخ پانی پت از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی)

صادق علی اور خواجہ معین الدین اس شہر کے انصاریوں میں سے تھے خواجہ معین الدین[1] نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں
بریلی کے صوبہ دار تھے اب بھی نواب صادق علی خاں کا خاندان اس شہر میں دوسروں سے ممتاز ہے وہاں پر میں نے
ایک شخص کو دیکھا جو روشن الدولہ[2] کے خاندان کا تھا یہ شخص دن بھر رندانہ وضع میں رہتا تھا اور رات زاہدانہ گذارتا
تھا مسجد میں صوفیانہ گفتگو کرتا اور مے خانہ میں اطوار فاسقانہ رکھتا۔

خرقہ ام رہن بادہ دائی دائی — عالمے توبہ کردہ بر دستم
یک بادہ پہ مرا خرقہ رہن — توبہ کی دنیا نے میرے ہاتھ پر

برست وہ قصبہ ہے جہاں کے سب رئیس اثنا عشری مذہب کے پابند ہیں اور روزہ نماز کے مسائل سے

---

[1] یہ شخص غلام حسین خاں بنگال والے کے رفقاء میں سے تھا امامیہ مذہب میں بہت غلو رکھتا تھا عشرہ محرم میں معمول تھا کہ عاشورہ کے دن
تمام مال و متاع ولقد وجنس اور زن و فرزند بجز اپنی ذات کو بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر خیرات کر دیتا تھا۔ اور پھر ادھار قرض
سے زر نقد بہم پہونچا کر معمول لے لیتا تھا۔ انتظام اچھا کرتا تھا جونپور کی عملداری پر مامور ہوا وہاں چوری کا بہت شور و شور تھا حکم جاری کر دیا
کہ کوئی شخص شب کو اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرے اگر نقصان ہوگا تو سرکار ادا کرے گی اگر کوئی چور پکڑا جاتا تو اس کو قتل کرا دیتا، ہاتھ کٹوا دینا تو
ایک معمولی بات تھی۔ اس سبب سے چوروں کا نام نہ رہا جب جگہ جاتا امام باڑہ اور مسجد کی بنیاد پہلے رکھتا اور اپنی قبر بنواتا تھا کہتا تھا کہ آخر ایک دن دنیا سے
اٹھنا ہے غرباکو اس کے لنگر سے کھانا اور جاڑوں میں لباس سرمائی ملتا تھا خواجہ معین الدین کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ابراہیم علی خاں بریلی میں کچھ دنوں
عہدہ دیوانی پر مامور رہا جب ۱۸۰۱ء میں روہیلکھنڈ پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا تو تحصیل داری پر مامور ہوا۔
تاریخ اودھ جلد سوم ۱۵۲، ۱۵۳

[2] روشن الدولہ حکومت اودھ کا وزیر تھا وزارت کے عہدہ پر ماہ نومبر ۱۸۲۷ء میں سرفراز ہوا نام محمد حسین خاں عرف مرزا نقو اور خطاب روشن الدولہ
خیر الملک محمد حسین خاں بہادر قائم جنگ تھا باپ کا نام اشرف علی خاں بن بندہ علی خاں تھا روشن الدولہ معتمد الدولہ آغا میر کا ہمدم بھی تھا جب معتمد الدولہ
حکیم مہدی علی خاں کو نصیر الدین حیدر نے معزول و مقید کیا تو روشن الدولہ نے خلعت و قلمدان وزارت پایا روشن الدولہ نے اپنی وزارت کے استحکام
اور گورنر جنرل کے یہاں ناموری حاصل کرنے کے لئے خوب جوڑ توڑ کئے روشن الدولہ کی وزارت کے زمانہ میں سلطنت اودھ کے ہر کام میں تباہی
پڑی خزانہ خالی ہوا۔ بادشاہ سخت ناراض ہوا مگر روشن الدولہ نے تقصیر معاف کرا لی۔ روشن الدولہ نے ملک کو تباہ کر کے دولت جمع کی اور جائز
ناجائز طریقے کا ذرا خیال نہ کیا مرزا غالب نے جو قصیدہ نصیر الدین حیدر کے مدح میں لکھ کر بھیجا تھا اس پر پانچ ہزار روپئے بطور صلے کے ملنا
تجویز ہوا تھا اس رقم میں سے تین ہزار روشن الدولہ کھا گئے اور دو ہزار محمد حسن۔ یہ روشن الدولہ کا کارپرداز تھا۔
تاریخ اودھ حصہ چہارم ۴۴، ۳۸۰ - ۳۸۳ - ۴۲۶ - ۴۲۷
یادگار غالب از مولانا حالی صفحہ ۲۵ (مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ۱۹۲۳ء)

بقدر ضرورت واقف ہیں (ان میں) دو تین آدمی حرف آشنا بھی ہیں تھوڑے پر قناعت کرتے ہوئے دوسری جگہ بہت کم جاتے ہیں۔

ولیم فریزر[1] — بدست میں جمنا کنارے صاحب عدالت کچھ عرصے رہے فریزر[2] صاحب کا خیمہ بھی پہونچ گیا اور چند روز کے بعد وہ سپاتو پہاڑ کی جانب جہاں جنگ ہوتی تھی چلا گیا فریزر صاحب خوش خلق، دلیر، دریا دل، سیر چشم، رفیق پرور اور عقلمند ہے مگر خود رائے اور خود سر ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں شروع میں سرکاری قانون نہ تھے بلکہ سب ریذیڈنٹ کی تجویز پر منحصر تھا اور فریزر نے جو کام اپنی عقل سے انجام کو پہونچایا اس میں کوئی قباحت پیدا نہ ہوئی گارنر صاحب اور مٹکاف صاحب کے بندوبست کو توڑ کر اضافہ کر دیا، ملک آباد رہا اور آنہ پائی سے بے باقی ہو گئی اس کے باوجود فریزر نے مناسب ترقی نہ پائی بلکہ کسی نے اس کو پوچھا بھی نہیں، فارسی، اردو اور ہریانہ زبانیں اہل زبان جیسی جانتا تھا اور سب کام خود انجام کو پہونچاتا تھا اس کے سامنے کوئی کارکن راقم کے قلم یا حاکم کی لاٹھی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا تھا سخت سے سخت کاموں کو ادنیٰ توجہ سے آسان سمجھ لیتا تھا بندہ (مولوی عبدالقادر) کا گمان ہے کہ اگر ایک مرتبہ ممالک محروسہ کی سیر کرے تو سرکاری روپیہ وصول کرنے کا موجودہ

---

[1] ولیم فریزر ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوا ۱۸۰۱ء میں کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوا ۱۸۰۵ء میں محاصرہ بھرت پور میں نمایاں خدمات انجام دیں ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۵ء تک ریذیڈنٹ رہا فریزر نے ۱۸۳۰ء میں دہلی میں ایک عالی شان مکان بنوایا اس مکان سے سارا شہر دکھائی دیتا تھا فریزر کے قتل کے بعد اس کا مکان ہندو راؤ نے خرید لیا جو بیجا باقی (بیوہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا) کا بھائی تھا مسلمان عمائدین اور شرفاء سے فریزر کے بہت تعلقات تھے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی[2] سے کچھ پڑھا بھی تھا اسی سلسلہ میں نواب احمد بخش رئیس فیروز پور جھرکہ کے یہاں بھی اس کا آنا جانا تھا۔ اس کا چال چلن مشتبہ تھا۔ فریزر نے نواب شمس الدین خاں کی کسی رشتہ کی بیگم سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے تھے ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو فریزر کو کسی نے گولی سے ہلاک کر دیا۔ غالب اور فریزر سے بہت اچھے تعلقات تھے اور نواب شمس الدین خاں سے غالب کے تعلقات پنشن کی وجہ سے استوار نہ تھے فریزر کے قتل کی تفتیش کے سلسلہ میں مجسٹریٹ کو غالب نے بھی حتی الوسع امداد پہنچائی مجسٹریٹ سے بھی غالب کے ذاتی تعلقات تھے۔ غالب کے ساتھ ایک اور شخص فتح اللہ بیگ نے بھی تفتیش میں مدد دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو نواب شمس الدین خاں کو کشمیری بازار کے باہر شارع عام پر پھانسی دی گئی عوام کی ہمدردیاں نواب شمس الدین کے ساتھ تھیں اور اس سلسلہ میں غالب کے کردار کو لوگوں نے پسند نہیں کیا۔

۱۔ کلیات نثر غالب ص ۶۱-۶۲ نولکشور پریس ۱۸۷۱ء

۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۶۴ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۱۴ھ

۳۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول ص ۴۰۳ جلد دوم ص ۲۴۸، ۴۹۲-۴۹۳

صورت سے بہتر طریقہ نکال سکتا ہے۔ عدالت کے کام، سزا کی تجویز جیسا کہ اس ملک کے دوسرے صاحبان باستثنار گارنر صاحب، فارشو صاحب اور پور صاحب کرتے تھے وہ بھی کرتا تھا نیز چوری، رہزنی اور غارت گری کا بندوبست خوب کرتا تھا۔ رزیڈنسی نصیب نہ ہوئی جس سے اس کا حسن و قبح معلوم کیا جا سکتا جب تک کسی کی نیک نامی اور کارگذاری اس کے خیال میں نہ آجائے اپنے قول و فعل سے اس کے رتبہ کا لحاظ نہیں کرتا تھا اور ظاہرداری جو سفارت کے کاموں کے لئے ضروری ہے اس کی طبیعت کو پسند نہیں تھی۔

اسی پڑاؤ پر کپتان لاہی صاحب انجینیئر، ولیلہ صاحب کے ہمراہ پہونچ گیا اور پہاڑی علاقہ کو روانہ ہو گیا، کم عمر، نوجوان خوش مزاج اور زود فہم تھا متعدد ہندوستانی اور انگریزوں کی زبانی سننے میں آیا ہے کہ پہاڑی علاقہ کی فتح محض اس کے حسن تدبیر اور رہنمائی کی بناء پر ہوئی مگر موت نے مہلت نہ دی اور وہیں ختم ہو گیا اور اس کی کارگذاریاں جنرل آکٹرلونی کے نامہ اعمال میں درج ہوئیں۔

یکے نامہ بنویسد و ہے کنند	دگر آید و مہر بر وے نہند
لکھا گر چہ محنت سے نامہ کسی نے	لگائی ہے پر مہر اس پر کسی نے
ندانند مردم نویسندہ را	پسندند کاں مرد باشد کجا
نویسندہ کو پھر نہ پوچھے کوئی	کدھر ہے کہاں ہے نہ جانے کوئی
بہ بینید نامے کہ اند رنگیں	شمارندہ ازوے نوشتہ ہمیں
نگینہ میں کندہ ہے بس نام جس کا	سمجھتے ہیں یہ سب کہ ہے کام اس کا

زمینداران کھتورہ کی سرکشی:۔ اسی زمانہ میں کھتورہ کے زمینداروں نے کھروالی کے تھانیدار سے سرکشی کر ڈالی صاحب عدالت نے علی محمد خاں ساکن لوہاری جلال پور کو ان لوگوں کے لانے کے لئے بھیجا علی محمد خاں اسکنر صاحب کے سواروں کا افسر تھا اور اس کو حکم دیا کہ اگر آنے میں بہانہ کریں اور مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جائیں تو وہیں ٹھہرنا اور ہمیں لکھ کر بھیجنا تاکہ یہاں سے معہ ساز و سامان کے پہونچ کر ان کے کرتوت کی سزا دی جائے دوسرے روز علی محمد خاں کے سوار کھتورہ کے زمینداروں کے ساتھ واپس آگئے اور کہا کہ یہ لوگ بلا کسی عذر کے ہمارے ساتھ آگئے۔

بندہ (مولوی عبدالقادر) کے نزدیک یہاں دو احتمال ہیں یا تو تھانہ دار نے اپنا اقتدار دکھانے کے لئے

۱؎ ولیم فریزر ۱۸۳۵ء میں دہلی کا رزیڈنٹ رہا۔

فرماں برداروں کو خود سر ظاہر کیا ہو یا قسران کے ہاتھوں سے اپنا منہ پٹواکر کے اس معاملہ میں ناراضی اپج گیا ہو۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہاڑی لوگوں نے تھانہ دار کو سپاہی بچہ سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کیا لیکن جب سوار پہونچے تو انجام کو سوچ کر ساتھ ہو لئے صاحب عدالت نے بعضوں کو ضمانت پر چھوڑ دیا اور بعضوں کو دو مہینے کے لئے جیل خانہ بھیجدیا پھر اس مقام سے لشکر کا کوچ کرنال کو ہو گیا۔

کرنال :۔ کرنال میں محمد علی خاں کے لڑکے عشرت علی خاں وغیرہ تینوں بھائی علیحدہ علیحدہ صاحب عدالت سے ملنے آئے ان کی باتیں اور حرکتیں غیر مہذب دیہاتیوں کی سی تھیں۔ اگرچہ عرصہ سے اعزاز و امتیاز رکھتے تھے گالی ان کا تکیہ کلام تھا جو معمولی گفتگو میں شمار ہوتا تھا رنجش کے موقعہ کے لئے گالی کو مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔

مزار بو علی قلندرؒ :۔ کرنال پرانا شہر ہے وہاں کی زبان اور رسم و رواج پنجاب کے سے چلتے ہیں۔ کرنال میں بھی بہت اونچے گنبد کا ایک مقبرہ بنا ہوا ہے اور اس کو بھی بو علی قلندرؒ کی قبر کہتے ہیں لوگ پانی پت والی قبر کو وہاں کے گورپنتوں کا فریب سمجھتے ہیں اور اپنے قول کی سند یہ بیان کرتے ہیں کہ بو علی قلندرؒ کا قیام مرتے دم تک بوڑھا کھیڑہ میں رہنا متفق علیہ ہے اور وہ جگہ یہاں سے تین کوس پر ہے پانی پت ہیں کوس ہے قریب جگہ کو چھوڑ کر دور کیوں لے جاتے پانی پت والے کہتے ہیں کہ ان کے محبوب مبارز خاں کی قبر پانی پت والے مقبرہ میں ہے قرینہ یہ ہے کہ ان کو بھی حسب وصیت یہیں لے آئے ہوں تاکہ مزار قلندر کے سبب سے بہت سے لوگ اس بے چارے کی قبر پر بھی مغفرت کی دعا کریں مگر پانی پت میں وہ سامان زیادہ ہے جو نیکوں کی قبروں پر مردہ پرست لایا کرتے ہیں یا انجمن مستی کا جیران (مولوی عبد القادر) کرنال والوں کی دلیل کو قوی سمجھتا ہے کیونکہ وہ بے وقوف لوگ جن کا کام قبرستانوں کی آرائش ہے ہمیشہ عقل سے خارج باتوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

بوڑھا کھیڑہ میں ایک دیوار ہے کہتے ہیں کہ ایک روز خواجہ دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے سُنا کہ کوئی بزرگ ان سے ملنے کے لئے سواری پر آرہے ہیں قلندر صاحب نے دیوار کو اشارہ کر دیا کہ تو بھی گھوڑے کی طرح چل۔ دیوار چلی۔ لوگ اس کی بھی زیارت کرتے ہیں اور مجاور دیوار کو دکھاتے ہیں کہ یہاں سے ٹیڑھی ہے اور یہ نشان اسی رفتار کا ہے جس ہی چند قدم چلی تھی کہ لوگ ڈر گئے قلندر صاحب نے اس کو چلنے سے روک دیا دیکھنے والے بیوقوفوں نے ہر نا سمجھ اور سمجھدار کے سامنے بیان کیا کہ ہم نے بچشم خود دیکھا ہے۔ کم فہم لوگ مشتاق ہو کر دیکھنے چلے آتے ہیں۔ گوشت، ورد ہی پکا کر ساتھ لے جاتے ہیں لوگوں کو کھلاتے ہیں اور اس کو قلندر صاحب کی روح کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس کھانے کا نام "سہمنی" رکھا ہے ایک زنجیر نما تاگہ چاندی کے دانے پرو کر بچے کے پیر میں ڈال دیتے ہیں اور اس بچہ کو قلندر صاحب کا غلام کہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بچہ یقیناً زندہ رہے گا۔ جوان ہونے

پر اس تانگے کو نکال ڈالتے ہیں گویا بچوں کی زندگی قلندر صاحب کے ہاتھ میں ہے اور پیر و جوان کی زندگی خدا کے اختیار میں ہے۔

اس قسم کی بے ہودگیاں تمام ملک ہندوستان۔ بنگال۔ مارواڑ اور دکن کے جاہلوں میں رواج پاگئی ہیں۔

شاہ بوعلی قلندرؒ ۔ حقیقت یہ ہے کہ بوعلی قلندر[1] خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے۔ علوم رسمیہ حاصل کرنے کے بعد محبت خداوندی کی کشش میں جو دلوں کی مقناطیس ہے، سب سے ترک تعلق کر کے آزادانہ زندگی گزار گئے دیوان اور مثنوی فارسی زبان میں یادگار ہیں جن میں کلمات عارفانہ اور اقوال دانشمندانہ بیان کئے ہیں ان کی ایک غزل بہت مشہور ہے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم	گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
ہے نظر سے اپنی غیرت رُخ نہ دیکھوں گا کبھی	بات تیری کان کو سننے نہیں دوں گا کبھی
گر دمِ دل من افتد آں عنقا باز	گرچہ صد حیلہ کند باز پریدن ندہم
آ پھنسا گر جال میں دل کے کبھی عنقا صفت	سو جتن بھی وہ کرے ہرگز نہ چھوڑوں گا کبھی

رندمشرب مے خانوں میں اور زاہد خانقاہوں میں اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں یہ افسانے حقیقت میں تو معقولیت رکھتے تھے مگر کم عقلوں نے اپنی سمجھ کے مطابق ان میں تصرف کر کے لوگوں میں شہرت دے دی ہے مثال اس کی یہ ہے کہ اس بزرگ (شاہ بوعلی قلندرؒ) کی خدمت میں کوئی شخص دور سے ملاقات کے لئے آرہا تھا استقبال کے لئے اپنے پاس سوائے دیوار کے کسی سواری کے نہ ہونے کا عذر کرنا اچھا نہیں معلوم ہوا اس لئے زبان مبارک سے فرمایا کہ اے دیوار تو ہی چل یعنی ہماری سواری میں اختیار نہیں ہے نیک طینت اور خدا پرستوں کو یہی چاہیئے کہ جو شخص ان کے پاس آئے اس کو اپنے سے بہتر ظاہر کریں اور اس کی تشریف آوری پر مسرت ظاہر کریں نادان معتقدوں نے (دیوار کے معاملہ) کو دوسری طرح مشہور کر دیا یہی معاملہ منی کا ہے کہ حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ گرسنگی کی حالت میں صرف ایک پیالہ دہی پر جو اس علاقہ میں کثرت سے ہوتا ہے قناعت کرتے تھے جس سے بھوک اور پیاس دفع ہوجاتی

---

[1] حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ نے اول مروجہ علوم حاصل کئے پھر ریاضت و مجاہدہ کیا چشتی سلسلے میں بیعت تھے بعض خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا اور بعض شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا خلیفہ بتاتے ہیں تصانیف کثیرہ کے مالک تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے اولاد سے تھے۔ ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ/۱۳۲۳ء میں انتقال ہوا۔ ۱- بزم صوفیاء ص ۲۲۵ تا ۲۳۰

(۲) خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۷ - ۳۲۸

تھی اگر کبھی کوئی گوشت پکا کر لے آیا تو اسے بھی اس پیالے میں ڈال کر کھا لیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب چیزوں کو چھوڑ دیا ہو یا کسی خاص کھانے کے پابند ہو گئے ہوں کیونکہ ان کو ایں وآں سے کیا واسطہ جو چیز آسانی سے میسر آگئی اس سے بھوک روک لی اور جس چیز سے بدن چھپ سکے اس سے چھپا لیا۔ درویشوں کے لئے بوریا ریشم سے اور بھنے ہوئے گیہوں خمیری اور روغنی روٹی سے بہتر ہیں۔

گارنر صاحب کا تبادلہ۔ کرنال سے پھر روانہ ہوئے اور ایک شب درمیان میں قیام کر کے واچر پہونچے آدھا دن گزرا ہوگا کہ ایک انگریزی خط بذریعہ اسپ ڈاک صاحب عدالت کے پاس پہونچا اس کو کھول دیکھتے ہی حکم دیا کہ سب سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور کل کرنال پہونچیں۔ ایسا ہی ہوا جب ہم کرنال پہونچ گئے تو اگلے دن بندہ کو بلا کر فرمایا کہ چار آدمی ہمارے پرانے ملازم ہیں۔ بہاری لال انگریزی نویس، جے سکھ رائے اور دو نظارت کے چپراسی ان کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا پھر جب امید سنگھ نے خواہ مخواہ ساتھ رہنے کی خواہش کی تو فرمایا "یہ بھی" اور کہا کہ یہ واقعہ میں انگریزی کتاب میں لکھ دوں گا۔ سررشتہ کے کاغذات، زیر تجویز آسامی، برقنداز، قیدیوں کے محافظ اور نظارت کے چپراسی سب تمہارے پاس رہیں گے اس مضمون کا ایک اوبکار فارسی میں لکھ لو میں اس پر دستخط کر دوں گا نہ معلوم کون صاحب کب تک یہاں پہونچیں۔ جب تک دوسرا شخص یہاں نہ آئے تم یہیں رہو۔ لفافہ پولیس والوں سے کھلوانا اس کا جواب جو مناسب سمجھو سررشتہ کے موافق لکھ دینا اگر کوئی مجرم آجائے تو اس کو پہرہ داروں کے سپرد کر دینا اور اس کے اظہار سے کر پہلے اس کے پھر اپنے دستخطوں سے تکمیل کر کے مسل مرتب رکھنا جو قابل ضمانت ہو اس کی ضمانت لے لینا۔ اسی مضمون کا ایک پروانہ لکھ کر پولیس میں بھیج دیتا ہوں اور اس میں لکھتا ہوں کہ اگر ہنگامہ کی صورت دیکھو تب بھی سررشتہ دار کو لکھو اور شاہجہان آباد کے بڑے صاحب (رزیڈنٹ) کو مطلع کرو۔ جنگ یا دوسرے علاقہ میں جانے کے سوا، جو کچھ سررشتہ دار اپنے دستخطوں سے لکھے اس پر عمل کرو پھر فرمایا کہ اگر ولیدر صاحب یہاں آجائے تو اچھا ہے وہ تمہارا پرانا آقا ہے اور اگر دوسرا کوئی شخص آئے اور اس کے ساتھ رہنے کو تمہارا جی نہ چاہے تو رخصت لے لینا اور دہلی ہو کر مجھ تک پہونچ جانا میں اپنے پاس جگہ دوں گا۔

میں انگریزی میں لکھے دیتا ہوں کہ اس مدت میں سررشتہ دار نے ہمیں خوش رکھا ہے اب اگر ولیدر صاحب یہاں پہونچیں تو اپنے نزدیک اس کو میرا سپرد کیا ہوا سمجھیں اور اگر کوئی دوسرا ہو تو اس سے نرمی اور آبرو کا خیال رکھتے ہوئے کام لے ورنہ اس کو رخصت کر کے مجھ پر اور اس پر احسان کرے۔ کیونکہ یہ شخص ہمارا یار شاطر ہے بار خاطر نہیں۔ ولیدر صاحب کے خیال سے نیز کوئی دوسرا شخص نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر جبر کر کے اس شخص کو یہاں چھوڑا ہے لوگ سمجھ رہے تھے کہ شاید آقا جان کی طرف کلکٹر ہو گیا ہے اسی بنا پر اسی کے ساتھ رہنے پر اصرار کر رہے تھے بندہ

(مولوی عبدالقادر) اس خیال میں تھا کہ وہ کوہستان جا رہا ہے شام کے وقت صاحب سوار ہو کر جمنا کی طرف روانہ ہو گیا۔
دوسرے روز ساتھی بھی چل دیئے میں تنہا وہاں رہ گیا تین محرروں کا کام کرتا البتہ چھوٹا بھائی جو ساتھ تھا نقل کر دیتا
تھا ایک محافظ تھا جو کچھ کام نہیں کر سکتا تھا۔

اب ذرا کارنر صاحب کا حال جو کچھ میں جانتا ہوں تحریر کرتا ہوں عدالتی معاملہ تو جیسا ہونا چاہیئے ویسا ہی ہے نہ کسی پر غصہ
نہ کسی کی حمایت جو کچھ مقدمہ میں گواہوں، اقرار اور قرائن سے ثابت ہو جاتا اسی کے موافق حکم فرماتے سزا بھی جرم کے اندازے سے
دیتے تھے اس عرصہ میں کسی کو، اس سے زیادہ سزا کا حکم نہیں دیا کہ چھ مہینے کی قید اور اس کے بعد ضمانت اور اگر ضمانت نہ
ملے تو چھ مہینے اور اگر کسی جرم کی سزا اس سے زیادہ دیکھی تو اس کو بڑے صاحب (ریذیڈنٹ) کی تجویز پر سونپ دیا۔
بخلاف دوسرے اسسٹنٹ صاحبوں کے کہ دس دس اور بیس بیس سال کی قید اور حبس دوام کو کار نمایاں سمجھتے تھے۔
صرف خون کا مقدمہ بڑے صاحب کے پاس بھیجتے تھے۔ سرکشوں کی تنبیہہ بھی خوب کرتے تھے بے کار آدمیوں سے کام پر لگانا
اسی کا کام تھا۔ اس ملک کی رعایا اس قدر اس سے خوش تھی کہ اس کا نام "اتارن" یعنی ڈوبتے کو کنارہ پر پہونچانے والا رکھ دیا
تھا میں سمجھتا ہوں کہ برسوں اس علاقہ میں اس کا نیک نام رہے گا۔

ولیدار صاحب کا عدالت دورہ پر تقرر:- کارنر صاحب کے چلے جانے اور پانی پت میں چند روز قیام کے بعد ولیدار صاحب
کا خط پہونچا کہ تنہا خود کو یہاں (دہلی) پہونچا دیں روانہ ہو کر اسی روز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا پوچھا کہ وہاں
(عدالت دورہ) پڑھے لکھے کتنے آدمی ہیں میں نے کہا اس ناچیز کے سوا اور کوئی نہیں تین فارسی نویس اور ایک
انگریزی نویس، ہمراہ چلے گئے فرمایا کیا استعفا دے دیا ہے میں نے کہا کہ صرف ایک شخص امید سنگھ نے استعفا دے
دیا ہے جو ناظر تھا فرمایا اب بڑی مشکل پڑ گئی اگر بڑے صاحب کو لکھتا ہوں تو پہلے صاحب کی شکایت ہے جو مناسب
نہیں اور نہ لکھوں تو مشکل۔ یہ کام کیونکر چلے میں نے کہا کہ ابھی جیل خانہ کا داروغہ کوئی مقرر نہیں ہوا بیس روپے مہینہ تین ماہ سے
بچت میں جمع ہو رہے ہیں اور تھانہ بھون کے دو آدمی ایک کروڑی مل دوسرا گردھاری لال لشکریں امیدواری امتحان
کے طور پر ان سے کام لیا جائے اور نقل کے کام میں محافظ دفتر بھی مدد کرے نیز اٹھائیس تھانوں کے برقندازوں کی برطرفی
اور بحالی کے سلسلے میں درمیانی ایام کی بچت بھی جمع ہے تین مہینے تک فارسی نویس کی تنخواہ کی ضرورت نہیں میں سمجھتا ہوں
کہ کارنر صاحب روانگی کے وقت بڑے صاحب کو ماجرا لکھنا بھول گئے غالباً آج کل میں لکھ بھیجیں گے کہنے لگے کہ وہاں
کی کثرت مشاغل کی بنا پر بھول جانا بھی بعید نہیں، اور انگریزی نویس جو چالیس روپے تنخواہ پاتا ہے اس کی بجائے
دوسرا آدمی رکھنا ضروری ہے اس کے لئے کیا کیا جائے میں نے کہا اگر مضائقہ نہیں ہو تو کارنر صاحب کو یہ مضمون لکھ بھیجیں
کہ آپ کے انگریزی خط کی نقل جو یہاں سے روانگی کے وقت بڑے صاحب کو لکھا گیا تھا انگریزی نویس نے کتابت

نہیں کی ہے مہربانی فرما کر اگر نقل آپ کے پاس ہو تو بھیجدی جاتے تاکہ اس کے مطابق بڑے صاحب رخصت لینے
والوں کی تنخواہ کی منظوری اور ان کے عیوض میں تقرر کرنے کی یاد دہانی کی جاتے ولیدر صاحب نے فرمایا کہ
اس میں بھی تامل ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو کنا یہ خیال کر کے خفا ہو جائیں سر دست انگریزی اصل نقل کی دردسری
میرے ذمہ ہے اور فارسی تمہارے ذمہ۔ اس سے زیادہ فارسی کام انجام دے سکو تو بہتر ہیں نے تھانہ بھون کے
دونوں اُمیدواروں کو سامنے بلا کر کہا کہ فی الحال امتحان کے طور پر ایک شخص روبکار نویسی اور پروانہ نویسی کرے
اور دوسرا نظارت کا کام اور جیل خانہ کی داروغگی انجام دے خرچ کے لئے امداد کے طور پر پندرہ پندرہ روپے
مہینہ ملیں گے بارہ روپے ان نظارت کے چپراسیوں کی تنخواہ کے جو گارنر صاحب کے ہمراہ استعفا دے کر چلے
گئے تھے بجٹ میں تھے میں نے عرض کیا کہ ان کا کیا کیا جائے فرمایا کہ غلام باسط تمہارا چھوٹا بھائی ساتھ ہے اور عملہ
کے سفر خرچ کی مد سرکار میں نہیں ہے تمہاری تنخواہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے فی الحال یہ بارہ روپے اور تیرہ بچت
میں سے ملا کر پچیس روپے اس کے نام مقرر ہو جائیں اور وہ (غلام باسط) دو بکار لکھا کرے ان دونوں میں سے
ایک نمبر نظارت کا کام انجام دے پروانے لکھنا اور ان کی نقل کرنا اسی کے ذمہ۔ دوسرا جیل خانہ کی داروغگی کرے
اور روزانہ کی تقسیم خوراک اور زنجیر و چوب کا حساب لکھے محافظ دفتر بھی نقل لکھ لیا کرے اور فرمایا کہ جملہ اٹھائیس
تھانوں سے ایک ایک برقنداز یہاں حاضر رہے ایک ماہ کے بعد دوسرا آ جائے تاکہ تھانہ کی کیفیت اور تھانیداروں
کی حالت بھی معلوم رہے میں نے عرض کیا کہ مجرموں کو دورہ میں ساتھ رکھنے میں اگر سواری دی جائے تو خرچ زیادہ
پڑتا ہے پا بزنجیر منزل پر نہیں پہونچ سکیں گے اور بلا زنجیر بھاگ جانے کا احتمال ہے جب تک کوئی جگہ کچہری اور
جیل خانہ کے لئے تجویز ہو اگر رائے عالی مناسب خیال کرے تو میا دوالوں کو پانی پت کے قلعہ میں یا تھانہ کی تحویل
میں رکھا جائے اور خرچ خوراک کی فرد تھانہ کا محرر لکھکر بھیجدیا کرے اور تھانہ دار مجرم کو تھانہ سے روانہ نہ کریں بلکہ
اگر مقدمہ سنگین نہ ہو تو ضمانت لے لیں اور اگر مقدمہ سنگین ہو تو لشکر کے پہونچنے تک وہیں رکھیں اور عدالت کو کیفیت روانہ
ہونے کے دن سے اس کو خوراک دیتے رہیں اور ہر تھانہ کے سنگین مقدمات کا آخری حکم وہیں دیا جائے کہ سر دست
اسی میں سہولت ہے آئندہ جو مناسب ہو اسی درمیان میں بڑے صاحب کا حکم پہونچا کہ اگاڈنر صاحب کے عملہ میں جو ملازمین
گئے ہیں ان کی تنخواہیں صاحب موصوف کے نوشتہ کے مطابق دی جائیں گی اور جن کو عیوضی میں نوکر رکھا گیا ہے
ان کو بھی تنخواہیں ملیں گی۔

آقا ردولیدر صاحب نے پانی پت، کرنال اور واچھرہ کے مقامات پر مقدمات کی تجاویز شروع کر دیں۔ چند روز پانی پت
میں قیام رہا۔ وہاں کا تھانیدار شیران خان تھا جو شہباز خان سے قرابت رکھتا تھا شہباز خان بریلی کے کوتوال

کریم خاں کا لڑکا تھا کریم خاں سٹین صاحب کے زمانہ میں بریلی کے کوتوال تھے۔ شاید شیراں خاں اسی وجہ سے پانی پت میں "نواب" کے نام سے مشہور ہوا اور ولیم فریزر صاحب کا مورد الطاف ہو کر اس عہدہ پر پہنچا ہے۔

ولیم فریزر کی ظرافت کا نمونہ:۔ پھر ہم پانی پت سے ادرلانہ کے تھانہ میں پہونچے۔ لطیفہ یہ ہے کہ وہاں پر خواجہ احسان علی تھانیدار، جمعدار اور محرر تینوں ہکلے تھے صاحب نے ایک کو بلایا جب اس کی زبان سے بات صاف نہ نکلی تو دوسرے کو طلب کیا وہ اس سے بھی زیادہ نکلا تیسرے کو بلایا وہ ان دونوں سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ آخر رخصت کیا اور مسکر کہا کہ یہ سب فریزر صاحب کی ظرافتیں ہیں کہ سب ایک ہی رنگ کے جمع کر دئیے ہیں وہاں پر ایک دن قیام کر کے رہتک گئے۔

سر رشتہ دار عدالت (مولوی عبدالقادر) کی ذمہ داری میں اضافہ:۔ رہتک پہونچتے ہی مٹکاف صاحب کا خط آغا کے نام پہونچا کہ میں اب گورنر جنرل بہادر کے لشکر میں جا رہا ہوں تم اپنے آپ کو بہت جلد یہاں پہونچاؤ۔ آغا وہاں کو روانہ ہو گیا اور مجھ سے فرمایا کہ میں تو یہاں سے گورنر جنرل کے لشکر میں جاتا ہوں وہاں اتنی فرصت نہ ہوگی کہ تھانوں کے کوائف جو وہاں پہونچیں ان کو دیکھوں اور ان پر مناسب حکم لکھوں۔ دوسرا کوئی ایسا شخص نہیں جو ساتھ لے جانے کے لائق ہو یا تنہا یہاں چھوڑا جا سکے بہتر ہو کہ کیفیت پڑھ کر اور غور کر کے جو کچھ حکم اس پر مناسب ہو ایک علیحدہ کاغذ پر لکھ کر کیفیت کے ساتھ ہمارے پاس روانہ کر دو اور ضرورت ہو تو پروانہ بھی لکھکر بھیجدیا کرو۔ وہ ملاحظہ اور دستخط کے بعد تھانہ کو چلا جائے گا اور حکم، کیفیت کی پشت پر دستخط شدہ تمہارے پاس پہونچ جائے گا اس سے کتاب میں پروانہ کی نقل کر لینا دشوار نہ ہوگا! اور یہ کہ مجرم کو اس کے جرم، حیثیت اور احتیاط پر نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے سے پابہ زنجیر یا محبوب کر سکتے ہو، ضمانت بھی لے سکتے ہو۔ جو صورت اختیار کی جائے اس کی تحریر بھیج دی جائے۔

پانی پت کا ایک واقعہ:۔ پانی پت کا سابق تھانیدار مبارک شاہ فرزند حیرت شاہ خاں تھا جس نے شکسپیر صاحب سپرنٹنڈنٹ و مہتمم امور لشکر نواب گورنر کی توجہ سے میرٹھ کی کوتوالی کے دورہ میں نیک نامی کی بناء پر منصف کا عہدہ حاصل کر لیا تھا اور بعد کو اس کی خرابی اس حد تک پہونچ گئی کہ صدر تک اطلاع ہو گئی اس شخص نے ایک عرضی لکھی کہ ایک شخص بازار کے عام راستہ میں اپنا مکان بنا رہا ہے اور ایک دیوار کی بنیاد اپنی حد سے گزر کر زائد بازار کی جانب بڑھا کر رکھ رہا ہے جس سے بازار تنگ ہوتا ہے اور زبانی ممانعت سے باز نہیں آتا۔ یہاں سے حکم گیا کہ ہرگز بنیاد نہ رکھنے دیں، جب تک اس مقام کا نقشہ شہر کے سربرآوردہ حضرات کا دستخط شدہ یہاں نہ آ جائے اور یہاں سے اس پر حکم نہ ہو جائے۔ اگر خودسری کرے تو جواب دہی کے لئے پولیس کے سپاہیوں کے سپرد کر کے یہاں بھیجدیں۔

اور اس عرصہ میں اس حکم کے پہنچنے سے پہلے کچھ دیوار بن گئی ہو تو اس کو خاک برابر کردیں۔ معلوم وہ شخص کیونکر ظامن صاحب کا پروانہ جس کو شہر سے باہر والی پولیس کے مقدمات سے کوئی سروکار نہ تھا تعمیر کی اجازت کے متعلق تھانہ دار کے نام لے آیا۔ تھانیدار نے دلیر صاحب کو لکھا صاحب موصوف نے تھانیدار کو لکھا کہ تم کو یہاں کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے دوسرے صاحبان جو کچھ لکھنا چاہیں گے ہمیں لکھیں گے اور وہ پروانہ ہمارے پاس بھیجدو تھانہ دار نے پروانہ یہاں سے بھیجدیا اس میں یہ تھا کہ یہ شخص عمدہ عمارت جس سے بازار کی رونق ہو جائے تعمیر کراتا ہے اور تھوڑی سی جگہ بازار کی جس میں سوائے سرکار کے کسی کا حق نہیں ہے اپنے مکان میں شامل کرتا ہے اور بغیر شامل کئے ہوئے اس کی تعمیر ناقص رہتی ہے لہذا اس میں رکاوٹ نہ ڈالنی چاہیئے۔ اس پر صاحب کے دستخط اور عدالت دیوانی کی مہر بھی تھی صاحب نے اس کو واپس کردیا اور حکم لکھا کہ پروانہ غالباً سہو سے مزین بمہر و دستخط ہو گیا ہے کیونکہ یہ مقدمہ دیوانی کے متعلق نہیں اور یہاں کی فوجداری کا تعلق دورہ کی عدالت سے ہے نیز یہاں سے ممانعت کے حکم کے بعد بڑے صاحب کی اجازت کے سوا دوسرے کو اجازت دینے کا حق نہیں ہے لہذا پروانہ واپس ہوتا ہے تھانیدار پہلے حکم کی تعمیل کرے تھانہ دار نے عدالت دورہ کا حکم ثانی پہنچنے پر اس کی گز بھر اونچی دیوار کو جڑ سے اکھڑوا دیا اور حکم سے مطلع کردیا قصہ ختم ہو گیا۔

دلیر صاحب شاہجہاں آباد گئے وہاں پر امید سنگھ ناظر کا رز صاحب کا سفارشی خط لا کر پھر نوکر ہو گیا اور صاحب کے ہمراہ رہا بندہ حسب الحکم سلام انجام دے رہا تھا مثلاً پولیس والوں کی یہ رپورٹ پہونچی کہ فلاں گاؤں اور فلاں مکان میں رات کے وقت نقب لگا اور اس قدر مال چوری ہوا تو یہاں سے اس عبارت کا پروانہ روانہ ہوتا کہ یہ نہیں لکھا کہ دیوار مٹی کی ہے یا اینٹ کی نقب کا طول و عرض کس قدر ہے، اس مکان کے چاروں طرف کس کس کے مکان ہیں، نقب کی جانب کس کے مکان کا صحن ہے، شاہراہ، سربند گلی، عام گلی، خانہ ویران یا کسی کی کھیتی ہے پھر جائے نقب سے راستہ کدھر کو جاتا ہے اور وہ راستہ جہاں سے آ رہا ہے وہ کیسا مقام ہے شب کو لوگ وہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے اس دیوار کو بے نقب کب دیکھا تھا، سب سے پہلے کس وقت اور کس نے نقب دیکھا، جب دیکھا تو کیا کیا اور کتنے آدمیوں کو دکھایا اس وقت نقب کے قریب کسی کے پیر کا نشان پایا گیا یا نہیں اور پایا گیا تو رفتار بھی ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو وہاں کی زمین کیسی ہے اور رفتار کیوں نہیں، چوری سے پیشتر کسی نے اس چیز کو اس گھر میں دیکھا تھا یا نہیں، اور وہ شخص لوگوں کا مقروض ہے یا نہیں۔ اس رات اس گاؤں میں کوئی نووارد بھی تھا یا نہیں اگر تھا تو صبح کو وہ شخص گاؤں میں رہا یا نہیں، چوری سے پہلے کوئی اجنبی شخص اس کے گھر میں آیا تھا یا نہیں، گاؤں کا چوکیدار اس کا کیا جواب دیتا ہے اور اس کی چوکیداری کے زمانہ میں اس گاؤں میں کتنی مرتبہ چوری ہوئی۔ چوکیدار اسی گاؤں کا باشندہ ہے یا دوسرے گاؤں کا۔ جس کے گھر میں چوری ہوئی ہے وہ کب سے اس گاؤں میں آیا ہے یا وہیں کا قدیم باشندہ ہے اس شخص کی گاؤں میں کسی

سے مخالفت ہے یا نہیں اس گاؤں کے باشندے دوسرے گاؤں کے باشندوں سے کوئی تنازع رکھتے ہیں یا نہیں آس پاس کے دیہات
نیک نام ہیں یا بدنام مال کے مالک کو کسی پر شبہ ہے یا نہیں مگر نہیں ہے تو کیوں یہ سب باتیں لکھکر بہت جلد بھیجیں، چوکیداروں کو بھی روانہ کریں
اور آئندہ ان سب باتوں میں ذرا فروگذاشت نہ کیا کریں۔

کچھ دن یوں ہی گذر گئے، اچانک حکم پہونچا کہ کل شام تک میں پہونچتا ہوں وہ تمام مقدمات جو حکم کے امیدوار ہوں مرتب
کر کے رکھو اور سفر کے لئے تیار رہو دوسرے دن صاحب عدالت تشریف لے آئے اور تمام کاغذات مرتب دیکھے
فرمایا ایک حکم لکھو تاکہ اس کی ایک نقل بڑے صاحب کی خدمت میں اور ایک پانی پت کے تھانیدار کے پاس بھیجدی جائے۔
بڑے صاحب نے عدالت دورہ کے سامنے ارشاد فرمایا کہ نواب گورنر جنرل بہادر کے لشکر سے واپسی کے وقت
جب رات کو میں پانی پت پہونچا تو ایک بہت معزز اور محترم دوکان دار دیکھنے میں آیا جس نے واویلا کرتے ہوئے
راستہ روک لیا کہ تھانہ دار نے میرا کئی ہزار روپیہ کا نقصان کرا دیا کہ میری وہ عمارت جس سے بازار بلکہ شہر کی رونق تھی کہ
بہانہ سے کہ شاہراہ پر بن رہی ہے مسمار کرا دی اور دہلی کے صاحب عدالت دیوانی کا حکم دیکھا لیکن اس پر عمل نہ کیا۔
میں نے پالکی سے سر نکال کر دیکھا تو واقعی شاہجہاں آباد کے مکانوں کی طرح عالی شان مکان مسمار شدہ نظر آیا۔
اگرچہ دیوار شاہراہ میں تھی لیکن اس سے چنداں نقصان بھی نہ تھا۔ اس بے چارہ پر بہت ظلم ہوا اس بنا پر ضروری
ہے کہ تھانیدار اس کی جواب دہی کرے کہ اس دیوار کو اتنا بلند ہی کیوں ہونے دیا گیا کہ اس پر بڑی عمارت قائم ہوسکے
اور ہزاروں روپیہ خرچ ہو گیا۔ اس مکان کے مسمار ہونے میں اس شخص کا کافی نقصان ہو گیا۔ بانی عمارت اگر چاہے
تو اپنے نقصان کی نالش عدالت دیوانی میں تھانہ دار کے نام کر سکتا ہے چونکہ شاہراہ میں سب رعایا اور سرکار کا حق ہے
جب تک سب چلنے والے دیوار بنانے کی رضامندی نہ دے دیں صرف سرکار اجازت نہیں دے سکتی۔

یہ حکم تھانیدار کے پاس پہونچا اس نے لکھا کہ دیوار کا نشان باقی ہے اور معمار موجود ہیں اس مکان کی وسعت تعمیر مال کثیر
کا مصرف نہیں رکھتی۔ اینٹ اور مٹی ابھی تک موجود ہے۔ سب دوکاندار اور شہری لوگ سمجھتے ہیں کہ پانچ چھ روپے
سے زیادہ نقصان نہیں ہوا مجھے منظور ہے کہ بانی عمارت میرے نام دیوانی میں نالش کر دے اگر فیصلہ اس کے
حق میں ہو جائے اور عمارت کی لاگت پچاس روپے بھی ثابت ہو جائے تو میں سنگین سزا کا مستحق ہوں یہاں سے حکم گیا
کہ یہ انتہائی گستاخی ہے کہ بڑے صاحب کے معائنہ کو خلاف واقعہ ظاہر کر رہے ہیں رو بکاری کے وقت اس کی بھی سزا
پاؤ گے بانی عمارت نے نالش نہیں کی لیکن تھانیدار معزول ہو گیا اور گستاخی کے عوض جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ ہرست کا
تھانیدار میر محمد یوسف اس کی بجائے مقرر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس ملک میں قانون جاری ہوتا تو بانی عمارت کی اس قدر جلد دادرسی ممکن نہ تھی مگر بڑا صاحب بھی ایسا
ہی تیز نظر چاہیے کہ رات کے وقت میں سرسری نگاہ ڈالتے ہی معاملہ کی حقیقت کو ایسا پہنچا کہ رات دن کے دیکھنے

والے بھی اس معاملہ میں حیران ہیں اور عقلمند بھی ایسا کرنے اپنے حکم کی تعمیل کے مشاہدہ کو اپنے اور تمام لوگوں کی طاقت سے زیادہ سمجھتا ہے ان ہی وجوہ کی بنا پر دہلی، اجمیر اور جے پور کے صاحبان انگریز فرماتے ہیں کہ اس ملک کے لئے قانون کی ضرورت نہیں۔ اور حسن اتفاق کہ تینوں مقامات کی برکت نے صاحبوں کی استعداد اتنی بڑھادی ہے کہ باوجود کم سنی کے دیوانی کی لاتعداد رقموں کے فیصلے اور مجرموں کو حبس دوام تک کی سزائیں بلا اطلاع صدر اور بغیر کسی دوسرے کی شرکت کے کچھ نہ کر سکتے تھے۔

گورنر جنرل کے لشکر کے لئے حفاظتی تدابیر۔ آقا نے فرمایا کہ بڑے صاحب خود تو دہلی رہ گئے اور مجھے نواب گورنر جنرل بہادر کے لشکر کے ساتھ کر دیا ہے تاکہ چوری نہ ہو کیونکہ بڑے صاحب کی ہمراہی کے دنوں میں لارڈ صاحب کے توشک خانہ تک میں چوری ہو گئی اور فرمایا ہے کہ اگر پاسبان زیادہ درکار ہوں تو نئے ملازم رکھے لئے جائیں تنخواہ کی رقم سرکاری خرچ میں محسوب ہو جائے گی اور اگر فیض طلب خاں (رئیس نارنول) کو وہاں سے لکھ کر طلب کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں میں نے عرض کیا کہ بڑے صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں دم مارنے کی جگہ نہیں وہ سب کا افسر ہے انگریزی سرکار میں مرتبہ کی ترقی عقل کی مناسبت سے ہوتی ہے آقا نے فرمایا کہ اس تعریف سے کوئی فائدہ نہیں اگر کوئی تدبیر تمہارے خیال میں آئے تو کہو کہ اب آفت میرے سر پر ہے میں نے عرض کیا کہ تھانیداروں کو پروانے لکھ دیئے جائیں کہ شب کے وقت لشکر کی حفاظت گردو پیش کے زمینداروں کے ذمہ ہے اور سفر کی حالت میں بر سر راہ دیہاتیوں کے ذمہ ہے لہذا لشکر جس تھانے میں پہنچے زمینداروں سے مچلکے لکھوا کر جائے قیام اور راہ کوچ کی حفاظت ان کے ذمے کر دیں اور لشکر کے مہتمم کو لکھ دیا جائے کہ بیرونی چوری کی حفاظت تو میں کر سکتا ہوں لشکر میں تاکید کر دی جائے کہ چوری کی اطلاع کوچ سے پیشتر دے دیں تاکہ زمیندار تدبیر کر سکیں اور جو کوئی لشکر سے علیحدہ ہو کر گیا ہو اس کو پکڑیں اس کا سامان دیکھیں فرمایا بہتر ہے لکھ دو دیکھا جائے گا کامیابی ہوتی ہے یا نہیں اور آقا نے امید سنگھ کو محکمہ کے متعینہ عملہ پر چھوڑ کر فرمایا کہ جس قدر کاغذات آئیں لشکر میں بھیجدیا کرو۔

میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی (غلام باسط) اور امانت علی کنبوہ امروہہ کا باشندہ تھا جو نوکری کی امیدواری میں آکر سابقہ شناسائی کی بنا پر ہم میں شامل ہو گیا تھا آقا، اسکنر کے مکان پر اترے، اصالت خاں تحصیلدار نے بھی اپنا خیمہ لشکر میں نصب کرایا تاکہ حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو وہاں کا تھانیدار انور علی تھا جو کارگزاری کے اعتبار سے باتیں زیادہ بناتا تھا، آقا دو بلید صاحب کے حضور میں آیا اور کہا خداوند نعمت زمیندار لوگ مچلکا لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور وہ حق بجانب بھی ہیں لشکر کی حفاظت زمینداروں سے کیسے ہو سکتی ہے۔

آقا نے مجھے علیحدہ لے جا کر فرمایا کہ وہ (انور علی) سچ کہتا ہے پرانا آدمی ہے تم ہمیشہ ایسی راہ چلتے ہو جدھر کوئی بھی

کوئی نہ گیا ہو میں نے عرض کیا کہ بندہ لکھنے پڑھنے کی تنخواہ پاتا ہے وہ پچاس روپئے سے زیادہ نہیں یہ میری نادانی ہے کہ
میں محرر کا کام کر رہا ہوں اس کے علاوہ محافظت کے انتظام کی تدبیر بھی بتادی ٹھیک نکل آئی تو انعام کچھ بھی نہ تھا مگر
سردست الزام تو ہے ہی یہاں سے کلکتہ تک کسی سررشتہ دار نے تھانہ کا بندوبست نہیں کیا ہے اب مجھ کو جو ارشاد
ہو کھدوں یا اس بے ہودہ گوئی کی سزا دے دیں یا آئندہ کے لئے مچلکہ لے لیں یا وہ پرانا تجربہ کار سررشتہ داری پر
رہے اور بندہ کو تھانے میں بھیج دیں مسکرا کر فرمایا اگر تم طب نہ جانتے ہوتے تو یقیناً ڈاکٹر کے پاس بھیجنا ضروری ہوجاتا
تھوڑی دیر ٹھہرو اور اپنے حواس درست کرلو ان ہی پریشان جملوں سے جو تم نے کہے میں نے تدبیر نکال لی تعجب تو یہ ہے
کہ اس تغیر مزاج میں تدبیر تم سے ضائع نہیں ہوتی میں ابھی لوگوں کے سامنے کہوں گا کہ یہ تمہاری تدبیر تھی لہذا تم ہی تھانے
جاؤ اور اس کو انجام دو اور انور علی خاں یہاں پر تمہارے کام کو انجام دے کیونکہ وہ خوشخط اور جہاندیدہ ہے اگر کام
انجام کو پہونچ گیا تو انور علی خاں پھر تھانے نہیں جائے گا تمہاری تجویز سے دوسرا شخص وہاں رہے گا اور تم اپنے
کام پر آجاؤ گے اگر یہ کام انجام کو نہ پہونچا تو اپنے گھر کا راستہ لینا۔ میں نے خوش ہوکر کہا بسم اللہ۔ آقا بظاہر
غضب آلودہ ہوکر باہر آیا اور اسی تجویز کے مطابق فرمایا۔

مولوی عبدالقادر کا ہانسی کا تھانیدار مقرر ہونا اور زمینداروں کے مچلکے لینا :- میں سلام کر کے تھانے چلا گیا
وہاں مسند اور تکیہ دیکھا میں نے ان چیزوں کو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ چیزیں پاگلوں کے زمانے کی یادگار ہیں۔
انگریزی سرکار میں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر نیچے اترا، زنجیریں پڑی ہوئی دیکھیں، مزدوری دے کر سب کو
آقا کے پاس بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ چار اور زنجیریں جو موجود نہیں ہیں لوہاروں کو بلا کر اسی وقت فراہم کرتا ہوں۔
زمیندار بیٹھے ہوئے تھے پوچھنے لگے کہ زنجیروں کا کیا ہوگا میں نے کہا معلوم نہیں۔ صاحب عدالت اسکنر صاحب
کے مکان پر ہیں جو تمہارے رویہ سے واقف ہیں اور فریزر صاحب نے بھی وہ سختی جو اس قوم کے لوگوں کے
لئے مناسب ہے اسی گھر سے سیکھی ہے نہ معلوم آئندہ کیا ہوگا آج آقا نے جو گفتگو ہم سے کی ہے کبھی نہیں کی تھی۔
پھر میں نے کہا کہ پہلے تم سب لوگ ہمارے ساتھ آؤ اور صاحب کے سامنے جو کچھ کہنا ہو کہہ لو دیکھا جائے کہ
آج ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہ لارڈ صاحب کا لشکر بھی آرہا ہے ہمارے اور تمہارے لئے کیا ہوتا ہے زمیندار
میرے ساتھ ہولئے میں نے کہا اگر مچلکے نہ لکھو گے اور نگہبانی نہ کروگے تو یقیناً لشکر میں چوری کثرت سے ہوگی۔ اور
لشکر کا مالک، دگر رنر جنرل، کہ جس سے بڑا ہندوستان میں نہیں ہے تم کو فسادی سمجھے گا۔ پیشتر بھی اس ملک کی سرکشی
سن چکا ہے اور بھوانی کی لڑائی تو مشہور ہے اگر جلا وطنی کا حکم دے دیا تو کیا کروگے مقابلہ کی طاقت نہیں
رکھتے ہو اور اگر رکھتے ہو تو اس سے بہتر کیا ہے میں تمہارا نوکر ہوا جاتا ہوں مجھے اپنا سامان دکھلا دو جس نے

گے بڑا زور تو فریاد ہے اگر ہماری فریاد نہ سنی گئی تو پھر اسی کے کہنے پر عمل کریں گے (یعنی مچلکے لکھ دیں گے) میں سمجھ گیا کہ ٹھیک ہے میرے پہونچتے ہی صاحب باہر آ گئے اور پوچھا کہ کیا مچلکے لکھ دئے میں نے کہا ان کو کوئی عذر نہیں صاحب نے کہا کہ میں ایک صاحب سے ملنے جا رہا ہوں جلد واپس آتا ہوں مچلکوں پر دستخط کر کے رکھیں واپس آؤں گا تو دستخط اور تصدیق کر کے پہونچا دئے جائیں گے۔ ابنت علی کو تھانے بھیجدیں تاکہ بہت جلد زنجیریں پہونچیں اور بر وقت حکم، دیر نہ لگے، یہ فرما کر چلے گئے، سب نے بلا عذر دستخط کر دئے اور رخصت چاہی تاکہ جا کر بند وبست کی تدابیر کریں میں نے آقا کو اطلاع کی، وہ آئے اور دستخط کر کے سب کو رخصت کیا میں نے ان زمینداروں کے سامنے ہی عرض کیا کہ اگر حفاظت قابلِ اطمینان کی گئی تو انعام کے مستحق ہونگے، آقا نے فارسی میں فرمایا کہ انعام کہاں سے دیا جائے گا میں نے عرض کیا کہ حضور کی مہربانی سے ان کو راضی کرنے کا بہت سامان رکھتا ہوں آقا کے سامنے میں نے ان سے پوچھا کہ انعام چاہتے ہو یا لارڈ صاحب کی نوکری جیسے اسکنر صاحب کے سواروں نے کی ہے کہنے لگے کہ انعام کیا ملے گا میں نے کہا کہ جو ملک کا دستور ہے یعنی ایک ایک پگڑی، کہنے لگے اور ملازمت میں نے کہا یہ میرے ذمہ ہے۔

گورنر جنرل کی تشریف آوری:۔ لارڈ صاحب (گورنر جنرل لارڈ ماترا) تشریف لائے اسکنر صاحب کے سوار دو طرفہ صف بستہ کھڑے تھے کہ لارڈ صاحب ظاہر ہوئے سب آداب بجا لائے امیر کبیر (گورنر جنرل) سر سے ٹوپ اتار کر دائیں اور بائیں دونوں صفوں کے درمیان سلام کا جواب دیتے ہوئے گزر گئے اور خیمہ گاہ میں پہونچکر گھوڑے سے اترے [۱]

ایک فقیر ساز ہاتھ میں لئے ہوئے بیٹھا تھا اس نے فقیرانہ اور مسافرانہ راگ گانا شروع کر دیا دریا دل امیر نے اشارہ سے اس کو بلایا اور اس کا ساز لے کر دیکھا پھر واپس دے دیا اور چند اشرفیاں مرحمت فرمائیں، اسکنر صاحب کرنیل کے رتبہ پر سرفراز ہو گئے [۲] لیکن سواروں میں ایک ابنت اور بڑھ گیا کرنیل کے دل کا حال تو وہ خود جانے اس کے افسرانِ دوست ابنت کے آنے سے اس گروہ میں پرانے نظم کی برہمی سمجھے۔ لشکر کا مقام تو وہیں رہا مگر خود

---

[۱] لارڈ ماترا ۱۳ جنوری ۱۸۱۵ء کو ہانسی پہونچے اسکنر نے تین ہزار سواروں سے گورنر جنرل کا استقبال کیا۔ PRIVATE JOURNAL OF THE MARQUESS OF HASTINGS VOL. I. P. 290 (LONDON, 1858)

[۲] کیپٹن اسکنر کمپنی کی حکومت سے چنداں خوش نہ تھا گورنر جنرل نے تالیف قلوب کے لئے لفٹنٹ کرنل کا عہدہ دیا۔ (PRIVATE JOURNAL VOL. I. P. 293-294)

بدولت (گورنر جنرل) شکار کو چلے گئے[1] اور چار سو روپیہ ہانسی کے مسکینوں کی تقسیم کے لئے ولید صاحب کے سپرد کیا ویلدر صاحب نے بندہ کو حکم دیا بندہ سمجھا کر۔

گدایاں نیابند اندر شمار — بدیں مشت زر چوں شوم رستگار
فقیروں کی ہرگز نہ گنتی رہے گی — یہ تھی رقم کی کہاں تک چلے گی
ہر آں کو نیابد نہ بستایدم — نیابد بدشنام پیش آیدم
اگر کسی کو نہ اچھا کہے گا — نہ ملنے پہ آخر وہ گالی ہی دے گا

میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ آقا کے سامنے خدمت گار کے ہاتھ سے فقراء پالیں اور شام کے وقت تقسیم ہو تاکہ جب لارڈ صاحب کی سواری اس طرف سے گزرے تو دعاؤں کا شور امیر کے کان میں پڑے اور فقیروں کا ہجوم نظر سے گذرے چنانچہ ایسا ہی ہوا آخر شام ہوگئی۔ اس کے بعد فقیروں نے بخشش کی جو یہ خبر سنی تو بندہ کے خیمہ کے گرد اگرد جمع ہوگئے اور نقدی کی امید میں تعریفیں کرنے لگے جب صاف جواب ملا تو آدھی رات تک اپنی پاک زبان کو اس گناہ گار کی بدگوئی سے آلودہ کیا۔ اور خدا کے فضل سے لشکر میں اس مقام پر چوری نہیں ہوئی صبح کے وقت میں زمینداروں کو لے کر امیر (گورنر جنرل) کے راستہ پر کھڑا ہوگیا کیونکہ میں دیکھ چکا تھا کہ جب وہ کچھ آدمیوں کو سلام کا منتظر دیکھتا ہے تو ٹوپ سر سے اتار کر ان کے قریب سے گزرتا ہے اور سلام کے اشارہ پر ہاتھ اور سر ہلا دیتا ہے جوں ہی وہ نکلا سب نے سلام کیا اور بندہ نے بھی۔ نیز میں نے کہا کہ یہ لوگ ہانسی کے زمیندار ہیں۔ یہ سنکر حسب دستور کارفرما ہوا۔ وہ زمیندار اتنے خوش ہوتے کہ شاید وعدہ کے تنگنے انعام پر کبھی نہ ہوتے اس کے بعد جابجا زمیندار حفاظت کرنے لگے۔

ایک روز شکسپیر (مہتمم لشکر گورنر جنرل) کی طرف سے لارڈ صاحب کا اونٹ گم ہونے کی اطلاع ملی شام کے وقت زمینداروں نے صاحب ممدوح کے شتر خانہ پر پہونچا دیا شکسپیر صاحب نے شتر خانہ کے داروغہ کو تنبیہ کی۔

لشکر میں ایک دھوکہ باز کی گرفتاری اور فراری:۔ اسی سفر میں ایک شخص گرفتار ہوا جو مصنوعی روپیہ سے لوگوں کا مال خرید کرلے جاتا تھا آقا (ویلدر صاحب) نے یہ تذکرہ شکسپیر صاحب سے کر دیا اس (شکسپیر) نے فرمایا کہ اس کو یہاں بھیجدو تاکہ شاید میں اس سے یہ پتہ لگا سکوں کہ روپیہ کہاں بنایا جاتا ہے آقا (ویلدر صاحب) نے

---

[1] ، جنوری [illegible] کو گورنر جنرل شکار کے لئے تشریف لے گئے۔ شیر اور چیتے کا شکار کیا اپنے شکار کے حالات بڑی وضاحت سے گورنر جنرل نے لکھے ہیں۔
PRIVATE GORNAL VOL I P 301 — 310

اس کو وہاں بھیجدیا اور کہا کہ صاحب (ٹھیکیپر) کے ساتھ سررشتہ دار ایسا ہوشیار شخص ہے جو عجب نہیں کہ اس شخص سے اس فریب کی اصلیت معلوم کرے میں نے کہا کہ میں نے اس شخص ٹھیکیپر کے سررشتہ دار کو دیکھا ہے خوبصورت جوان ہے جلال الدین نام ہے زود نویس اور ہوشیار ہے بنگال کا رہنے والا ہے اس کے منہ سے ابتک دودھ کی بو آتی ہے ایسے شخص سے کیسے کام نکلے گا مگر کسی کا نصیبہ ہی یاور و مددگار رہا اور نشانہ ہی کو دکر تیر کے سامنے آجائے تو اور بات ہے دو روز کے بعد ٹھیکیپر صاحب کی طرف سے روبکار پہونچا کہ سفر میں وہ شخص دھوکہ دے کر بھاگ گیا مقام گرفتاری کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً وہ اسی ملک کا باشندہ ہے روبکار کی نقل ولیدر صاحب کے پاس بھیجی جائے تاکہ عملہ پولیس کے ذریعہ سے اس کو پھر گرفتار کریں بندہ نے عرض کیا کہ شاید دانشمند مہتمم (ٹھیکیپر صاحب) کے ملازم نے خفیہ نوکر کے ہمراہ سکہ سازوں کے مقام کی نشان دہی کے لئے بھیجا ہو گا آقا نے فرمایا کہ تم کسی پر طعنہ زنی سے درگزر نہیں کرتے، اس سے کیا فائدہ ہے میں نے کہا کہ اس خیال سے تو مجھے یہ کہنا چاہئیے کہ اگر مقام گرفتاری بود و باش کا قرینہ ہے تو وہ لشکر میں گرفتار ہوا تھا وہیں تلاش ضروری تھی اور چونکہ وہ ہمارے پہرہ داروں سے گم نہیں ہوا ورنہ ایک حلیم کے غصہ سے ہم پر بلا عظیم نازل ہو جاتی اس شکریہ میں میں نے نیک گمان کیا ہے اب اگر حکم ہو تو تھانیدار کے نام اس کی تلاش کے پروانے لکھدوں فرمایا بہتر جاؤ۔

گورنر جنرل کا نواب فیض محمد خاں کی جاگیر میں ورود اور فوج کا ہنگامہ:۔ گورنر جنرل کا لشکر چلتے چلتے نواب فیض محمد خاں بھجر (رئیس نارنول) کی سرحد پر پہونچا اور فیض طلب خاں (مختار کار فیض محمد خاں) کے ایلچی میرے آقا (ولیدر صاحب) کے پاس آئے تاکہ فیض محمد خاں کے مکان پر لارڈ صاحب کی تشریف فرمائی۔ فوج کی موجودات کا معائنہ اور لشکر کی دعوت منظور کرائیں۔ آقا نے فرمایا کہ مکان پر تشریف لے جانے کے متعلق تو میں کہہ نہیں سکتا البتہ فوج کا معائنہ، فوج کے ملاحظہ اور دعوت کی منظوری کے متعلق عرض کر دوں گا۔ ایلچی نے کہا کہ لارڈ لیک صاحب نواب فیض محمد خاں کے مکان پر تشریف لائے ہیں آقا نے فرمایا کہ اس بات کو دوسرے سپہ سالار کے سامنے جب آوے تو کہنا چاہئیے[1]

---

[1] لارڈ لیک ۱۷۴۴ء میں پیدا ہوا ۱۴ برس کی عمر میں فوج میں داخل ہوا جرمنی امریکہ وغیرہ میں کام کیا اور جب اوائل ۱۷۹۸ء میں آئرلینڈ میں بلوہ ہوا تو کمان اسی کے ہاتھ میں تھی لوگوں نے اس کی غیر معمولی سختی اور بدنظمی کی شکایت کی سنہ ۱۸۰۰ء میں ہندوستان میں سپہ سالار فوج و کمانڈر انچیف ہو کر آیا شمالی ہند میں اس نے مرہٹوں کی زبردست طاقت کا قلع قمع کرنے میں بڑا نام حاصل کیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے سندھیا کو شکست دی سنہ ۱۸۰۴ء میں شاہ عالم ثانی نے لارڈ لیک کو صمصام الدولہ اشجع الملک خان دوران خان بہادر سپہ سالار فتح جنگ کا خطاب دیا تھا۔

واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۳۵۸

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد سیزدہم ص ۵۹۹

رات کے وقت بیجا نامی آغا (ولید رضا صاحب) کا چوبدار میرے پاس آیا کہ نواب احمد علی خاں رئیس رامپور اور نواب فیض محمد خاں کے مرتبہ میں جو کچھ فرق ہو یا نہ ہو لکھ کر بھیجئے، میں نے کہا کہ نواب احمد علی خاں کے مورث نواب علی محمد خاں[1] اپنی قوت سے کھیڑ کے مالک ہوئے ان کے بعد احمد علی خاں تک پشت بہ پشت

---

[1] حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد جب دہلی کی مرکزی حکومت کو زوال ہوا تو صوبیداروں نے خودسری اختیار کی ہی زمانہ زمانہ میں ایک روہیلہ سردار داؤد خاں نے کٹھیر میں اگر قسمت آزمائی کی اور اپنی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے جمعیت بہم پہنچا کر زمینداروں کی نوکری کا سلسلہ شروع کر دیا ان ہی لڑائیوں کے سلسلے میں داؤد خاں کو موضع بانکولی متعلق پرگنہ کابر تحصیل بہیڑی ضلع بریلی سے ایک بچہ ملا جس کو نواب نے مثل اولاد کے پرورش کیا اور نہایت توجہ سے مروجہ تعلیم اور شہسواری و تیر اندازی وغیرہ جملہ فنون سپہ گری کی تعلیم دلوائی۔ یہ لڑکا نواب علی محمد خاں کے نام سے مشہور ہوا اور کٹھیر میں روہیلہ حکومت کا بانی ہوا۔ ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۷ء میں داؤد خاں مارا گیا تو داؤد خاں کے مشیروں اور کارپردازوں نے علی محمد خاں کو متفقہ طور سے سردار تسلیم کر لیا جب نواب محمد علی خاں نے آنولہ کے زمیندار درجن سنگھ کو قتل کر کے آنولہ پر قبضہ کر لیا اُس وقت سے اس کے کام کو خوب ترقی ہوئی وزیر اعظم قمرالدین خاں سے تعلق پیدا کر لیا۔ صفدر جنگ کی وجہ سے محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں نواب علی محمد خاں کی تادیب کے لئے روہیل کھنڈ پہونچا نواب علی محمد خاں نے طول طویل مقابلہ کے بعد اطاعت اختیار کر لی محمد شاہ بادشاہ نواب علی محمد خاں کو اپنے ہمراہ دہلی لے گیا اور اس کو سرہند کی چکلہ داری پر مامور کیا۔ نواب نے بڑی بہادری سے پنجاب کے سرکش راجاؤں کو مطیع کیا۔ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں جب احمد شاہ درانی نے ہندوستان کا رُخ کیا تو نواب علی محمد خاں کو روہیل کھنڈ آنے کی اجازت مل گئی نواب نے روہیل کھنڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ۳ شوال ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء کو نواب علی محمد خاں کا آنولہ میں انتقال ہوا، حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرایا کاظم علی خاں شیدا نے "ہے ہے افغان" مادہ تاریخ کہا ہے۔ نواب علی محمد خاں کے انتقال کے بعد حکومت روہیل کھنڈ کے سربراہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں مقرر ہوئے ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء میں روہیل کھنڈ کی تقسیم کی رو سے رامپور و شاہ آباد وغیرہ کا علاقہ نواب علی محمد خاں کے فرزند نواب فیض اللہ خاں کو ملا ۱۷۷۴ء میں نواب شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے روہیل کھنڈ کی مسلم ریاست کو ختم کر دیا نواب فیض اللہ خاں دامن کوہ میں چلے گئے آخر کو ایک معاہدہ کی رو سے رامپور کی ریاست نواب فیض اللہ خاں کو ملی ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء میں نواب فیض اللہ خاں فوت ہو گئے۔ نواب فیض اللہ خاں کے بعد نواب محمد علی خاں مسند آرائے ریاست ہوئے لیکن سخت گیر طبیعت کی وجہ سے انکے بھائی غلام محمد خاں نے انکو تخت سے اتار دیا نواب محمد علی خاں سخت زخمی ہوئے تھے کہ چل بسے نواب آصف الدولہ نے یہ خبر سنکر انگریزوں کی مدد سے پھر رامپور پر فوج کشی کی جسکے نتیجہ میں نواب غلام محمد خاں بنارس پہنچے اور نواب احمد علی خاں مسند آرائے حکومت ہوئے ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں احمد علی خاں رئیس ہوئے مگر کم سن ہونے کی وجہ سے نیابت پر نواب نصر اللہ خاں پسر نواب عبداللہ خاں مقرر ہوئے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۱۹۰ انتخاب یادگار صفحہ ۶۸

اپنے ملک کے مالک رہے ہیں۔ ایک مرتبہ نواب شجاع الدولہ نے سرکار (انگریزی) کی مدد سے ان کا بہت سا
ملک لے لیا[1] اور دوبارہ آصف الدولہ نے[2]۔ اب جو کچھ وہ رکھتا ہے فیض محمد خاں کی جاگیر سے بہت کم ہے
البتہ مرہٹوں، صوبہ اودھ اور سرکار انگریزی کی نوکری نہیں کی اور ابھی تک کسی کے سامنے طمع زر کی التجا نہیں
کی البتہ دفع شر کی وجہ سے چاپلوسی کی ہے اور کرتے ہیں۔

نجابت علی خاں کا گزشتہ حال سر جان میلکم صاحب[3] نے خود لکھا ہے اور سرکار کی جانب سے جاگیر
عطا ہونے کی وجہ بھی خوب روشن ہے اور چونکہ قیمت دونوں کی بھڑیچ[4] ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور

---

[1] ۱۷۷۴ء کی جنگ روہیلہ کی طرف اشارہ ہے جو شجاع الدولہ اور حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے درمیان میراں پور کٹرہ کے میدان میں ہوئی۔ شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے روہیل کھنڈ کی ریاست کو ختم کیا۔ حافظ الملک شہید ہوئے۔
تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۶۳ تا ۵۶ (۲) حیات حافظ رحمت خاں ص ۱۹۳ - ۲۴۹
(۳) تاریخ اودھ جلد دوم ص ۲۰۳ تا ۲۵۵
HASTINGS AND THE ROHILLA WAR BY SIR JOHN STRCHEY (LONDON) 1892)

[2] ۱۷۹۴ء کی جنگ دوجوڑہ کی طرف اشارہ ہے جس کے تفصیلی حالات باب اول ص ۵۲ تا ۶۷ پر درج ہیں۔

[3] ۱۷۶۹ء میں ایک کسان کے گھر میں پیدا ہوا ۱۷۸۳ء میں فوج میں بھرتی ہو کر مدراس پہنچا مختلف ذمہ دار عہدوں پر رہا ۱۷۹۸ء میں ریزیڈنٹ حیدرآباد دکن کا مددگار مقرر کیا ۱۸۰۰ء میں ایران سفارت کے مشن پر گیا ۱۸۰۱ء میں واپس ہوا۔ جنگ مرہٹہ کے بعد گوالیار سیندھیا سے بعض اہم معاہدے ہوئے ۱۸۰۸ء میں پھر دوبارہ ایران گیا ۱۸۱۲ء میں انگلینڈ واپس ہوا اور دو جلدوں میں تاریخ ایران (HISTORY OF PERSIA) مرتب کی ۱۸۱۷ء میں انگلینڈ سے واپس ہوا اور حیدرآباد دکن میں پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوا۔ آخر میں گورنر بمبئی ہوا ۱۸۳۱ء میں ہندوستان چھوڑا اور ۱۸۳۳ء میں لندن میں فوت ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۴ ص ۷۴۲ - ۷۴۴)

[4] نواب علی محمد خاں روہیلہ سردار داؤد خاں (بھڑیچ) کے جانشین تھے لہٰذا روہیلہ مشہور ہوئے اور ان کی اولاد نوابان رامپور بھی روہیلہ کہلائے۔ ریاست رامپور رامپور افغانان کے نام سے مشہور رہی۔ نواب علی محمد خاں کی تاریخ وفات کاظم علی خاں شیدا نے "ہے ہے افغان" سے نکالی۔ قدرت اللہ شوق ساکن قاضی ٹولی پرگنہ کابر (ضلع بریلی) طبقات الشعراء میں نواب علی محمد خاں کی اولاد کو افغان لکھتے ہیں۔ مولوی عبدالقادر مؤلف کتاب ہذا بھی نوابان رامپور کو بھڑیچ (روہیلہ) لکھتے ہیں۔ بعض مورخوں نے نواب علی محمد خاں کو موضع بانکولی (تحصیل بہیڑی ضلع بریلی) کے ایک جاٹ کا بیٹا لکھا ہے۔ نواب کلب علی خاں کے زمانے سے نوابان رامپور نے "سید" ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد ریاست کی طرف سے یا ریاست کے اثر و امداد سے جو تاریخیں (مثلاً گلشن فتوحات از کلب علی خاں، منتخب العلوم از خلیفہ غیاث الدین، انتخاب یادگار
(باقی اگلے صفحہ پر)

نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

صبح کے وقت جب ہم دادری پہنچے[۱] تو تمام فوج شہر کے باہر سلام کے لئے صف بستہ کھڑی تھی۔ پلٹن کے ایک سپاہی نے لارڈ صاحب کے سامنے تنخواہ نہ ملنے کا شکوہ کیا افسر نے اس کو سپاہیوں کے سپرد کردیا، تمام فوج برہم ہوگئی اور سرکشی کی صورت اختیار کرلی اور کہا کہ ہم اسی وقت اپنی تنخواہیں لیکر جائینگے نواب گورنر جنرل بہادر کا وکلار بظریچ (فیض محمد خاں) کو حکم ہوا کہ ہمارے آتے ہی فوج کا ہنگامہ بے جا ہے جس طرح بھی ہوسکے بہت جلد ان کو راہ راست پر لاؤ فیض طلب خاں نے ہر چند کوشش کی مگر کارگر نہ ہوئی ویلڈ صاحب نے افسروں کو بلا کر فرمایا کہ اس وقت اپنے اپنے کام پہ چلے جائیں[۲] لارڈ صاحب کے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) از منشی امیر احمد مینائی، تاریخ بدیع از منشی امیر اللہ تسلیم، تاریخ ریاست رام پور از مولوی اکرام عالم بدایونی سفرنامہ مخلص از ڈاکٹر اظہر علی وغیرہ وغیرہ مرتب و شائع ہوئیں۔ ان میں نوابان رام پور کو "سید" لکھا گیا۔ اور جائسٹھ کے شیعہ سادات نے نوابان رام پور کے لئے ایک شجرہ نسب بھی مرتب کردیا تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری نے اخبار الصنادید کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ نولکشور پریس سنہ ۱۹ء) میں نوابان رام پور کے نسب پر موثر انداز میں بحث کی تھی نواب حامد علی خاں نے رام پور سے حکیم نجم الغنی خاں سے جواب طلب کیا اور اخبار الصنادید کے پہلے اڈیشن کو تلاش کرکے ضائع کیا گیا (اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (کراچی) کی لائبریری میں موجود ہے۔ اخبار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹ء میں ریاست رام پور کی مدد سے شائع ہوا جس میں نواب حامد علی خاں کی منشا کے مطابق نوابان رام پور کو "سید" لکھا گیا۔ اتفاق کی بات کہ نواب حامد علی خاں کا انتقال ہوگیا اور حکیم نجم الغنی خاں زندہ رہے زمانہ بدل چکا تھا حکیم نجم الغنی خاں نے نوابان رام پور کے متعلق ایک کتاب "مختصر تاریخ ریاست رام پور" ترتیب دیدی اور انہوں نے ان کے نسب کے متعلق اپنی پہلی رائے سے جو اخبار الصنادید کے اول اڈیشن (سنہ ۱۹ء) میں تھی رجوع کرلیا مختصر تاریخ ریاست رام پور کا حکیم نجم الغنی خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ منشی ظہور النبی خاں مرادآبادی کے پاس موجود ہے اور اس کا ٹائپ شدہ نسخہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

[۱] ۱۸ جنوری سنہ ۱۸۱۴ء کو گورنر جنرل دادری پہونچے نواب فیض محمد خاں اپنے چچا فیض طلب خاں اور اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ گورنر جنرل سے ملے اس کے بعد ہنگامہ ہوگیا گورنر جنرل نے لکھا ہے میں نے افسروں کو ارشاد کیا کہ وہ معاملہ کو سلجھائیں (PRIVATE JOURNAL VOL I P. 311)

[۲] ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۱۴ء کو نواب گورنر جنرل بہادر حسین گنج پہونچے یہ مقام بھی فیض محمد خاں کی جاگیر میں تھا کیمپ کا پڑاؤ حسین گنج سے ایک میل تھا۔ نواب گورنر جنرل حسین گنج تشریف لے گئے نواب فیض محمد خاں نے ملاقات اور استقبال کا بڑا معقول انتظام کیا تھا۔ گورنر جنرل نے لکھا ہے کہ نواب فیض محمد خاں کی عمر ۱۹ سال ہے بہادر، شریف اور خوبصورت ہے میں خود نواب کے ہمراہ ان کے جائے قیام پر گیا ایک قیمتی تلوار، جواہرات کی کشتی اور دوسرے قیمتی تحائف میرے لئے اور میرے دیگر لیڈی کے لئے نذر کئے PRIVATE JOURNAL, VOL P. 313-314

تشریف لے جانے کے بعد تمہاری باقی تنخواہ میرے ذمہ ہے۔ سب یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ (ویلدر) صاحب سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اسکنر صاحب اگر ذمہ لیں تو ہمیں منظور ہے۔ چار و ناچار ویلدر صاحب، اسکنر صاحب کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اسکنر صاحب اس کارنمایاں سے سادہ دل لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ ہنگامہ اسکنر[1] صاحب کے اشارہ سے ہوا ہے کیونکہ وہ فیض طلب خاں سے رنجیدہ تھا اس نے چاہا کہ امیر کبیر (گورنر جنرل) کے سامنے اسکا نالائق ہونا ظاہر ہو جائے اور جو سوار کہ بٹریچ کے ذمے ہیں ان کا انتظام ہمارے سپرد ہو جائے کیونکہ فیض محمد خاں اس وقت تک خود مختار نہ تھے البتہ ذی عقل لوگ جنہوں نے اسکنر صاحب کو دیکھا ہے جانتے ہیں کہ وہ متواضع باہمت، بردبار اور دور اندیش ہے دوست دشمن کے ساتھ اس طرح بسر کرتا ہے کہ دوسرے نہیں کر سکتے سوائے سیٹن صاحب اور جنرل اکٹرلونی[2] صاحب کے جو کوئی حاکم دہلی وہاں گیا اس کا ثنا خواں رہا خاص طور سے اگر کسی دن کوئی ہانسی کی طرف کسی کام کے لئے چلا گیا تو اس کی محبت میں گرفتار ہو ہی گیا۔

اس کا چھوٹا بھائی ہر کام میں بڑے بھائی (اسکنر صاحب) کے مقابلہ پر تھا کہ پہلے اپنی بیوی کو اور اس کے بعد خود کو مار ڈالا اس کے سواروں کے قواعد کے الفاظ فارسی ہیں اور اس انداز سے قواعد ہوتی ہے۔

---

[1] جیمس اسکنر ۱۷۷۸ء میں ہندوستان میں پیدا ہوا اس کی ماں راجپوت نسل سے تھی اول مرہٹوں کی فوج میں BOIGUE کے تحت ملازم رہا جب ۱۸۰۳ء میں انگریزوں اور مرہٹوں سے جنگ ہوئی تو اسکنر نے اپنی قوم کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا اور وہ لارڈ لیک کا شریک ہو گیا سواروں کی ایک رجمنٹ اسکنر کے تحت مقرر ہوئی جو اسکنر ہارس (SKINNER'S HORSE) کے نام سے مشہور تھی حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کا معتقد تھا اسکو ہانسی میں ۴ر دسمبر ۱۸۴۱ء کو فوت ہوا۔ (۱) انسائیکلو پیڈیا بلد ستم ص۵۵ (۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۲۸۵ (۳) ملفوظات شاہ عبد العزیز ص۱۶۳

[2] اکٹرلونی ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوا ۱۷۷۷ء میں ہندوستان آیا لارڈ لیک کے ماتحت کول علی گڈھ اور دہلی میں لڑا ۱۸۰۳ء میں دہلی کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا شاہ عالم بادشاہ نے اس کو نصیر الدولہ معز الملک وفادار خاں بہادر ظفر جنگ کا خطاب دیا ۱۸۱۰ء میں میجر جنرل ہو گیا۔ جنگ پنڈاری ۱۸۱۷-۱۸۱۸ء میں بڑی کامیابی ہوئی ۱۸۱۸ء میں راجپوتانہ میں ریذیڈنٹ مقرر ہوا میرٹھ میں ۱۸۲۵ء میں انتقال کیا سرسید احمد خاں کے نانا دبیر الدولہ سے اکٹرلونی کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ (۱) سیرت فریدیہ از سرسید احمد خاں ص۲۸-۲۹ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۶ء (۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۵۰۶

افسر نے کہا:۔ تیغ علم۔ سب نے نیام سے تلواریں نکال لیں
پھر کہا:۔ برکتف۔ سب نے کاندھوں پر رکھ لیں
کہا:۔ پیش رو۔ آگے کو چل دیئے
کہا:۔ دست راست۔ سب داہنے ہاتھ کو چل دیئے
کہا:۔ یک دست۔ سب نے تلواریں نیام میں کر لیں

اس زمرہ (اسکنر کے سواروں) میں زیادہ تر مسلمان یعنی ہریانہ کے افغان و مغل اور تھوڑے سے شیخ اور سید بھی تھے ہر ایک کی خبرگیری وہ خود کرتا تھا رسالدار اور جمعدار پر کام نہیں چھوڑتا تمام فوج اس سے ایسی مانوس تھی کہ خود کو اس کی جیب خاص کا نوکر سمجھتی تھی وہ بھی ان کی شادی و غمی اور رنج و راحت کا شریک رہتا تھا اور اپنے لشکر کے ساتھ مربیانہ برتاؤ رکھتا تھا اگر تنبیہ کرتا تو پدرانہ اور شفقت کرتا تو برادرانہ۔

پادری طامسن اور تبلیغ عیسائیت میں نے اس سفر میں دیکھا کہ اتوار کے دن جس وقت پادری طامسن صاحب اپنے خیمہ سے عبادت کے خیمہ کی جانب روانہ ہوتے تو جو لوگ اتوار کی بھی تعطیل نہیں مناتے تھے بھاگتے دوڑتے نماز کے لئے چلہ بیتے تھے۔

دوتا می شوی تا کہ داند خدیو — کہ ایں مرد راہ است بے رنگ و ریو
جھکائی کمر ہے کہ سمجھے امیر — کہ یہ مرد حق ہے نہ جعلی فقیر
چہ کار آیدت ایں نمازِ ریا — کہ بہر شہ است ایں نہ بہر خدا
بھلا کس کرت کی ہے ایسی نماز — دکھاوے کو لوگوں کے کردیں دراز
چہ خوش گفت شیرازی راست گو — کہ دارد بگفتار نام نکو
سخن بات کیسی یہ سعدی کہے — سدا نام نیکوں میں اس کا رہے
کلید در دوزخ ست آں نماز — کہ در چشم مردم گزارند دراز
وہ دوزخ کی کنجی ہے ایسی نماز — کہ لوگوں کی نظروں میں لاویں دراز

پادری طامسن اُردو اور عربی دونوں بولتا ہے متواضع اور خلیق ہے علم کا شوق بھی رکھتا ہے ہے بڑا نامی عرب سے بے حد ربط و ضبط رکھتا ہے یہ عرب بنارس میں سُنّی ڈھاکہ میں شیعہ اور کلکتہ میں اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرتا تھا اور عیسائیت کے بعد پھر اس نے اسلام کا دعویٰ کیا میں اس (جلّاد) کو رام پور میں اُس وقت

سے خوب جانتا ہوں جبکہ اس کے پر وبال بھی نہ تھے[2] اور مولوی ضیاء النبی صاحب کے دولت خانے پر ہماری نشست و برخاست رہتی تھی لیکن شاید مطامن لوگوں کی روباہ بازی سے واقف نہ تھا کہ ایسے زر دوست شخص پر اعتماد کرلیا اور اسی طرح اکبرآباد میں منصور نامی عیسائی کو پاک نفس سمجھ کر دیلدر صاحب سے اسکے سالے عبداللہ کے لئے نوکری کی سفارش کردی۔

بندہ سمجھتا ہے کہ طالب حق کو اسلام اختیار کرنے کے لئے سلطان روم کی خدمت میں اور عیسوی طریقہ حاصل کرنے کے لئے شاہ لندن کے حضور میں اور بت پرستی کے شوق میں رانا اودے پور کے سامنے جانا کیا ضروری ہے جدھر دل میں پختگی معلوم ہو اس پر کاربند ہو جائے۔ یہ سب روٹیوں کا دھندا ہے نہ کہ خدا داد ایمان کی خاطر ایسا کرتے ہیں واعظ، پنڈت، اور پادری کو نو آموزوں کے نام لکھ کر اپنے ہم مذہبوں کی تعداد کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے خدا تو جانتا ہے لوگ اگر نہ جانیں تو کیا نقصان ہے۔ قصہ مختصر چلتے چلتے لشکر زیلہ میں پہونچ گیا۔

بیگم شمرو زیلہ میں شمرو صاحب کی بیگم میرے آقا کے خیمہ میں آئی[3] سوئنٹن صاحب اس کے استقبال کو گئے اور میرے آقا کے ساتھ نواب گورنر جنرل کے خیمہ میں نہایت احترام کے ساتھ اس طرح لے گئے کہ وہ پالکی میں تھی اور دونوں امیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے ابھی تک سرکار میں اس کا مرتبہ روز افزوں ہے لارڈ کمبرمیر سپہ سالار تھے والدہ کا خطاب اس کے لئے لکھا ہے اور کپتان میکن بہادر نے اس کو ہمشیرہ لکھا ہے اور شاہ دہلی کے دربار میں بھی اس کا لقب فرزند عزیزہ ہے اگرچہ اب آفتاب لب بام ہے

---

۱ جواد عرب کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ۲۴۴

۲ مولوی ضیاء النبی کے حالات صفحہ ۷۵ پر ملاحظہ ہوں۔

۳ یہ بیگم میرٹھ ضلع کے ایک مسلمان کی لڑکی تھی ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئی بیگم صاحبہ نے ایک سیاح والٹر رین ہارڈ (WALTER REIN HARDT) سے شادی کرلی تھی جو شمرو کے نام سے مشہور تھا شمرو کا انتقال آگرہ میں ہوا جائداد کی مالک یہ بیگم ہوتی ۱۷۸۱ء میں بیگم شمرو نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ بیگم شمرو کا ۸۸ سال کی عمر میں ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۶ء میں انتقال ہوا انکی یادگار سردھنہ کا ایک گرجا ہے چاندنی چوک دہلی میں شمرو کی عالیشان کوٹھی ہے "داغے بردل است بیگم شمرو" کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۶ء ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۳۰۳ (مطبع انسٹیٹیوٹ علیگڑھ ۱۹۱۹ء)

(۲) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۰۹-۲۱۰

مگر چراغ سحری کی طرح گھر روشن کر رکھا ہے۔

سپاہ و کشاورز و بازارگاں — ہمہ خوش دل و خرم — خواں
سپاہی، کسان اور تاجر سبھی — خوشی سے کریں ہیں گزارا سبھی
کند مرز را خود شبانی بجاں — نہ بگزارد ایں کار را بر سگاں
وہ رکھتی ہے خود سب پہ اپنی نظر — بھروسہ نہ کتوں پہ ہے کار گر
بدن شیر مرد و بہ پیکر زن ست — پلشکر گہ دشمن آتش زن ست
بدن شیر مرد و پہ جسم زناں — ہے دشمن کے لشکر پہ آتش فشاں
نژادش چہ پرسی کہ آں خود نکوست — میاں نکویاں درا آبروست
نہ پوچھو نسب اس کا وہ نیک ہے — کہ نیکوں میں یکتا وہی ایک ہے
تو شیرینی شہد را خواہ بس — چہ پرسی ز زنبور و نیش مگس
مزہ بس شہد کا تجھے چاہیے — مگس کی حقیقت پہ کیوں جائیے

یہ خاتون ثمرو کے مرنے کے بعد نواب ذوالفقار الدولہ نجف[1] خاں کے زمانے میں سپاہ ثمرو کی سربراہ

---

[1] مرزا نجف خاں ایرانی نسل سے تھا ۱۷۳۳ء میں اصفہان میں پیدا ہوا اور اپنی بہن کے ہمراہ ہندوستان آیا جو کہ مرزا محسن (برادر صفدر جنگ) کی بیوی تھیں اول مرزا کوچک (محمد قلی خاں) کی ملازمت میں رہا جو الہ آباد کے قلعہ کا شاہی داروغہ تھا۔ محمد قلی خاں کے خاتمہ کے بعد نجف خاں بنگال چلا گیا اور نواب قاسم علی خاں سے تعلق پیدا کیا اس نے تین لاکھ روپیہ فوج کی فراہمی کے لیئے دیا وہاں مرزا نجف نے کئی لڑائیوں میں شرکت کی جنگ بکسر کے بعد نجف خاں نے انگریزوں کی خدمات انجام دیں فروری ۱۷۶۵ء میں انگریزوں کا الہ آباد پر قبضہ ہوا اور لارڈ کلایو نے مرزا نجف خاں کی دو لاکھ سالانہ کی پنشن مقرر کی اور بادشاہ کی طرف سے کوڑے کا فوجدار بنایا۔ منیر الدولہ نے نجف خاں کو اس عہدہ سے علحدہ کر دیا مگر جب ۱۷۷۱ء میں بادشاہ دہلی گیا تو نجف خاں کو انگریزوں نے بادشاہ کے ساتھ سپہ سالار فوج کی حیثیت سے بھیجا۔ یہ بڑا انحطاط کا زمانہ تھا امراء سازشوں اور عیش کوشیوں میں مصروف تھے مرزا نجف خاں نے بہت سی لڑائیاں فتح جاٹوں کی خوب سرکوبی کی اور ان کے زور کو توڑا مگر مرزا نجف خاں روہیلوں کا ہمیشہ مخالف رہا۔ اور اس کے لئے وہ مرہٹوں سے بھی اتحاد کر لیتا تھا مرزا نجف خاں کے عہد میں شیعیت کو خوب فروغ ہوا حضرت مرزا جانجاناں کی شہادت اسی کے دور میں ہوئی۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رح کو ایک مرتبہ دہلی سے خارج البلد کیا آخر زمانہ میں مرزا نجف خاں شراب نوشی اور عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا جس کے نتیجہ میں مختلف امراض کا شکار ہوا اور اگست ۱۷۸۲ء میں فوت ہوا۔

ہوگئی تھی اور اپنے اس لڑکے کو جس نے خودسری اختیار کرلی تھی فراموش خانۂ نیستی میں بھیجدیا تھا اور نجف خاں کے بعد نشیب و فراز میں غلام قادر خاں اور مرزا اسمٰعیل کی شورشوں میں جو بیوں (فرہوٹس) کے تسلط میں اور پیرن صاحب کی مختاری میں سلامت روی سے اپنے مرتبہ پر قائم رہی اور تخت نشین دہلی کی خانہ زادگی اور اطاعت کا دم بھرتی رہی اور اس خاندان پر دل و جان سے فدا رہی باوجودیکہ اس بیوہ کو بادشاہ کی طرف سے زور و زر میسر نہ ہوا برخلاف دوسروں کے کہ کوئی ایران کی دوکانداری سے اور کوئی توران کی گدائی سے خانی اور ترخانی کے مرتبے پر پہونچ کر اپنے گزشتہ زمانے کو فراموش کر بیٹھے حتی کہ خاندانِ تیموری کی خانہ زادگی کو بھی اپنے لئے ناپسند کرنے لگے۔

کسے کو نخستیں نوازد ترا — میانِ سراں سرفرازد ترا
کرے تجھکو پہلے کوئی ارجمند — سروں میں کرے پھر تجھے سر بلند
نشاید کہ استیزہ با وے کنی — وگرمی کنی بیخ خود می کنی
مناسب نہیں جنگ اس سے کرو — اکھاڑو گے جڑ اپنی گر تم لڑو
شو خیرہ بہرام چوبینہ دار — کہ برگشت ناگہ ازو روزگار
تو بہرام چوبیں نہ بن — کہ ناگہ پھرے تجھ سے سارا زمن
گرت داستانِ کہن نیست یاد — نگہ کن بہ انجام کار عماد
کہن داستاں گر نہیں تجھ کو یاد — ذرا دیکھ آخر نتیجہ عماد

اس کی فوج میں جب کوئی مرجائے تو اس کا بیٹا باپ کی جگہ پر منتقل ہوجاتا ہے اور اگر اس کی بیوہ کے نان و نفقہ یا اس کی لڑکی کی شادی کا کوئی بندوبست نہ ہو تو بیگم ثمرو اپنے ذمہ لے لیتی ہے شاہجہاں آباد میں ایک

۱؎ مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب مظفر یاب خاں بہادر صاحب تخلص تھا خیراتی خاں سوز کا شاگرد تھا۔ خوشخطی میں کمال حاصل تھا موسیقی اور نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا دہلی میں اس کے مکان پر مشاعرے ہوتے تھے جن میں اس وقت کے مشہور شعرا شریک ہوتے تھے۔ عین عالم جوانی میں ۱۸۰۲ء میں انتقال ہوا۔

(خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۱۲۵ (اورنگ آباد ۱۹۳۵ء) گلستان بے خزاں از حکیم قطب الدین باطن صفحہ ۳۰ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ
گلشن بے خار از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ صفحہ ۱۲۰ (مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)
یادگار شعرا صفحہ ۱۲۲

ایسا باغ لگایا ہے جو برسوں اس کی یادگار رہے گا کہتے ہیں کہ اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں اس کا مقصد کامیاب زندگی بسر کرنا ہے مسلمانوں میں قرآن خواں ہے اور عیسائیوں میں انجیل واں، یہودیوں کے سامنے ان دونوں سے انکار اور گروہ ہنود میں سب سے بیزار ہے پارسیوں کے نزدیک آتش پرست ہے تو سکھوں کے سامنے گرنتھ ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی مجلس وعظ میں شرکت القصہ بیگم ثمرو یہاں سے اپنے ملک کو واپس ہوگئی اور لارڈ صاحب ہوڈل کو روانہ ہوئے، ان کی خاتون کپتان صاحب اور ان کے ہمراہ آقا بھی شاہجہان آباد پہنچے پہلا مقام سرائے باؤلی میں ہوا۔ وہاں سے ہم مہابت خاں ریتی پہونچے۔ ان ایام میں آقا (ویلدر صاحب) روزانہ گورنر جنرل کی بیگم کے ہمراہ شہر کی عمارتیں دیکھنے چلے جاتے اور بندہ بزرگان شہر کی زیارت اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی مجلس وعظ میں جاتا۔ خدا ان کے علم وعمل کی پوری پوری جزا عطا فرمائے۔ میں نے منشی کاظم علی خاں کو اور ان کے ہمراہ اپنے ہم وطن مولوی حیدر علی[1] کو بھی دیکھا لیکن اس روز وہاں مجھے کسی نے دیکھا اور نہ پوچھا کیونکہ سب لوگ منشی کے سامان اور شان وشوکت کے دیکھنے میں ہمہ تن مصروف تھے اور منشی کاظم علی خاں نے سو روپے سے زیادہ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی نذر کیے تھے وہ عالی ہمت مرد تھا کہ پچاس روپے ماہوار علاوہ خوراک و پوشاک کے مولوی حیدر علی کو دیتا تھا اور غرباء و فقراء کی بھی روپے سے امداد کرتا تھا اور اس کے یہاں مہمانداری کا سلسلہ بہت رہتا تھا اپنی اور ساتھیوں کی خوراک و پوشاک امیرانہ رکھتا تھا اور فرش وظروف بھی دولتمندانہ تھے باینہمہ لوگ کہتے ہیں کہ قرض ایک پائی نہیں ہے مولوی حیدر علی اس کے لڑکے کے اُستاد ہیں اور مولوی صاحب متقی، پرہیزگار، واعظ اور نکوکار ہیں اور مجھ جیسے آوارہ و تباہ روزگار نہیں ہیں جو اپنی پاک دامنی کو عیاں کر رہا ہوں۔ اس وقت میں سمجھ رہا تھا کہ منشی کاظم علی خاں ہزار روپیہ ماہوار رکھتا ہے مگر جب چوتھائی حصہ بھی نہیں معلوم ہوا تب مجھے یقین ہوا کہ اس کی حسن نیت کی برکت ہے کیونکہ نیکوں کی خرق عادت تمام مذاہب میں منقول ہے۔

اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی اور گورنر جنرل لارڈ ماٹرا لارڈ صاحب گورنر ماٹرا کے شاہجہان آباد

---

[1] مولوی حیدر علی کے حالات صفحہ (۱۸۲ ح) پر ملاحظہ ہوں۔

تشریف نہ لانے کا سبب لوگ یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب ممدوح بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کی برابر کرسی پر بیٹھنا چاہتا ہے اور[1] بادشاہ نہیں چاہتا لیکن اس کے اخلاق بے تکلفانہ پر نظر رکھتے ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے کلکتہ میں اور اس سفر میں دیکھ رہا تھا مجھکو تعجب ہوا کیونکہ اگر وہ خود نمائی کا پابند ہوتا تو حسب دستور وکیل یا شاہزادوں کے ذریعہ (بادشاہ یا) راجاؤں سے مراسلت جاری کرتا اور بارہ لاکھ روپیہ سالانہ جو صرف دنیا میں ننگ نامی کے لئے ہیں اتنے آسان کام میں کیوں برباد کرتا، بالادست زبردست کے سامنے جتنی بھی عاجزی کرے گا اس کی بزرگی کی دلیل ہے اگر اکبر شاہ ثانی زور و زر اکبر اول کی طرح رکھتا تو سب لوگ ایسی آرزو کو اچھا سمجھتے اب تو یہ حال ہے کہ فیض محمد خاں بھڑیچ بھی اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اگر نواب گورنر جنرل بہادر کہ ہندوستان کے تمام سرکش اس کے سامنے سرنگوں ہیں اگر اس سے بالاتر بیٹھیں تو ظاہر بینوں کی نظر میں شاہ کی عزت کم ہو جائے گی مگر لارڈ صاحب کا مرتبہ کیا بڑھے گا چونکہ اس خبر کی صداقت پر میرا گمان غالب نہیں اس لئے انگریز صاحبوں سے اس کے متعلق دریافت کرنے کو اپنی نادانی سمجھتا ہوں۔

--- نواب گورنر جنرل کی بیگم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی درگاہ میں تشریف

---

[1] مولف (مولوی عبدالقادر) انگریزوں کے نہایت مداح ہیں۔ گورنر جنرل کے اس مطالبہ کو کہ وہ اکبر شاہ ثانی کے برابر کرسی پر بیٹھے مولوی عبدالقادر اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں حالانکہ یہاں معاملہ سیاسی حقوق کا ہے اکبر شاہ ثانی کا خیال تھا۔ کہ گورنر جنرل شاہ انگلستان کا نائب ہے لہٰذا اس سے مساوی درجہ پر ملاقات نہیں کی جا سکتی ا س کو نذر پیش کرنی چاہئے اور درباری آداب و رسوم کے مطابق دربار شاہی میں حاضر ہونا چاہیئے مگر گورنر جنرل یہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ دہلی کمپنی کا وظیفہ خوار ہے لہٰذا اس کی فوقیت کا کیا سوال ہے اس لئے یہ ملاقات نہ ہو سکی بات یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ گورنر جنرل نے بادشاہ دہلی کے مقابلہ میں اودھ کے نواب وزیر غازی الدین حیدر کی بادشاہ بنا دیا اور اس طرح اکبر شاہ ثانی سے انتقام لیا ۱۸۱۹ء میں غازی الدین حیدر کی بڑی دھوم دھام سے تخت نشینی کی تقریب ہوئی تاسخ نے اس واقعہ کی یہ تاریخ کہی۔ بگو تاریخ کر ظل اللہ گردید ۱۲ھ غازی الدین حیدر کے وزیر معتمد الدولہ آغا میر ہوئے جن کا زمانۂ اقتدار تاریخ اودھ کا ایک نہایت تاریک باب ہے۔ قیصر التواریخ صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵ تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۶

فرما ہوئیں۔ پھر نواب گورنر جنرل کے لشکر میں شامل ہوگئیں۔ میرا آقا چونکہ شہر میں کوئی بڑا صاحب نہ تھا اس لئے دار الحکومت میں رہا۔ عموماً بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کا قیام کبھی شہر میں رہتا اور کبھی شالیمار باغ میں۔

انگریزی حکام کی من مانی اس عرصہ میں بہاری لال جو گارنر صاحب کے لشکر سے آیا تھا مجھے آکر ملا میں بہاری لال کا ذکر پیشتر آقا سے کرچکا تھا میں نے اطلاع کی فرمایا بلالو، میں لے گیا، دو تین روز اس کی لکھائی پڑھائی دیکھی اور پسند کی اس کے بعد گارنر صاحب بہادر کا خط آقا کے پاس اس (بہاری لال) کی شکایت کا پہونچا مجبوراً آقا (ویلڈر) نے اس کو رخصت کردیا شکوہ بس اتنا تھا کہ سفر کوہستان میں اس شخص نے بے وفائی کرکے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا تھا یہ خبر اگرچہ یقینی ہے مگر گارنر صاحب کی خوش طبعی اور نکو کاری سے کوسوں دور ہے کیونکہ محرّر کا یہ شکوہ کہ جنگ میں ساتھ نہ دیا بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا نیز یہ قصور ایسا بھی نہیں جس کی وجہ سے نوکری نہ مل سکے باوجودیکہ اس سے پیشتر ہمدانی خاں میواتی کی رشوت ستانی کی نالش پر کہ یہی اس کا ذریعہ آمدنی تھا بڑے صاحب نے موقوفی کا حکم دے دیا اور انتہائی خفگی کی بنا پر روبکار کی نقل بھی نہیں دی بلکہ چند روز کے بعد غلام حسین سررشتہ دار کے روبرو مسمی مذکور سے فرمایا کہ تمہاری موقوفی صدر سے بھی آگئی ہے اب بحالی کی اُمید نہ رکھو۔ پروردہ نواز صاحب (گارنر صاحب) نے اس کو گھر سے بلاکر دورہ کی عدالت میں ملازم رکھ لیا سچ تو یہ ہے کہ اس ملک میں کوئی قانونی گرفت نہ ہونے سے صاحب لوگوں کی طبیعت کو پابندیوں سے آزاد کردیا گیا ہے اسی طرح سے منشی خلیل اللہ خاں جو لمسڈن صاحب کا رفیق تھا اس کی سفارش سے آقا (ویلیدر صاحب) کے پاس آیا دو تین روز تک اس سے لکھنے پڑھنے کا کام لے کر لشکر میں بھیجدیا تاکہ وہاں سے کاغذات مرتب کرکے بھیجتا رہے۔

باب چہارم

دھلی — اب اس شہر اور بزرگان شہر کے حالات سُناتا ہوں ہندوؤں کی مستند کتب مثلاً مہابھارت اور راج ترنگنی میں ہے کہ دہلی کی آبادی جدھشٹر کے زمانے سے پہلے کی ہے جس کو پانچ ہزار سال ہوتے ہیں اس وقت بھی یہ تخت گاہ تھی اور یہاں کے حاکم کو دیگر مقامات کے حاکموں سے ہمیشہ اعلیٰ سمجھا گیا ملک حکومت اگرچہ چنداں وسیع و فراخ نہ تھا کیونکہ متھرا میں اگر سین اور اس کے لڑکے کنس کا اقتدار تھا اور ہستناپور میں پانڈو کی حکومت تھی جس کے تین لڑکے جدھشٹر، ارجن اور بھیم اس کی رانی مساۃ کنتی کے بطن سے تھے[۵۱] اور کنپلا[۵۲] میں جو فرخ آباد کے قریب ہے دروپد تھا جو اس دروپدی کا باپ تھا جو کچھ دنوں جدھشٹر وغیرہ پانچوں[۵۳] بھائیوں کی بیوی رہ چکی ہے زمانہ کی گردش سے حکومت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی گئی اور پرتھی راج تنور راجہ جس کی یادگار وہ مضبوط ستون ہے

---

۵۱ اس علاقہ کے راجہ کا نام چتر ویریہ تھا اس کے دو بیٹے دھرتراشٹر اور پانڈو تھے دھرتراشٹر پیدائشی اندھے تھے ان کے ایک سو ایک بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا دریودھن تھا پانڈو کے پانچ لڑکے تھے جدھشٹر، ارجن، بھیم، نکل اور سہدیو تھے ان کے مفصل واقعات مہابھارت میں موجود ہیں۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول ص۱۹۵ از مولوی بشیر الدین (دہلی۔ شمسی پریس آگرہ سنہ ۱۹۱۹ء)

۵۲ دوسری بیوی مدری کے بطن سے نکل اور سہدیو تھے۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول ص۱۹۵

۵۳ کنپلا ایک قدیم بستی اور ضلع فرخ آباد کے ایک پرگنہ کا صدر مقام ہے وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کپل منی نے یہاں تپسیا کی تھی ان کے نام سے یہ آبادی مشہور ہو گئی۔

(تاریخ ضلع فرخ آباد از پنڈت دیبی پرشاد مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۹۰۶ء)

۵۴ جدھشٹر، ارجن، بھیم، نکل اور سہدیو جن کا حوالہ نوٹ ۵۱ میں موجود ہے۔

جس کو کیلی کہتے ہیں وہ بیلدیو چوہان کے ہاتھ سے مارا گیا، جس کے نام کا اجمیر میں بیلا تالاب مشہور ہے اس کے بعد چوہانوں کی حکومت ہو گئی۔ یہاں تک کہ راجہ ہمیر کی نوبت آئی اس کا لڑکا پرتھی راج چوہان (رائے پتھورا) ہوا ہے جو ناہر رائے پر بار مارواڑ کے راجہ کو زیر کرکے اس کی لڑکی کو پکڑ لایا اور اس سے تعلق کر لیا اور قندھار پر بھی یورش کی اس وقت بھولا بھیم سولنکی حاکم گجرات نے دہلی پر چڑھائی کرکے راجہ ہمیر کو قتل کیا پرتھی راج اس کا تعاقب کرتا ہوا وہیں پہونچا اور اس کو اس کی بداعمالی کی سزا دی، سات مرتبہ معزالدین سام کو شکست دی، قید کر لیا اور پھر چھوڑ دیا جے چند راٹھور حاکم قنوج کی لڑکی سنجوگتا پکڑ لی اور خوب جنگ کی بالآخر معزالدین سام کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور مارا گیا اس کے یادخواں چند ونامی نے راسا نام کی ایک کتاب میں اس کی رزم و بزم کے حالات لکھے ہیں اس وقت سے دہلی کے تخت کو مسلمانوں نے رونق دے رکھی ہے۔

۱؎ کیلی کے لئے ملاحظہ ہو:۔ آثارالصنادید از سید احمد خاں باب اول صفحہ ۵۹ – ۶۱ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ [illegible]
یادگار دہلی از سید احمد ولی اللہی ص۲۲۵

۲؎ پرتھی راج اور معزالدین سام کے سلسلے میں مولف نے راسا کا حوالہ دیا ہے مشہور ہے کہ پرتھی راج راسا پرتھی راج کے بھاٹ چند کی لکھی ہوئی ہے اسی لئے اس کتاب کو تاریخی ماخذ سمجھا گیا مگر اب تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے اس سلسلے میں پروفیسر محمود خاں شیرانی نے ایک مفصل و مدلل تنقید و تبصرہ سپرد قلم فرمایا ہے، اور داخلی و خارجی دلائل و شواہد سے ثابت کیا کہ یہ کتاب پرتھی راج کے زمانے کی نہیں ہے بلکہ بہت بعد میں لکھی گئی ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی کا یہ تحقیقی و تنقیدی مقالہ "پرتھی راج راسا" (مطالب و تنقید و تبصرہ) کے عنوان سے سنہ ۱۹۳۳ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے طبع ہو چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ کبھی پرتھی راج نے قندھار پر یورش کی اور نہ سات مرتبہ معزالدین سام کو شکست دی یہ سب افسانوی خیال آرائیاں ہیں واقعہ یہ ہے کہ سلطان معزالدین سام کی زندگی میں ہندوستان کا دروازہ سنہ ۵۷۱ھ میں کھلتا ہے وہ ملاحدہ سے ملتان لیتا ہے ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء میں پشاور پر قبضہ کرتا ہے ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں لاہور فتح کرتا ہے ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء میں پرتھی راج کے مقابلہ میں ناکام ہوتا ہے اور ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ترائن کے میدان میں پرتھی راج سے مقابلہ کرتا ہے پرتھی راج مارا جاتا ہے سلطان معزالدین سام فتح پاتا ہے۔ (۱) پرتھی راج راسا از پروفیسر محمود خاں شیرانی مطبوعہ مفید عام پریس لاہور ۱۹۳۶ء
(۲) تاریخ ہندی قرون وسطی جلد دوم از قاری محمد بشیرالدین پنڈت صفحہ ۱۹۸ – ۲۰۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۵۳ء مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ سنہ ۱۹۲۱ء
(۳) تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول از سید ہاشمی فرید آبادی صفحہ ۱۲۵ – ۱۵۰ مطبوعہ ادبی پریس کراچی سنہ ۱۹۵۳ء

معز الدین سام خود تو اپنے ملک کو چلا گیا[۱] اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو یہاں چھوڑ گیا ایبک[۲] چھنگلی والے کو کہتے ہیں اس کے بعد اس کا غلام شمس الدین التمش قایم مقام ہوا جس کا صدقہ جاریہ حوض شمسی اور خواجہ قطب الدین کاکی کے مزار کے قریب بلند منارہ[۳] (قطب مینار) اس کے نام کو بلند کر رہا ہے۔ التمش سورج گرہن کو کہتے ہیں گرہن کے وقت اس کی پیدائش ہوئی تھی اسی لئے اس کو التمش کہتے ہیں۔ وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا سچا مرید تھا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی خواجہ معین الدین چشتی کے مرید ہیں۔ اور ان کے نامور مرید شیخ فرید گنج شکر اجودھنی ہیں جن کا مزار

---

[۱] آخری مرتبہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں معز الدین سام کھوکروں کی تادیب کے لئے پشاور پہونچا اور آگے بڑھ کر جہلم اور چناب کے درمیان کھوکر قوم کو مطیع بنایا ۲۵ رفروری ۱۲۰۶ء کو لاہور میں داخل ہوا یہاں پہونچ کر اس نے اپنے فوجی سپاہیوں کو گھر جانے کی اجازت دیدی اور خود بھی وطن کی طرف مراجعت فرما ہوا ۳ رشعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ رمارچ ۱۲۰۶ء کو جب سلطان لاہور سے دمیک میں پہونچا تو ملاحدہ نے سلطان کو شہید کر دیا صاحب طبقات ناصری نے اس کی سن وفات یہ تحریر کی ہے:-

شہادت ملک بحر و بر معز الدین   کز ابتدائے جہاں شہ چو او نیامد یک

سوم ز غرۂ شعبان بسال ششصد و دو   فتاد در رہ غزنین بمنزل دمیک

سلطان معز الدین سام کا مقتل ایک روایت کے مطابق موضع دھمک (دمیاک) ضلع جہلم میں بیان کیا جاتا ہے، دھمک کے بالکل قریب ایک راستہ "غوریوں کی پھڑ" کے نام سے مشہور ہے   تاریخ ہندی قرون وسطیٰ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸

[۲] ایبک ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "چاند کا سردار" ہے ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام بھی ایبک تھا مرزا غالب بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:-   ایبکم از جماعۂ اتراک   در تمامی ز ماہ دہ چندیم

قطب الدین ایبک کا عہد حکومت ۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۰ء تک رہا۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات از خلیق احمد نظامی صفحہ ۸۰ مطبوعہ الجمعیتہ پریس دہلی ۱۹۵۸ء) یادگار غالب از مولوی الطاف حسین حالی صفحہ ۱۲ مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ۱۹۳۲ء)

[۳] حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان کے اولیائے کبار اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے اجل خلفاء میں سے ہیں حضرت خواجہ اجمیری نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا کام کیا ہے حضرت خواجہ اجمیری کا وصال رجب ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء میں ہوا تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو (۱) خزینۃ الاصفیا از مفتی غلام سرور لاہوری جلد اول صفحہ ۲۵۶ - ۲۶۷ (لکھنو ۱۹۱۴ء) (۲) سفینۃ الاولیا از شہزادہ دارا شکوہ (اردو ترجمہ محمد علی لطفی صفحہ ۱۲۸ - ۱۲۹ مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی ۱۹۵۹ء) (۳) بزم صوفیا از صباح الدین عبدالرحمٰن صفحہ ۳۵ - ۶۲ (اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء) (۴) سیر الاولیا از محمد مبارک علوی صفحہ ۴۵ - ۴۸ (مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ) (۵) سیر العارفین صفحہ ۴ - ۱۹ (۶) اخبار الاخیار، سرار الابرار صفحہ ۲۲ - ۲۹ (۸) مونس الارواح از جہاں آرا بیگم صفحہ ۲ - ۷، قریشی محمد ایوب قادری)

پٹن (پنجاب) میں رہتے ان کے مرید نظام الدین بدایونی ہیں جو نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور ہیں۔ دہلی میں ان کا مزار لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ ان کے مرید امیر خسرو دہلوی ہیں جو سلطان الشعرا ہیں؎ ان کا مزار پیر کے قدموں میں ہے دوسرے مشہور مرید و خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلی ہیں ان کی خواب گاہ اس وقت ویرانہ میں ہے چشتی نظامی سلسلہ ان ہی سے جاری ہے۔

لہ حضرت شیخ فرید الدین مسعود عام طور سے بابا فرید گنج شکرؒ کے لقب سے مشہور ہیں ولادت باسعادت ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء میں قصبہ کھوتوال (ضلع ملتان) میں ہوئی والد کا نام شیخ جمال الدین تھا سلسلہ نسب خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے ملتان گئے ملتان میں حضرت خواجہ قطب الدین کاکی سے بیعت کی۔ حضرت شیخ فرید الدین نے مختلف دیار و امصار میں علمائے کرام سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل کی۔ ایک مدت تک سیاحت فرمائی پھر خواجہ کاکی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے مرشد نے خلافت سے ممتاز فرمایا مغربی پاکستان میں خاص طور سے اسلام کی بڑی اشاعت کی پاک پٹن کے اطراف کی بہت سی ہندو قومیں مسلمان ہوگئیں ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں وصال ہوا حضرت کے ملفوظات کے دو مجموعے اسرار الاولیاء اور راحت القلوب مشہور ہیں ان کے مشہور خلفا میں شیخ نظام الدین اولیا بدایونی (دہلی) شیخ علاء الدین احمد صابر (کلیر) شیخ جمال الدین قطب (ہانسی) بہت مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) بزم صوفیاء صفحہ ۱۲۰ - ۱۵۲ (۲) سیر العارفین صفحہ ۳۱ - ۵۹

(۳) خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۲۸۷ (۴) سیر الاولیا صفحہ ۵۷ - ۹۱

(۵) اسرار الاولیا از بدر اسحاق (مطبع نولکشور کانپور ۱۹۱۱ء) (۶) اخبار الاخیار صفحہ ۲ - ۵۳

(۷) جواہر فریدی از محمد علی اصغر چشتی (اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دوکان۔ لاہور)

(۸) مونس الارواح صفحہ ۹۳ - ۱۰۰ (۹) آب کوثر صفحہ ۲۴۳ - ۲۵۵

لہ حضرت امیر خسرو کے والد سیف الدین سردار لاچین سے تھے امیر خسرو ۶۵۲ھ/۱۲۵۳ء میں قصبہ پٹیالی ضلع ایٹہ (یوپی) میں پیدا ہوئے مروجہ علوم و فنون نہایت توجہ سے حاصل کئے شاعری کی طرف شروع ہی سے میلان تھا چنانچہ فن شاعری میں کمال حاصل کیا۔ امیر خسرو شہزادہ محمد شہید اور دوسرے سلاطین کے دربار سے وابستہ رہے امیر خسرو حضرت نظام الدین الاولیا کے ممتاز خلفا میں سے تھے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں انتقال ہوا درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں دفن ہوئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (۱) سوانح حیات امیر خسرو از پروفیسر محمد حبیب مترجمہ حیات اللہ انصاری (ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۲۷ء) (۲) حیات امیر خسرو از خان بہادر نقی محمد خان (کراچی ۱۹۵۴ء) (۳) شعر العجم حصہ دوم از مولانا محمد شبلی نعمانی صفحہ ۹۶ - ۱۷۵ (اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء) (۴) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی کلکتہ ۱۸۶۲ء (۵) سیر الاولیا صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۵ (وغیرہ) (وغیرہ)

۳ ؎ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

شاہ عالم بادشاہ تک جس نے ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ بروز سہ شنبہ آخر شب میں ۸۴ سال ۴ ماہ ۷ یوم سلطنت کرکے اس خاکدان کو چھوڑا اور خواجہ قطب الدین کاکی کے جوار میں ابدی آرام گاہ اختیار کی، اُنسٹھ (۵۹) بادشاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے۔

جد ھشتم کے زمانے سے شاہ عالم کی وفات تک ہر ایک بادشاہ کی مدت حکومت اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں سلطنت کے منتقل ہونے کے حالات کو میں نے ایک ہشت ورقی رسالہ میں لکھ دیا ہے شاید میرے ساتھ ہو یا گھر چھوڑ آیا ہوں اسی طرح اور بھی بہت سے دفتر سیاہ کیے ہیں اور کر رہا ہوں۔

تالیفات مولوی عبدالقادر مولف کتاب ہذا

(۱) رسالہ ہشت ورقی[۱]

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے والد شیخ محمود یحییٰ لاہور میں پیدا ہوئے اور پھر اودھ میں منتقل ہو گئے شیخ محمود یحییٰ پشمینہ کے تاجر تھے نصیر الدین محمودؒ کی پیدائش اودھ میں ہوئی والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا والدہ نے نہایت اہتمام سے تعلیم و تربیت فرمائی ۴۳ سال کی عمر میں حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ والدہ ماجدہ کی وفات کے حضرت چراغ دہلی جانشین ہوئے حضرت چراغ دہلی کے تعلقات سلطان محمد تغلق کے ساتھ خوش گوار نہیں رہے، ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء میں رحلت فرمائی۔ حضرت کے ملفوظات کے دو مجموعے خیر المجالس اور مفتاح العاشقین ہیں جو طبع ہو چکے ہیں اول الذکر کو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ابھی حال میں بڑی محنت سے مرتب کرکے شائع کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) بزم صوفیاء صفحہ ۳۰۹ - ۳۴۹ (۲) خیر المجالس مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ ۱۹۵۹ء)

(۳) مفتاح العاشقین مرتبہ خواجہ محب اللہ (مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان لاہور)

(۴) سیر العارفین صفحہ ۹۱ - ۹۷ (۵) اخبار الاخیار صفحہ ۸۰ - ۸۶

(۶) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف صفحہ ۸۲ - ۸۷ (کلکتہ ۱۸۹۱ء)

(۷) سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۶ - ۲۴۷ (۸) مونس الارواح صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۶

(۹) سوانح عمری شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (مطبوعہ دہلی)

(Islamic Culture Hyderabad Deccan April

[۱] مولف نے جس رسالہ کا سطور بالا میں ذکر کیا ہے۔

(۲) تعلیقات بر جامع البرکات شیخ عبدالحق دہلوی

(۳) شرح حکم مرتضوی در منافع امر و نہی مصطفوی

(۴) سہو اقلام علمار اعلام

(۵) ترجمہ رسالہ حسن العقیدہ شاہ ولی اللہ دہلوی[1]

(۶) شرح رسالہ عقائد شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۷) رسوم اسمار معبودان ہنود

(۸) شرح میزان البلاغت شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۹) تعلیقات بر شمائل ترمذی

(۱۰) کشف حقیقت دعا و اجابت

(۱۱) رسالہ قبلہ نما - اس رسالہ سے صحیح مذہبی راستہ معلوم ہو سکتا ہے

(۱۲) رسالہ عروض ۔ مختصر و مفید

(۱۳) قواعد زبانِ اُردو - جو ولیدر صاحب کے پاس رہ گئی

(۱۴) حکایات بزبان اُردو. اس کتاب میں ۹۰ حکایتیں ہیں جن میں بازاری، تاجر، مزدور، فوجی علمار مشائخ اور دفتری لوگ غرض کہ ہر طبقہ کے محاورات کہانیوں کے انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی ولیدر صاحب کے پاس ہے۔

(۱۵) امثال ہندی و فارسی - دونوں زبانوں کی وہ مشہور امثال جن کا مطلب ایک ہو

(۱۶) تاریخ احوال اجمیر و مارواڑ۔ اس کی نقل ولیدر صاحب نے سرجان مالکم صاحب کے پاس بھیجدی اس کے مسودے پڑے ہوں گے۔

(۱۷) رسالہ شطرنج — یہ وہ رسالہ ہے جس کے مطالعہ سے شطرنج باز کو تہذیب و اخلاق، منطق و حکمت طبعی و الٰہی کلام، طب، ہندسہ، فقہ اور اصول وغیرہ علوم کا شوق پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ میں نے اس میں ہر فن کے نمونے کھیل کی شکل میں بیان

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رہ کے رسالہ حسن العقیدہ کا اردو ترجمہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے ہمارے پیش نظر حسن العقیدہ کا مطبع احمدی دہلی کا مطبوعہ نسخہ ہے۔

کیے ہیں۔

(۱۸) رسالہ آداب نکاح۔ اس رسالہ میں نکاح سے متعلق احکام شرعیہ کے اسرار عقلی طور پر ظاہر کیے ہیں۔

(۱۹) رسالہ فوائد صوم نام سے مضمون کتاب ظاہر ہے۔

(۲۰) بطلان جس میں رمل، نجوم، جفر، شانہ بینی، سرودا، فال، قرعہ، استخارہ وغیرہ کا بطلان نیکبختی و بدبختی کے متعلق عقلی و نقلی دلائل، تسخیر اور ٹوٹکہ کا باطل ہونا اور جادو کی حقیقت صاف صاف بیان کر دی ہے۔

(۲۱) رسالہ امکان خرق عادات۔ عقلی طور پر اس کی حقیقت کی تشریح کر دی گئی ہے

(۲۲) تربیت تعلیم علوم و تربیت اطفال

(۲۳) طریق انتظام ملک

(۲۴) رسالہ طرز تحریر جس میں احکام، اخبار، عرضیاں، ترجمہ، علمی مطالب، معاملات شوقیہ، تعزیت، تہنیت، سفارش کے لکھنے کا فرق اور رزیڈنسی اور ایجنسی کی تحریر کی وضع بیان کی گئی ہے نیز میں نے وہ طریقہ بھی لکھدیا ہے جس سے طویل مطلب کو مختصر اور مختصر کو ایسا طویل کرنا کہ گراں نہ گزرے معلوم ہو جائے۔

میرے بعد جس کے بھی ہاتھ یہ رسائل لگیں اگر اپنے ہی نام سے شائع کر دے تب بھی ہم خوش ہیں اور اگر کسی نالائق کے ہاتھ پڑ گئے تو دوا فروشوں کے حوالے کر دے گا۔[1]

---

[1] افسوس کہ مؤلف کی جملہ تصنیفات کے وجود کا اب تک کہیں علم نہیں ہے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی معارف پروری کی بدولت کتاب ہذا "وقائع عبدالقادر خانی" دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئی تذکرہ کاملان رامپور کے مؤلف حافظ احمد علی خاں شوق نے اس فہرست کتب میں "پندنامہ فارسی" کا اور اضافہ کیا ہے شوق صاحب لکھتے ہیں:۔

آپ (مولوی عبدالقادر) کی تصنیفات میں سے ایک پندنامہ فارسی کا پتہ چلا ہے اور ایک روزنامچہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جناب محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج کے پاس ہے روزنامچہ کی نقل راقم نے منگا کر داخل کتب ریاست (رامپور) کر دی ہے پندنامہ فارسی کے اشعار یہ ہیں:۔

شکم سیر کن باد و نان جویں | بپوشش تن کہنہ گلیمے گزیں
بگرما دگر سر مایہ زیر درخت | بسر کن کہ نے مایہ داری نہ رخت

قلعۂ معلیٰ کی جھلکیاں ۔ اس شہر (دہلی) میں شاہجہاں بادشاہ کا بنوایا ہوا قلعہ[1] ہے جس کا دروازہ ہی بتا رہا ہے کہ یہ بادشاہوں کے رہنے کی جگہ ہے اس کے اندر دیوانِ عام ہے دیوانِ خاص ہے شاہ برج ہے، ساون بھادوں ہے ہر ایک میں دلبرانِ پری وش کی سی دل کشی ہے۔ رعب جمشیدی ہے محاورات وہاں کے جداگانہ ہیں رویہ بھی علیحدہ ہے۔

بادشاہ کسی کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا اور حسبِ مراتب علماء و زہاد کے علاوہ کوئی بیٹھ نہیں سکتا مگر خدام کو خدمت کی غرض سے اجازت ہے۔

اصطلاحات قلعہ معلیٰ ۔ شاہی حجام کو خاص تراش، خدمت گار کو خواص، ناظم آداب دربار کو نواب ناظر، مہتمم جریب کو مردھہ، چابک سوار کو ملک پیڑا، فیلبان کو فوجدار، قلیان کو بھنڈہ، پلنگ کو سکھ، غلاموں کو فلار، کھانے کو خاصہ، وہ خوان جو کسی کو عطا ہو اولش، مستعمل کپڑا کو ملبوس خاص، فرزندان شاہ کو صاحب عالم، جانشین شاہ کو ولیعہد، خاتون کو نواب صاحبہ محل، اور دوسری بیگمات کے لئے لفظ نواب مخصوص ہے، بادشاہ کی ماں نواب قدسیہ

(بسلسلہ صفحۂ گزشتہ) چہ حاصل زر و سیم داری بگنج چو باشی زبے آبروئے برنج

اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے نگین تخلص تھا اردو کلام کا نمونہ انتخاب یادگار اور گلستان سخن قادر بخش صابر میں ہے بھاکھا اور مرہٹی میں بھی نظم کہتے تھے" (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۲۲۵)

[1] قلعہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) رہنمائے قلعہ دہلی مرتبہ ظفر حسن اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۶ء

(۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۱ - ۹۰ مطبوعہ شمسی مشین پریس آگرہ ۱۹۱۹ء

(۳) آثار الصنادید باب دوم صفحہ ۲ - ۲۳

(۴) یادگار دہلی صفحہ ۵۶ - ۶۰

(۵) DELHI Its Monuments and His tory by T. G. P. Spear p. 1-5 (Bombay 1945)

(6) List of Mohammadan and Hindu Momumests Vol I, p 1-28 (Calcutta. 1916)

اور بادشاہ کے بھائی شہزادے کہلاتے ہیں، تیمور کی اور اولاد نیز دوسرے رشتہ دار سلاطین
کہلاتے ہیں، رنڈیوں کو ارباب نشاط، نقال کو دعا گو، بادشاہ کو زندہ کرامات کہتے ہیں، قلعہ
و تخت کے ساتھ سب لوگ لفظ "مبارک" ملاتے ہیں اور لفظ بادشاہ کی بجائے غیبت و حضور
میں لفظ "جہاں پناہ" اور "حضور والا" بولتے ہیں بادشاہ کی بات کو "ارشاد" کہتے ہیں جب کوئی
خواص خوان یا تحفہ بادشاہ کے حضور سے لادے تو لوگ کھڑے ہو کر اور سر پر ہاتھ رکھ کر
شاہی آداب بجالاتے ہیں اور اس کو انعام دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ آداب و کورنش
پہونچا دینا۔ اسی طرح اگر دریافت حال کے لیئے آئے تو بھی اسی انداز سے شاہی آداب بجالاتے
ہیں۔ اگر فرمان یا عرضی خاص بادشاہ کے دستخط سے مزین جو پنسل سے ہوتے تھے لادے تو
اس کو لانے والے کے ہاتھ سے کھڑے ہو کر لیتے ہیں پھر سر اور آنکھوں سے لگا کر کھولتے ہیں
اور اگر کوئی عرضی بادشاہ کے حضور میں بھیجیں تو سادہ کاغذ پر لکھتے ہیں اور لفافہ پر سوائے
لفظ عرضی کے کچھ نہیں ہوتا اور بادشاہ عرضی کی پیشانی پر صرف دستخط کر دیتا ہے دوسرے
لوگ عرضیوں کی پشت پر حکم لکھ دیتے ہیں اور قلعہ مبارک میں بادشاہی دفتر میں عدالتی مہر کے
لئے کاغذ نہیں بھیجتے بلکہ بندگان شاہی اپنی دستی مہریں لگا دیتے ہیں جو پروانہ اور روبکار
نہیں ہوتا بلکہ خط ہوتا ہے۔

حضور شاہی میں شرف ملازمت کے آداب ۔ جب کبھی بادشاہ کی ملاقات کے لئے
جاتے ہیں تو اس مقام سے جہاں ایک سرخ رنگ کا پردہ ہے اور جس کو لال پردہ
کہتے ہیں پا پیادہ ہو جاتے ہیں حتےٰ کہ چھتری بھی نہیں لے جاسکتے "مقام تسلیم" میں پہونچکر جھکتے
ہیں اور سر پر ہاتھ رکھتے ہیں چوبدار اس مجرائی کا نام اسی اعتبار سے لیتا ہے جس کی بادشاہ
کے حضور سے اجازت حاصل ہو چکی ہے اور کہتا ہے "جہاں پناہ! مہابلی سلامت"
اس کے بعد آگے بڑھ کر جیسا مرتبہ ہو روپیہ یا اشرفی آستین یا رومال پر رکھ کر نذر پیش کرتے
ہیں پھر اس کے علاوہ کچھ سونا چاندی بادشاہ کے سر پر بطور نچھاور گھما کر نشانچی دار وغیرہ
کو دے دیتے ہیں۔ قبولیت نذر کے بعد پیچھے ہٹ کر آداب بجالاتے ہیں پھر حسب اشارہ
علٰحدہ جگہ پر چلے جاتے ہیں وہاں پر خلعت پہنتے ہیں جس کے بہت سے مراتب یعنی تین،
پانچ، سات، گیارہ، اور اکیس کپڑے ہیں۔ خلعت پہن کر پھر بادشاہ کے حضور میں آتے ہیں

اس وقت خلعت کی نذر پیش کرکے آداب بجالاتے ہیں اور کچھ دیر کھڑے ہو کر رخصت ہو جاتے ہیں پھر ولیعہد کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں وہاں بھی حسب دستور حضور بادشاہ عمل میں لاتے ہیں وہاں سے اسی لباس میں اپنے گھر تک آتے ہیں۔ شاہی خدام کو حسب معمول خلعت، انعام دیتے ہیں اور دستور ہے کہ اگر گھوڑا مرحمت ہو تو زین پوش کاندھے پر رکھتے ہیں اور اگر ہاتھی ہو تو آنکس ہاتھ میں دیتے ہیں اور اگر نالکی پالکی ہو تو اس کا پایہ ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے۔

نذر کی اشرفی یا روپیہ پر شاہ متوفی کا سکہ نہ ہونا چاہیے بلکہ اُسی بادشاہ کا سکہ ہوتا ہے اور گفتگو میں بادشاہ کی ملاقات کو "ملازمت" کہتے ہیں اور بادشاہ کے سامنے کسی کے نام کے ساتھ لفظ "صاحب" نہیں کہتے بلکہ بہادر، خان یا جو خطاب حضور سے ملا ہو اس کے زبان پر لانے میں مضائقہ نہیں ہے اور لفظ "مسٹر" اگرچہ صاحب کے معنی میں ہے مگر بادشاہ اس سے واقف نہیں اس لئے اپنے قلم سے بھی انگریز صاحبوں کو لکھتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کا کہنا جائز ہے چند آدمیوں کے نام ہرگز وہاں نہیں لیئے جاتے غازی الدین خاں عمادالملک جس کی قبر کالپی میں ہے اور اس نے شاہ عالم ثانی کے باپ کو قتل کیا ہے اس کو نمک حرام اول کہتے ہیں[1]

---

[1] عمادالملک نے احمد شاہ بادشاہ دہلی کو معزول کرکے قید کیا اور اس کے بعد بادشاہ اور اس کی والدہ کو بینائی سے محروم کر دیا عمادالملک کو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر احمد شاہ ابدالی آگیا تو نجیب الدولہ کا مرتبہ بڑھ جائے گا اور مجھے میری بدکاریوں کی سزا ملے گی چنانچہ اس نے خیال کیا کہ عالمگیر ثانی کو ختم کر دینا چاہیئے تاکہ یہ اندیشہ ہی نہ رہے بادشاہ عالمگیر ثانی فقرا اور درویشوں کا نہایت معتقد تھا عمادالملک نے مہدی علی خاں کشمیری کو سکھا پڑھا کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ فیروز شاہ کے کوٹلے میں ایک درویش ٹھیرے ہیں جو زیارت کے لائق ہیں۔ بادشاہ اس کشمیری کے فریب میں آگیا اور فقیر باکرامت کی زیارت کو روانہ ہو گیا۔ بادشاہ جیسے ہی فیروز شاہ کے کوٹلے پہونچا۔ تلوار اس سے لے لی گئی اور دو تین ازبکوں نے بادشاہ کا کام تمام کر دیا اور بادشاہ کے جسم بے سر کو جمنا کے ریت میں پھینک دیا۔ یہ واقعہ ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ؁ ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء کا ہے کئی روز کے بعد بادشاہ کی لاش ہمایوں کے مقبرے میں دفن ہوئی۔ عمادالملک نے چونکہ بادشاہ عالمگیر ثانی کو قتل کر دیا اس لئے اس کو نمک حرام اول کہتے ہیں۔ (۱) تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ جلد نہم ص ۲۹۴-۲۹۵، ۳۰۱-۳۰۲ (۲) مجمع الاخبار از ہرسکھ رائے ولد جیون داس کھتری ورق ۵۰۸ (قلمی مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی لائبریری) (۳) نواب نجیب الدولہ اور جنگ پانی پت از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۴۸-۴۹، ۵۳-۱۱۶ کراچی ۱۹۶۰ء

دوسرے غلام قادر خاں خلف نواب ضابطہ خاں خلف نواب نجیب الدولہ، اس کو نمک حرام دوم کہتے ہیں[1] تیسرے والی اودھ نواب آصف الدولہ[2]۔

بادشاہ کی سواری کے وقت پیادہ اور اسپ سوار اسی حالت میں آداب بجا لاتا ہے البتہ گاڑی اور پالکی سوار نیچے اُتر کر آداب بجا لاتا ہے۔ ہاتھی سوار یا نیچے اُترے یا ہاتھی بٹھائے اور خود کھڑا ہو جائے۔ بادشاہ اگر تخت ہوادار پر سوار ہو تو ہندوستانی امرا ہوں یا صاحبان انگریز سب پیدل دوڑتے ہیں اور ہاتھی کی سواری کے وقت خود کو پیچھے رکھتے ہیں لیکن سر پر چھتری نہیں رکھتے ان آداب میں شاہزادے بھی دوسروں کے برابر ہیں۔

---

[1] غلام قادر خاں نے شاہ عالم ثانی کو بینائی سے محروم کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے کہ شاہ عالم ثانی کس طرح مرہٹوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ اور ملک میں مرہٹوں کی اس قدر دھاک بیٹھ چکی تھی کہ وہ روہیل کھنڈ پر بھی دھاوے مار رہے تھے۔ نواب غلام قادر خاں کے باپ ضابطہ خاں کی حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے اہل و عیال کو قید و بند کی سزائیں دی گئیں۔ شاہ عالم نے غلام قادر خاں کے ساتھ وہ ننگ انسانیت سلوک کیا تھا کہ جس کے انتقام میں شاہ عالم کو بصارت سے محروم ہونا پڑا اس سلسلے میں سید الطاف علی بریلوی کا ایک مقالہ ملاحظہ ہو:۔ غلام قادر خاں روہیلہ الشہید (شائع کردہ بیت المصنفین علی گڑھ)

[2] والی اودھ نواب آصف الدولہ نے شاہان دہلی کے حضور میں کوئی گستاخی نہیں کی بلکہ شاہ عالم ثانی کے دربار سے آصف الدولہ کی درخواست پر ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں اس کو خلعت وزارت مع جواہر، قلمدان طلائی مرصع اور فیل و اسپ ملا اور نواب آصف الدولہ نے دو لاکھ روپئے نقد، دس گھوڑے اور کئی ہاتھی جن پر سونے اور چاندی کی مطلا عماریاں تھیں یورپ کی بہت سی عمدہ چیزیں اور ہر قسم کے تحف و ہدایا اور اسباب و سامان مع چتر اور تخت رواں کے مرزا خلیل اور نیاز علی خاں کی معرفت بادشاہ کے حضور میں بھیجے (تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۸۹-۹۱)

البتہ غازی الدین حیدر نواب وزیر کی بجائے بادشاہ دہلی کے مقابلے پر بادشاہ بن بیٹھا یہ ایک صریح گستاخی تھی ممکن ہے کہ مولوی عبدالقادر سے سہو ہوا ہو اور غازی الدین حیدر کی بجائے آصف الدولہ کا نام لکھ دیا ہو۔

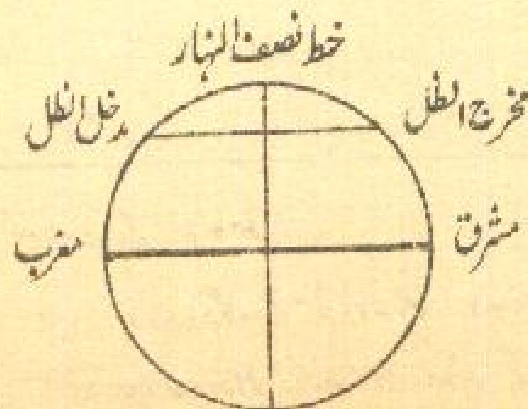
روایات و لوازمات شاہانہ خواصی میں خادم بادشاہ پر چھتری لگائے ہوئے بیٹھا ہوتا ہے اگر وہ پانی طلب کرے تو فوجدار (یعنی خیلبان) اپنے ہاتھ سے پیش کرتا ہے۔ خاصہ کے پانی کو آبحیات کہتے ہیں، قلعہ کے محاورات میں سے یہ بھی ہے کہ جب بادشاہ قضار حاجت انسانی کے لئے جائے تو کہتے ہیں کہ صحت خانہ میں تشریف فرما ہیں اور جس جگہ علما و زہاد سے ملاقات ہوتی ہے اس کو تسبیح خانہ کہتے ہیں اور جب یہ کہنا ہو کہ فلاں بادشاہ کو قید کر دیا تو یوں کہیں گے کہ داخل سلاطین کر دیا اور بادشاہوں کے جیل خانہ کو عبادت خانہ کہتے ہیں تمام اولادِ تیموری کی علامت یہ ہے کہ جب قلعہ سے باہر جائیں گے تو ایک خواص کے ہاتھ میں مکھی اُڑانے کے لئے طاوسی پنکھا ہوتا ہے اور قلعہ مبارک سے شاہی سواری پر برآمد ہوتے وقت اکیس توپیں چلتی ہیں اور جب شہر کے دروازہ سے گزریں گے تو اتنی ہی انگریزی توپیں چلیں گی اور قلعہ کا صدر دروازہ بادشاہ کی واپسی تک بند ہو جاتا ہے اس کے بجائے دوسرا کھل جاتا ہے اور ولی عہد قلعہ مبارک میں رہتے ہیں۔ عیدین اور جشن سالگرہ پر پہلے ولی عہد نذر پیش کرتا ہے اس کے بعد شاہزادے پھر رزیڈنٹ۔ اور جو کچھ وہاں عنایت ہو دامن یا رومال میں لیتے ہیں اور آداب بجالاتے ہیں اور جو کچھ بادشاہ نے صرفِ خاص کے لئے شہر کے باہر سے آتا ہے اس پر محصول نہیں لیا جاتا اور پرگنہ کوٹ قاسم جو بادشاہ سے متعلق ہے اس میں سرکار انگریزی کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

صفر کے آخری چہارشنبہ کو بادشاہ کی جانب سے طلائی انگوٹھی اور چھلے تقسیم ہوتے ہیں اور بقرعید پر عیدگاہ میں اونٹ، گائے اور بکریوں کی قربانی ہوتی ہے۔ ایک ایک جانور بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے نحر و ذبح کرتا ہے باقی دوسرے لوگ ذبح کرتے ہیں اور وہیں کباب بھونے جاتے ہیں اور ہر ایک شخص کو دیتے ہیں چاہے مسلمان ہو یا نہ ہو۔

سلونوں پر جو ہندوؤں کا ایک خاص دن ہے ایک ہندو بادشاہ کے ہاتھ پر راکھی باندھتا ہے اور بادشاہ دوسرے ہندوؤں کے ہاتھ پر باندھتا ہے اس کی

ابتدا اس طرح ہوئی کہ اکبر اوّل نے ہندوؤں کو ملانے کے لئے ایسے بہت سے کام کیے تھے تاکہ ہندو اس کو اپنے عقیدۂ تناسخ کی بنا پر مکند برہم چاری سمجھنے لگیں جس نے کاشی میں بادشاہت کی اُمید میں اپنے جسم کو آرہ سے کٹوایا اور اپنے خیال میں دوسرے جسم میں ہوگیا تھا اور کہتے ہیں کہ اسی روز اکبر نے امرکوٹ (سندھ) میں عالم ہستی میں قدم رکھا بندہ (مولوی عبدالقادر) کہتا ہے مشہور تو یوں ہے ورنہ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق بھی یہ خبر صحیح نہیں ہے کیونکہ بچہ میں جان اس کے پیدا ہونے سے بہت پہلے پڑ جاتی ہے اگر پیدائش کے دن ہی جان پڑتی ہوتی تو تناسخ ماننے والے ایسا گمان کر سکتے تھے گائے کو شہر سے باہر مذبح میں لے جاکر ذبح کرتے ہیں حکومت کی جانب سے بھی سوائے بقرعید کے دنوں کے شہر میں ذبح کرنے کا دستور نہیں ہے ہر چاندرات کو توپیں چلتی ہیں اور رمضان شریف میں ایک مرتبہ افطار اور ایک مرتبہ سحر کے وقت توپ سر کرتے ہیں۔

جامع مسجد میں دائرہ ہندی اس شہر کی وہ عمارتیں جن کو لوگ دیکھنے جاتے ہیں قلعۂ مبارک ہے جو سنگ سرخ کا ہے اور جامع مسجد ہے اور اس میں حوض کے کنارہ پر ظہر اور عصر کا وقت معلوم کرنے کے لئے ایک دائرہ ہندی بنا دیا ہے جس میں معمولی خطوں سے ایک خط زائد ہے جس کی وضع اس وقت خیال میں نہیں رہی اس فن کے جاننے والوں نے بھی ٹھیک بیان نہیں کیا معمولی دائرہ ہندیہ کی شکل یہ ہے جو اکثر بڑے شہروں میں بنا لیتے ہیں۔



یہ دائرہ ہندیہ اس طرح بنایا جاتا ہے کہ ہموار زمین پر جتنا بڑا چاہیں ایک دائرہ کھینچیں اور

اس کے بیچ میں مرکز پر ایک مخروطی (یعنی اوپر سے باریک نیچے سے موٹی) کیل جو قطر دائرہ کے چوتھائی کے برابر ہو سیدھی کھڑی کریں شروع دن اس کا سایہ مغرب کی طرف لمبا ہوگا انتظار کریں کہ گھٹتے گھٹتے دائرہ کے کنارے پر آجائے وہاں ایک نشان لگا دیں پھر دوپہر کے بعد جب یہ سایہ مشرق کی جانب بڑھے تو دیکھتے رہیں جب سایہ کنارہ پر پہونچے وہاں بھی ایک نشان لگا دیں پہلے نشان کو مدخل ظل اور دوسرے کو مخرج ظل کہتے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک سیدھا خط کھینچ دیں پھر اس خط کے دو حصے کرکے بیچ میں مرکز کو لیتے ہوئے محیط تک ایک خط کھینچیں۔ یہ خط نصف النہار کہلاتا ہے جب اس کیل کا سایہ اس خط سے مشرق کی جانب ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو گیا اور عصر کا وقت شروع ہونے کی شناخت یہ ہے کہ اس کیل کا سایہ خط نصف النہار پر جس قدر تھا اس کے علاوہ جمہوری مذہب کے مطابق اس کیل کی برابر ہو جائے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق دوگنا ہو جائے اور زمین کی ہمواری کبھی پانی سے معلوم کرتے ہیں جو معماروں کا معمول ہے کہ جب پانی ہر طرف کو بہہ جائے تو سمجھتے ہیں کہ زمین ہموار ہے۔ دوسرا طریقہ گنیا سے معلوم کرنے کا ہے گنیا ہر طرف رکھنے میں ساہول اگر درمیانی خط پر رہے تو زمین ہموار ہوگی ورجس جانب ساہل جھکے گا وہ رُخ نیچا ہوگا اور اس کے مقابل جانب بلندی ہوگی۔ گنیا کی شکل یہ ہے:-



(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) دہلی کی جامع مسجد کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو

(۱) آثار الصنادید باب سوم صفحہ ۶ - ۱۱ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۲۷ - ۳۰ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۰۱ - ۱۱۳

List of Mohammad and Hindu Monuments VOL I P 6 2 (۴)

VOL I, /P 142 - 148

کر ایک تکونیہ تختہ بنا دیں جس کی دو اطراف برابر ہوں اور اس کے کونے پر تاگے کا ایک سرا باندھ دیں اور دوسرے سرے میں کوئی وزنی چیز مثلاً پتھر یا لوہا باندھ دیں۔ چونکہ وزن بالطبع مرکز عالم کی طرف جو کرۂ زمین کا مرکز ہے مائل ہوتا ہے لہٰذا زمین میں جدھر بھی نشیب ہوگا وزن اُدھر ہی کو جھک جائے گا اور مخروطی کیل اس لئے بناتے ہیں کہ اس کا سر باریک نقطہ ہوتا ہے اس کا سایہ خط نصف النہار پر برابر آجاتا ہے اور قطر دائرہ کے چوتھائی کی برابر اس لئے رکھتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ ہو تو جاڑوں میں بہت سے مقامات میں دائرہ کے کنارے پر نہ آئے گا اور قطر کا چوتھائی بھی وہیں رکھتے ہیں جہاں عرض بلد چالیس درجہ دو دقیقہ سے کم ہو ورنہ اس عرض میں جس وقت آفتاب اول جدی میں آئے گا کیل کا سایہ دائرہ سے باہر ہی رہے گا لہٰذا چوتھائی سے کم ہی رکھنا چاہیئے اور اس کیل کا سیدھا قائم ہونا اس طرح معلوم کریں کہ ایک تاگا اس کے سرے پر باندھ کر تاگے کی دوسری جانب محیط پر گھمائیں اگر تاگا بغیر کمی بیشی کے ہر طرف محیط پر برابر رہے تو کیل سیدھی ہے کیونکہ از روئے ہندسہ قواعد سے ثابت ہے کہ ایک مثلث کے تینوں ضلعے دوسرے مثلث کے تینوں ضلعوں کے برابر ہوں تو زاویئے بھی آپس میں برابر ہوں گے اور چونکہ ایک ضلع سب جگہ قطر کا نصف ہے اور دوسرا ضلع مقیاس (کیلی) اور تیسرا ضلع تاگہ مقررہ مقدار ہے لہٰذا تینوں ضلعے آپس میں برابر ہوگئے اور وہ زاویئے قطروں کے ادھیائی اور مقیاس (کیلی) سے پیدا ہوئے ہیں وہ بھی آپس میں مساوی رہیں گے اور مقیاس عمود دائرہ کی سطح پر عمود ہوتا ہے اور دائرۂ ہندیہ کا عمل اُس وقت صحیح ہوگا کہ اس دن نصف النہار کے وقت کسی ایک نقطۂ انقلاب صیفی یا شتوی پر آفتاب آجائے ورنہ دائرہ کا خط نصف النہار سطح فلک کے نصف النہار پر واقع نہ ہوگا کیونکہ مدار آفتاب ہر آن میں دوسرا ہے لہٰذا آفتاب کے ان دو نقطوں پر ہونے سے جو دائرہ نصف النہار سے متساوی البعد ہیں سایہ کا طول یکساں نہیں رہ سکتا بلکہ کبھی پہلا دراز ہوگا کبھی دوسرا۔ کیونکہ اگر میل شمالی ہے تو پہلا دراز ہوگا اور میل جنوبی میں دوسرا۔ پس پہلی صورت میں بجانب مشرق۔ اس صورت میں اگر اوّل جدی سے آخر جوزا تک آفتاب کی حرکت کے وقت میں اگر دائرہ کا عمل کیا جائے تو

ظہر کا وقت خط نصف النہار سے سایہ ہٹتے ہی ہو جائے گا بلکہ خط پر سایہ آتے ہی۔ البتہ دیر کرنی چاہیے ورنہ نماز قبل از وقت ادا ہوگی۔

مسجد اکبر آبادی ۔ دوسری مسجد نواب اکبر آبادی بیگم کی[1] ہے جہاں کشمیری کٹرہ ہے اور مولوی عبدالقادر مخدومی شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی درس اور وعظ فرماتے ہیں۔

مسجد فتحپوری ۔ مسجد فتحپوری بھی قابل ذکر ہے کہ کسی دوسری مسجد میں اس کثرت سے کلام اللہ کے حافظ نہیں دیکھے گئے[2]۔

---

[1] یہ عالی شان مسجد اعزالنساء بیگم محل شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ھ؁ ۱۶۵۰ء؁ میں بنوائی ان بیگم کا خطاب اکبر آبادی محل تھا اس سبب سے یہ مسجد بھی اکبر آبادی مشہور ہوگئی سرسید احمد خاں آثار الصنادید میں اس مسجد کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہ ایک مسجد ہے دلکش و دلربا، فرحت بخش و روح افزا سرے پاؤں تک سنگ سرخ کی اور اس کے مکانات اور حجرے طالب علموں کے رہنے کے لئے بنے ہوئے ہیں ضلع غربی سے ملحق کرسی دے کر بنائی ہے جس کی رفعت و شان کے آگے گنبد اخضر پست ہے اور جس کی عظمت وجلال کے آگے طاق اعلیٰ گرد ہے۔"

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء؁ کے بعد یہ عالیشان مسجد انگریزوں کی آتش انتقام کی نذر ہوگئی مولوی بشیرالدین احمد واقعات دارالحکومت حصہ دوم میں لکھتے ہیں:۔

"یہ مسجد غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر ہوئی محل وقوع اس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے جس وقت اس کے لئے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں خون نقیب ویسے ہی ڈھک دی گئیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خانۂ خدا اور یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہوگئی۔"

تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) آثار الصنادید باب سوم صفحہ ۱۸-۹: (۲) واقعات دارالحکومت حصہ دوم صفحہ ۱۴۰-۱۴۲

[2] یہ مسجد بھی شاہجہاں بادشاہ کی ایک دوسری بیگم نواب فتحپوری محل بیگم نے بنوائی ہے، نہایت عمدہ، خوبصورت سرے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے تمام صحن اور دونوں دالانوں کا فرش بھی سنگ سرخ کا ہے اس مسجد کا طول ۴۵ گز اور عرض ۲۲ گز ہے گنبد کے دونوں طرف تین تین در کے ایوان در ایوان ہیں کرسی اور اجارہ میں منبت کاری ہوئی ہے۔ دونوں کونوں پر ۳۵/۵ ۳ گز کے دو مینار ہے ہیں جو نہایت خوشنما بنے ہوئے ہیں صحن کے آگے ۱۶×۱۴ گز کا حوض ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

مدرسہ غازی الدین خاں ۔ یہ مدرسہ غازی الدین خاں اول کا تعمیر کردہ[1] ہے جو عہد عالمگیری

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) اس میں چاندنی چوک کی نہر سے پانی آتا تھا مسجد کے دائیں بائیں دالان اور طالب علموں کے رہنے کے لئے حجرے بنے ہیں۔ مسجد کے ہر سہ جانب مسلسل دوکانیں ہیں جن سے خوب آمدنی ہوتی ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت نے مسجد کی دوکانیں ضبط کرلیں لالہ چھنامل رئیس نے گورنمنٹ سے اُنتیس ہزار روپئے میں خریدیں ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں منجانب حاجی محمد تقی باہتمام حاجی قطب الدین و غلام محمد اس مسجد کی تعمیر و مرمت ہوئی ۱۸۹۳ء میں انجمن راشدین صلح کل اسلامیہ (دہلی) کی طرف سے جائداد وقفی اور تنسیخ نیلام کی درخواست دی گئی جس کے نتیجہ میں مسجد کی کل جائداد واگذاشت ہوگئی مسجد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے مسجد میں ایک عربی مدرسہ بھی قایم ہے۔

(۱) آثار الصنادید باب سوم صفحہ ۲۶-۲۷

(۲) یادگار دہلی صفحہ ۱۵۴-۱۵۶

(۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۲۲-۲۲۶

[1] غازی الدین خاں فیروز جنگ اول المتوفی ۱۷۱۰ء (والد نظام الملک آصف جاہ اوّل) نے اجمیری دروازہ کے پاس ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں قایم کیا یہ عمارت دلی کی مشہور اور دلکش عمارات میں ہے اس عمارت کی خوبصورتی اور طرز تعمیر قابل دید ہے یہ عمارت مربع اور دو منزلہ تمام سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے جس کا وسیع احاطہ تین سو گز مربع ہے اس کے تین دروازے بہت بڑے عالی شان اور نہایت خوبصورت ہیں مغرب میں ایک نہایت خوشنما اور وسیع مسجد جو سرتاپا سنگ سرخ کی ہے، بنی ہوئی ہے پاس ہی بانی مدرسہ نے اپنا مقبرہ بنوالیا۔ اس مقبرہ کی مرمت ۱۹۱۹ء کے بعد سترہ ہزار روپیہ کی لاگت سے نواب میر عثمان علی خاں نظام دکن نے کروائی اس مدرسہ کا دوسرا دور ۱۷۹۲ء میں شروع ہوا اور ۱۸۲۵ء میں یہ مدرسہ دہلی کالج میں تبدیل ہوگیا۔ دہلی کالج کے مصارف کے لئے نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں (المتوفی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۹ء) نے ۱۸۲۹ء میں ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ سرکار انگریزی کے سپرد کیا۔ دہلی کالج میں مولانا رشید الدین خاں دہلوی اور مولانا مملوک العلی نانوتوی جیسے جید علماء مدرس رہے اور اس کالج نے علمی درسگاہ کے اعتبار سے بڑی شہرت حاصل کی اور اس سے بڑے بڑے فاضل مثلاً سید احمد خاں بہادر شمس العلماء خان بہادر ذکاء اللہ شمس العلماء مولوی ضیاء الدین خاں ایل ایل ڈی، شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد خاں بہادر وغیرہ نکلے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کالج ختم ہوگیا۔ اب اس عمارت میں اینگلو عربک کالج قائم ہے۔

تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو:- (۱) آثار الصنادید باب سوم صفحہ ۳۱-۳۲ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۱۸۳-۱۸۵ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ۵۰۲-۵۰۳ (۴) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں صفحہ ۸۳ (۵) مرحوم دہلی کالج صفحہ ۲

کا امیر تھا والد کا نام خواجہ محمد عابد تھا اور یہ شخص شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے تھا سرزمین سمرقند سے خانہ جنگی کی بنا پر ہندوستان آگیا بخت کی یاوری نے بزرگی اور پیری سے وزارت اور امارت پر پہونچا دیا وہاں کا مدرس مولوی نذیر محمد حساب دانی میں مشہور تھا

مولانا شاہ فخرالدین ۔ دوسرا مدرسہ نواب غازی الدین خاں کی والدہ کا ہے جس کو لوگ مولانا فخرالدین کا مدرسہ کہتے ہیں[۱]۔ یہ بزرگوار (مولانا شاہ فخرالدین) مولانا نظام الدین کے فرزند ہیں اٹھارہ سال کی عمر تھی کہ سایۂ عاطفت پدری میں علوم درسیہ حاصل کر کے علم اخلاق اور تزکیہ نفس کا فیض والد سے حاصل کیا۔ کچھ عرصہ تک سپہ گری کے پیشہ پر بسر کی اس کے بعد سب کو چھوڑ چھاڑ اجمیر پہونچے اور اجمیر سے پٹن گئے جو پنجاب میں ہے اور

ف۱ حضرت شاہ فخرالدین دہلوی رح کا یہ مدرسہ حقائق و معارف کی درسگاہ تھی۔ علوم معقول و منقول اور احادیث کے باقاعدہ درس ہوتے تھے حضرت نے اپنے مشہور مرید و شاگرد میر بدیع الدین کو میزان سے لے کر صحیح بخاری تک کی تعلیم دی۔ مولوی بشیرالدین احمد مولف واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم مدرسہ غازی الدین خاں کے بیان میں مولانا فخرالدین رح کے مدرسہ کے متعلق ضمناً لکھتے ہیں:۔

"اس عمارت کے سامنے تا بہ خندق ایک وسیع میدان اجمیری دروازہ کے باہر تک تھا شمال مغرب اور جنوب کی طرف دوسری شاندار عمارتیں اور امراء کے مقبرے تھے جن کے نشانات اب تک بھی کچھ کچھ باقی ہیں انہیں عمارتوں میں مولانا فخرالدین کا مدرسہ بھی تھا جہاں وہ خود درس دیا کرتے تھے اور جہاں انہوں نے ۱۱۹۹ھ میں انتقال کیا اور غسل کے بعد قطب صاحب میں دفن ہوئے جس مقام پر آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ جگہ بڑی متبرک خیال کی جاتی ہے"

مولانا فخرالدین صاحب کے مدرسہ کا تفصیلی بیان پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں مولانا شاہ فخرالدین کے حالات میں "درس و تدریس" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

(۱) تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۴۷۳ – ۴۷۷ (۲) فخرالطالبین از نورالدین حسین فخری (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ)

(۳) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۵۹۳

(۴) رسالہ فخر ربانیہ از ورازعلی واکٹر ص ۳۱، ۳۲ (مطبع نامی الہ آباد ۱۹۱۲ء)

وہاں پر بزم فیضان آراستہ کی مخدوم نور محمدؒ[۱] اسی ملک کے باشندے ان ہی کی فیض صحبت سے نامور ہوئے آخر میں شاہ فخر الدین[۲] دہلی گئے اور زندگی بھر یہیں رہے علوم ظاہری کی تعلیم اور تہذیب باطن کی تلقین فرماتے رہے ہر یگانہ و بیگانہ سے برادرانہ تعلق رکھتے تھے ٹیڑھی بات کا بھی سیدھا جواب دیتے تھے ظاہری وضع عوام کی سی مگر ملکات فاضلہ کی بنا پر خاص گروہ میں سے تھے درگاہ خواجہ قطب الدین کاکی کی مسجد کی پشت پر ان کا مزار ہے۔

---

[۱] شاہ نور محمد ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء کو چوٹالہ میں پیدا ہوئے والد کا نام ہنوال تھا چھٹی پشت کے بعد ان کے بزرگوں کے نام بالکل ہندوانی شروع ہوجاتے ہیں خود شاہ صاحب کا خاندانی نام ہیبل تھا حضرت شاہ فخر نے بدل کر نور محمد کردیا شاہ نور محمد کی والدہ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا شاہ نور محمد کے والد چوٹالہ سے مہار آگئے تھے وہیں شاہ صاحب نے حافظ محمد مسعود سے قرآن کریم حفظ کیا اس کے بعد مختلف دیار و امصار میں تحصیل علم کے لیے گشت و قیام کرتے ہوئے دہلی پہونچے اول مدرسہ غازی الدین میں پڑھا پھر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تحصیل علم کے بعد ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء میں حضرت شاہ فخر کے دست حق پرست پر بیعت کی بیعت کے کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ فخر نے پاک پٹن کا قصد کیا شاہ نور محمد بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ رہے۔ حضرت شاہ فخر نے کچھ دنوں کے بعد خلافت سے سرفراز فرماکر مہاران میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت شاہ نور محمد کی وجہ سے پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خوب تبلیغ و ترویج ہوئی۔ ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء کو وصال فرمایا تاج سرور (بستی چشتاں) میں مزار ہے کسی نے تاریخ وفات کہی ہے:-

حیف وا ویلا جہان بے نور گشت (۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو:-

(۱) مناقب المحبوبین از نجم الدین چشتی ص ۴۴ – ۱۰۳ (مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء)

(۲) تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۳۰ – ۵۴۰ (۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۵۰۶ – ۵۰۸

(۴) تذکرۃ المحبین فی ذکر الکاملین از مولوی زین العابدین صفحہ ۱۴۹ – ۱۵۱ (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ)

(۵) برکات الاولیاء از مولوی امام الدین گلشن آبادی ص ۱۲۳ (افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء)

[۲] شاہ فخر الدین ابن خواجہ شاہ نظام الدین ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے حضرت شاہ فخر کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی فصوص الحکم، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے اور ہدایہ وغیرہ مولانا عبد الحکیم سے پڑھیں۔ حضرت شاہ فخر نے حدیث کی سند دکن کے ایک مشہور محدث حافظ اسعد انصاری المکی سے

ان کے مشرب سے ناواقف معتقدوں کو اگرچہ گنبد بنانے کا موقع نہ ملا مگر اس پر آشیانہ کھڑا کر لیتے ہیں اور مدرسہ میں جس جگہ ان کو غسل دیا تھا زیارت گاہ اور ان کے سونے کی جگہ یعنی حجرہ میں تبرکا رکھ چھوڑی ہے یہ چیزیں نہ شریعت میں ہیں نہ تصوف اور سلوک میں۔ بلکہ

(بسلسلۂ صفحۂ گزشتہ) حاصل کی بعض کتابیں مثلاً شرح وقایہ، مشارق الانوار اور نفحات الانس وغیرہ اپنے والد سے پڑھیں درسی کتابوں کے علاوہ دیگر علوم و فنون طب، تیراندازی اور فن سپہ گری میں بھی مہارت حاصل کی اپنے والد کے بعد حضرت خواجہ شاہ نظام الدین سے بیعت کی والد صاحب کے انتقال کے بعد لشکر میں ملازمت کرلی مگر ریاضت و عبادت میں راتوں کو مشغول رہتے جب شہرت پھیلی تو لشکر کو چھوڑ کر آپ کی مسند کو سنبھالا ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۶۵ھ میں دہلی پہونچے ایک حویلی کرایہ پر لے لی اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا اور بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اس کے بعد حضرت شاہ فخر نے پاک پٹن کا سفر کیا واپسی میں دہلی میں مستقل قیام کیا اور اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حقائق و معارف کے دریا بہنے لگے حضرت شاہ فخر کی تصنیفات سے (۱) عقائد نظامیہ (۲) رسالہ مرجیہ اور (۳) فخر الحسن ہیں۔ یہ کتابیں آپ کے علم و فضل اور محققانہ قابلیت کی آئینہ دار ہیں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے عقائد نظامیہ کا نام نظام العقائد (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۰۸) لکھا ہے لیکن ہمارے پیش نظر عقائد نظامیہ کے نام سے مطبع صدیقی بریلی کا ۱۳۱۲ھ کا نسخہ ہے۔ اور یہی نام مناقب المحبوبین میں ہے صلہ)

حضرت شاہ فخر کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا ہر چھوٹے بڑے سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے ان کے اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کرتے تھے معمولی معمولی باتوں میں بھی اتباع سنت کا خیال رکھتے تھے اکثر شیعوں کو بھی مرید کر لیتے تھے ہندوؤں سے بڑے اخلاق سے پیش آتے تھے دہلی کے آخری بادشاہ سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ کو حضرت شاہ فخر سے بڑی عقیدت تھی حضرت شاہ فخر کا ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ کو وصال ہوا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بگزاشت فخر دین چوں مہماں سرائے فانی ۔۔۔ بر آستانہ جا داد آں قطب جاودانی

سال وصال آں مہ از غیب چوں بجستم ۔۔۔ تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹ھ

تفصیل کیلئے دیکھئے:۔ (۱) تاریخ مشائخ چشت ندوۃ ۵۰۲-۵۰۳ (۲) ملفوظات راحکوست نی نمبر ۲۶ ص ۳۰۰-۳۰۹ (۳) آثار الصنادید باب چہارم صفحہ ۱۰-۱۲ (۴) آب حیات بھی رسالہ فخر یہ بانیہ ۳۶-۵۹ (۵) خزینۃ الاصفیا، دوم صفحہ ۴۰۹-۵۰۸ (۶) تذکرۃ المصنفین فی ذکر الکاملین صفحہ ۱۲۴-۱۳۶ (۷) برکات الاولیاء صفحہ ۱۲۶-۱۳۰ (۸) مناقب المحبوبین صفحہ ۴۵-۴۹

بوالہوس لوگوں کی من گھڑت ہیں ان کے لڑکے مخاطب بہ مولوی قطب الدین[1] خلیق، مسکین، اور متواضع تھے حضور والا (اکبر شاہ ثانی) ان کے مرید تھے ان کے پوتے معروف بہ کالے میاں[2]

---

[1] حضرت شاہ فخرالدین رح کے ایک ہی فرزند تھے نام غلام قطب الدین تھا وہ دکن میں پیدا ہوئے شاہ صاحب جب دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا شاہ فخرالدین کے بعد غلام قطب الدین ہی سجادہ نشین ہوئے ان کے زہد و تقدس کا بڑا شہرہ تھا محمد اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر ان کے مرید تھے بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے :-

مرید قطب دیں ہوں، خاکپائے فخر دیں ہوں میں	اگرچہ شاہ ہوں، ان کا غلام کمتریں ہوں میں
ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں	وگرنہ یوں تو بالکل رو سیہ مثل نگیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

غلام قطب الدین نے ۱۸ محرم ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو وصال فرمایا اور حضرت خواجہ قطب کاکی کے جوار میں دفن ہوئے۔ اخبار الصنادید میں سن وصال ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء تحریر ہے باب چہارم ص۲۱ جو صحیح نہیں ہے کیونکہ سرسید احمد خاں نے اس صفحہ پر حضرت کالے صاحب کی عمر ۱۲۶۳ء (آثار الصنادید کا سال تالیف) میں پچاس سال سے متجاوز لکھی ہے۔

(۱) تاریخ مشائخ چشت ص۵۱۶-۵۱۵ (۲) واقعات دار الحکومت دہلی ص۵۱۱

(۳) اخبار الصنادید باب چہارم صفحہ ۲۱ (۴) مناقب المحبوبین ص۱۰۵

[2] غلام قطب الدین کے بھی یہی ایک فرزند تھے ان کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا سرسید نے ان کے متعلق لکھا ہے :- "اس زمانہ میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے، حضور والا (بہادر شاہ ظفر) اور تمام سلاطین و جمیع امرار عظام آپکے نہایت معتقد ہیں۔"

غالب کو حضرت کالے صاحب سے خاص لگاؤ اور تعلق تھا بہادر شاہ ظفر حضرت کالے صاحب کے بڑے معتقد تھے چنانچہ ظفر لکھتے ہیں :-

نظام خانۂ فخر جہاں تمہیں تو ہو	قیام سلسلۂ خاندان تمہیں تو ہو
نہ کیونکر تم سے ہو ظاہر صفائے قطب الدین	خدا رکھے تمہیں اب تو نشاں تمہیں تو ہو

کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں تھی جو اب احاطہ کالے صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ کالے صاحب نے ۵ جنوری ۱۸۶۲ء کو وصال فرمایا مہرولی میں دفن ہوئے۔ کالے صاحب کے بعد ان کے فرزند اکبر غلام نظام الدین سجادہ نشین ہوئے

ہیں اُن کی ہمت امیرانہ اور وضع درویشانہ ہے۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی - خانم کے بازار[۵] میں شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی مرشد مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کا مزار ہے حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی نے جلالین کے طرز پر قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے عشرہ کاملہ میں دس مسئلوں کی تحقیق کی ہے رقعات اور کشکول بھی فن سلوک میں ان کی یادگار ہیں ان کتابوں سے ان کا تبحر علمی ظاہر ہے[۶]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) غدر میں کالے صاحب کی املاک ضبط ہو گئیں نظام الدین صاحب حیدر آباد چلے گئے جب حالات درست ہوئے تو دہلی واپس آئے ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء میں وصال ہوا۔ آج کل دہلی میں سجادگی کالے صاحب کے نواسوں میں ہے اور حاجی میاں صاحب سجادہ نشین ہیں۔ (۱) تاریخ مشائخ چشت ص۵۱۶-۵۲۰

(۲) آثار الصنادید باب چہارم ص۲۱ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۳۹۶

(۴) مناقب المحبوبین ص۵ (۵) دلی کی سزا از خواجہ حسن نظامی ص۲۹ (مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۲۲ء)

[۵] خانم کا بازار ایک بہت بڑا اور پر رونق بازار تھا جو قلعہ کی فصیل کے برابر سراوگیوں کے مندر تک چلا گیا تھا جہاں اب گھنٹہ گھر ہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد خانم کا بازار ڈھا دیا گیا اور میدان صاف کر دیا گیا۔

(واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۱۲۳)

[۶] حضرت شاہ کلیم اللہ کے والد کا نام شیخ نور اللہ تھا خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبرؓ کی اولاد میں سے تھے، شیخ نور اللہ کے والد شیخ احمد معمار تھے جو عہد شاہجہانی کے مشہور ماہرین فن میں سے تھے شاہان مغلیہ کی طرف سے نادر العصر کا خطاب تھا اُقلیدس، ہیئت نجوم اور ریاضی وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ تاج محل اور لال قلعہ انہی نے تعمیر کیا تھا احمد معمار کے تین بیٹے عطاء اللہ، لطف اللہ مہندس اور شیخ نور اللہ (والد شاہ کلیم اللہ) تھے۔ لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے مہندس خطاب شاہی تھا شاعر بھی تھے مہندس کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ شیخ نور اللہ بھی اپنے فن میں بڑے کامل تھے دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نور اللہ ہی کی باکمال اُنگلیوں کا کرشمہ ہیں۔ حضرت شاہ کلیم اللہ کی ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ کو ہوئی تھی۔ شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ان کے اساتذہ میں شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول اور شیخ ابو الرضا الہندی (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تایا) کے اسماء گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں تکمیل علوم کے بعد شاہ کلیم اللہ مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے اور حضرت شیخ یحیٰی مدنی کے دست حق پرست پر بیعت کی شاہ کلیم اللہ نے دہلی واپس آکر بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور سلسلہ درس و تدریس

حضرت شاہ ترکمان ۔ شہر میں شاہ ترکمان کا مزار بھی ہے ان کا تفصیلی حال بندہ کے خیال میں نہیں ہے ۔[له]

(بسلسلہ صفحۂ گذشتہ) شروع کر دیا شاہ صاحب کے مدرسہ میں دور دور سے طلبا آتے تھے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شجرۃ الانوار کے حوالے سے لکھا ہے "بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند و سبق کتب با می خواندند و نان و پارچہ نیز از سرکار می یافتند" حضرت شاہ کلیم اللہ نے تصانیف کا ایک بے بہا ذخیرہ چھوڑا بقول مناقب فریدی شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد ۳۲ ہے مندرجہ ذیل تصنیفات مشہور ہیں (۱) قرآن القرآن (۲) عشرہ کاملہ (۳) کشکول (۴) مکتوبات کلیمی (۵) رسالہ تشریح الافلاک عاقی محشی یا الفارسیہ (۶) سواء السبیل (۷) مرقع (۸) تسنیم (۹) الہامات کلیمی (۱۰) شرح القانون شاہ صاحب نے ایک رسالہ "رد روافض" میں اور دوسرا علم منطق میں بھی مرتب فرمایا تھا غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب شعر بھی کہتے تھے اور ان کا کلام جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا "قرآن القرآن" عربی زبان میں قرآن کریم کی نہایت اعلیٰ تفسیر حنفی مذہب کی ہے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں مطبع احباب "میرٹھ" سے منشی عرفان الحق نے ایک قرآن کریم شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ شایع کیا تھا اس کے حاشیہ پر یہ تفسیر چھاپی تھی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے طباعت کی تاریخ "ختم المصاحف" سے نکالی عشرہ کاملہ اور کشکول اور مکتوبات بھی چھپ چکے ہیں شاہ صاحب نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء میں وصال فرمایا ۔ قطعہ تاریخ وفات

فضل و کمال خوش بود	مرہم قلب ریش بود
سال وصالش گفتہ ہاتف	قطب زمانہ خویش بود

۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:۔

(۱) تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۳۲۶ - ۳۲۹ (۲) مکتوبات کلیمی از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء

(۳) یادگار دہلی صفحہ ۴۰ (۴) واقعات دار الحکومت دہلی صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷

(۵) کشکول کلیمی از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مطبع مجتبائی ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء (۶) مرقع کلیمی از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲۲ء)

LIST OF MUHAMMADAN AND HINDU MONUMENTS VOL I, P, 150

[له] حضرت شاہ ترکمان بڑے پایہ کے بزرگ تھے شمس العارفین [illegible] کے نام سے مشہور تھے [illegible] تھے اور اکثر صحرا و بیابان میں بسر اوقات فرماتے تھے بہت سے لوگ آپ کے معتقد تھے شاہ صاحب کا مزار اندرون شہر دہلی ترکمان دروازہ کے پاس ہے چنانچہ ترکمان دروازہ ان ہی کے نام سے مشہور ہے مزار کے چاروں طرف احاطہ بنا ہوا ہے سلسلہ سہروردیہ

صوفی سرمد۔ جامع مسجد کے سامنے سرمد کی قبر ہے کہتے ہیں کہ یہ ارمنی تھا اس کا کلام بیشتر رباعیات پر مشتمل ہے جو کیفیت سے خالی نہیں اور ان رباعیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آزاد منش سنجیدہ شخص تھا شہزادہ داراشکوہ سے جو فقیر دوست اور مذہب سے خوب واقف تھا اس کو خاص ربط حاصل تھا اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں علماء کے فتوے پر مارا گیا، تلوار سر پر تھی اور یہ مطلع جو اس کی پختہ کاری کا شاہد ہے زبان پر تھا ؎

شورے شد و از خوابِ عدم چشم کشودیم — دیدیم کہ باقی ست شبِ فتنہ غنودیم

ہستی میں عدم کی جو مچا شور کھلی آنکھ — دیکھا کہ شبِ فتنہ ہے باقی تو لگی آنکھ

خواجہ باقی باللہ۔ اس شہر میں خواجہ باقی باللہ کا مزار ہے یہ شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) شاہ ترکمان کا وصال ۲۳ رجب المرجب ۶۳۷ھ/۱۲۴۰ء میں بعہد معز الدین بہرام شاہ ہوا سالانہ عرس ہوتا ہے اور بسنت کا میلہ بھی یہیں لگتا ہے

(۱) مرقع دہلی از درگاہ قلی خاں (مرتبہ حکیم ظفر حسین) صفحہ ۸ — (مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن)

(۲) آثار الصنادید باب سوم صفحہ ۱۶ — (۳) یادگار دہلی صفحہ ۹۲

(۴) واقعات دارالحکومت دہلی صفحہ

LIST OF MUHAMMADAN AND HINDU MONUMENTS VOL. I, P. 56

(۱) مشہور ہے کہ سرمد یہودی سے مسلمان ہوا تھا اول ٹھٹھہ میں رہا پھر دہلی پہونچا داراشکوہ کو سرمد سے عقیدت ہو گئی جذب کی حالت میں اکثر سرمد ننگے رہتا تھا علماء شریعت نے سرمد کے قتل کا فتویٰ دیا ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۱ء میں مقتول ہوا۔ قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

شاہ سرمد بعہد عالمگیر — چوں سفر ساخت بخلد بریں

گفت تاریخ او کبر مسکیں — لحد مرشد شہید سرمد ایں

۱۱۷۱ھ/۱۷۵۹ء

(۱) یادگار دہلی صفحہ ۹۰ — (۲) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۱۱۲۔۱۱۳

(۳) روضۃ القیومیہ جلد اول از کمال الدین محمد احسان صفحہ ۲۴۳ (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)

LIST OF MUHAMMADAN AND HINDU MONUMENTS VOL. I, P. 148–149

الف ثانیؒ کے پیر ہیں اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں تھے لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کے مزار کے چاروں طرف جو پتھر کا فرش ہے کرامت کی بنا پر دھوپ سے گرم نہیں ہوتا لیکن تجربہ کار اس کو اس پتھر کی خاصیت سمجھتے ہیں نامہ نگار (مولوی عبدالقادر) کا خیال ہے کہ اللہ والے اس دنیا میں اینٹ پتھر بلکہ جسم سے بھی چنداں سروکار نہیں رکھتے اس خاکدان سے روانگی کے بعد بالا خانہ کی چھت کی سردی و گرمی کی کیا پروا ہو گی۔

---

۵۱ شیخ احمد فاروقی سرہند میں ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ اکثر علوم متداولہ اپنے والد شیخ عبدالاحد سے حاصل کیے پھر سیالکوٹ جا کر مولانا محمد کمال کشمیری اور مولانا یعقوب کشمیری سے علوم کی تحصیل کی اور حدیث کی سند قاضی بہلول بدخشی سے حاصل فرمائی اور علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار ہو کر علم و عرفان کے دریا بہانے شروع کر دیئے اسی اثناء میں بہت سے رسالے جیسے رسالہ تہلیلیہ اور ردِ روافض وغیرہ تصنیف فرمائے ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں حج کے لئے اپنے وطن سے روانہ ہوئے راستہ میں دہلی میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے شرف ملاقات و بیعت و خلافت حاصل کی نقشبندیہ سلسلہ کا خوب شیوع کیا اتباع سنت کا بڑا خیال رکھتے تھے عہد اکبری میں علمائے سو کی رو سے اسلام کی جو صورت مسخ ہوئی تھی اور شریعت محمدیہ کو جو نقصان ہوا تھا اس کی اصلاح کی۔ حضرت مجدد نے کوشش کی بدعات کا رد کیا وحدت الشہود کے نظریہ کی اشاعت کی۔ نورجہاں کا دور دورہ تھا مجدد صاحب کو قید کر دیا گیا حضرت نے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کیا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت مجدد کی تصانیف میں مکتوبات بہت مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

(۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم از مولانا محمد میاں صفحہ ۱۱۶-۱۱۹ (مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۴۰ء)

(۲) گلزار اولیا از مولوی مظفر حسین صفحہ ۳۳-۳۶ مطبع سبحانی حیدرآباد دکن ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء

(۳) سفینۃ الاولیا صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸

(۴) رود کوثر از شیخ محمد اکرام صفحہ ۲۰۹-۲۸۵ (لاہور ۱۹۵۶ء)

(۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۲۳-۱۲۵ (دہلی ۱۹۵۳ء)

(۶) مکتوبات امام ربانی جلد اول، دوم و سوم مطبوعہ نول کشور پریس

(۷) مبدا و معاد از شیخ احمد سرہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

(۸) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان از غلام علی آزاد بلگرامی صفحہ ۴۶-۵۲ (طبع بمبئی)

بزرگوں کی کرامت بس یہی ہے کہ ان کے متبعین مخلوق کی رہنمائی کریں[۵]۔

سید حسن۔ ایک مزار سید حسن کا ہے جو محمد شاہ کے زمانے میں تھے ان بزرگوار کی وفات کے دن ہر مقام سے ان کے متعلدین جن کو بھانڈ کہتے ہیں جمع ہو کر اپنے پیشہ کی داد دیتے ہیں اور لوگوں کو کبھی رلاتے ہیں کبھی ہنساتے ہیں[۶]

---

[۱] حضرت خواجہ باقی باللہ کا اصلی نام رضی الدین احمد ہے ابن شیخ عبدالسلام وہ ۹۷۱-۷۲ھ / ۱۵۶۳-۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے وہاں علوم ظاہری کی تحصیل ملا محمد صادق حلوائی سے کی پھر فیوض باطنی مدینہ منورہ میں حضرت خواجگی امکنگی علیہ الرحمہ سے حاصل کئے بعہد اکبر بادشاہ ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں مقیم ہوئے۔ خواجہ باقی کا وصال چالیس سال کی عمر میں ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء میں ہوا۔ خواجہ صاحب کی درگاہ شریف شہر کی آبادی کے اندر صدر بازار میں شہر کے مغرب رخ واقع ہے ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں سجادہ نشین درگاہ مظفر علی صاحب نے مسجد درگاہ کی مرمت کرائی۔

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۲۱۵-۲۱۶ (۲) گلزار اولیاء، صفحہ ۳۱-۳۲

(۳) آثار الصنادید باب اول ص ۹۳ (۴) سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۱۹

(۵) ارشاد رحیمیہ در طریق حضرات نقشبندیہ از شاہ عبدالرحیم دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء)

[۲] قطب روڈ پہاڑ گنج سے ذرا آگے بڑھ کے سید حسن کا مزار ہے اولیاء کبار سے تھے لقب رسول نما ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس کو چاہتے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء میں وصال ہوا۔ لفظ "رسول نما بار رسول باقی شد" سے تاریخ وفات نکلتی ہے مزار کے سرہانے سنگ مرمر کی تختی پر بہ خط نسخ یہ شعر کندہ ہے :-

حسن رسول نما افتخار آل حسین

اویس قرنی ثانی و ثالث حسنین

خافی خاں منتخب اللباب حصہ دوم صفحہ ۵۵۱-۵۵۲) میں لکھتا ہے :-

"سید حسن رسول نما کہ مجموعہ فضل و کمال و از مستعدان روزگار و اصل باللہ بود خصوص در علم تفسیر و حدیث و عبادت و ریاضت نادرۃ العصر بود بحسب ظاہر با اہل دول کہ در خدمت آں سید از روی ارادت و عقیدت رجوع می آوردند بدستور فقرائے ملامتی در کلمہ و کلام کہ از مردم نفرت گیرند سلوک می نمود و از ملاقات دنیا پرستاں خود را می کشید و ہر کہ بخدمت ایشاں رفتہ اظہار ارادت و گرویدن می نمود حرفہائے درشت و خلافت رو بروز گار بادی گفتند اورا از راویان ثقہ مسموع شدہ کہ بعضے خادمان صادق العقیدت را بسعادت حاضر نمودن در مجلس حضرت

خواجہ میر درد - خواجہ میر درد کا مزار قابل ذکر ہے جن کی رباعیاں اور ریختہ (اُردو) کی غزلیں سب درد آمیز ہیں رسالہ آہ سرد، نالۂ درد اور واردات ان کی تصنیفات سے ہیں فن تصوف اور اس کے اہم مسائل کی موشگافی ان کے تبحر علمی کی شاہد ہے۔[1]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) سرور کائنات مفتخر ساختہ بودند و اکثر محتاجان از توجہ باطن ایشاں بمراد دل می رسیدند"

نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:-

"بتاریخ بست و یکم شعبان المعظم مراسم عرس بتقدیم می رسد وضع تزئین و آرائش بہ کار می رود۔ صبح عرس جمیع قوالان دہلی تاشام بمجرا پرداختہ احتظاظ وافی بزائراں می رسانند"

(۱) مرقع دہلی از نواب درگاہ قلی خاں ص ۹

(۲) منتخب اللباب حصہ دوم از محمد ہاشم خان المخاطب بہ خافی خاں ص ۵۵۱-۵۵۲ (مطبوعہ مطبع مظہر العجائب کلکتہ ۱۸۷۴ء)

(۳) یادگار دہلی ص ۱۸۵

(۴) آثار الصنادید باب اول ص ۹۴

(۵) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۵۶

(۶) نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر جلد ششم از مولوی عبد الحی ص ۱۶۳ (دائرۃ المعارف دکن ۱۹۵۵ء)

(۷) ملفوظات شاہ عبد العزیز دہلوی (اُردو) ص ۹ (ہاشمی پریس میرٹھ ۱۸۹۶ء)

(۸) مناقب الحسن رسول نما (اُردو ترجمہ فواتح العرفان مصنفہ سید ہاشم) (مطبوعہ مطبع گلزار ہند اسٹیم پریس ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)

[1] خواجہ میر درد، خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیٹے تھے دلی میں ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء میں پیدا ہوئے اور والد کے آغوش تربیت میں پرورش پائی اور ۳۹ برس کے سن میں والد کے سجادہ پر بیٹھ گئے علوم و فنون میں طاق تھے تصوف اور موسیقی میں اچھی مہارت تھی واردات درد میں ایک سو گیارہ رسالے ہیں۔ خواجہ میر درد نے ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء کو ترسٹھ برس کی عمر میں رحلت فرمائی دیوان طبع ہو چکا ہے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:-

هو الناصر

نور الناصرین اول المحبوبین خواجہ میر علی محمد المتخلص بہ درد تحیات اللہ علیہ ولوالدیہ وعلی من توکل الیہ

خورشید ضمیر خواجہ میر درد ست   ہم میر و فقیر خواجہ میر درد ست

ہم بدر منیر خواجہ میر درد ست   ہم مرشد و پیر خواجہ میر درد ست

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:- (۱) گل رعنا از عبد الحی ص ۱۵۰-۱۶۹ (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

(۲) آب حیات از محمد حسین آزاد ص ۱۴۳-۱۴۳ (لاہور ۱۹۵۰ء) (۳) واقعات دار الحکومت دہلی ص ۳۱۹، ۵۴۵ (۴) یادگار دہلی ص ۹۳

(۵) شرح دیوان میر درد از خواجہ محمد شفیع دہلوی مطبوعہ فاروقی پریس دہلی (۶) دیوان درد اُردو (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ۔ حضرت مرزا جان جاناں کا مزار ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے متاخر مشائخ کبار میں سے تھے۔ یہ دونوں بزرگوار (حضرت خواجہ میر درد و حضرت مرزا مظہر جان جاناں)

اصل نام شمس الدین ابن مرزا جان ہے۔ شاہی نام جانِ جاناں اور تخلص مظہر ہے۔ محمد بن حنفیہ کی اولاد میں ہیں ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء میں پیدا ہوئے مرزا کے والد اپنے عہد کے عالم تھے چنانچہ مرزا صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور حدیث کی سند محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی نقشبندیہ سلسلہ میں شاہ نور محمد بدایونی سے جو دہلی میں مقیم تھے چار سال تک کسب سلوک کرکے خرقہ و اجازت حاصل کی حضرت شاہ نور محمد بدایونی کے وصال کے بعد حضرت شاہ سعد اللہ اور حضرت عابد سنامی سے فیوض و برکات حاصل کئے استغنا اور بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر کسی بادشاہ یا وزیر کے سامنے سر نیاز خم نہیں کیا مرزا صاحب نے زندگی بھر کہیں گھر نہیں بنایا کسی دوست کے گھر یا کرایہ کے مکان میں رہتے ایک جوڑے سے زیادہ کپڑا نہ رکھتے۔ کھانا کسی کے گھر نہ کھاتے اور نہ پکواتے۔ وقت کے وقت بازار سے منگوا کے کھا لیتے عام دعوتوں کو قبول نہ فرماتے (دوسرے مشائخ کی طرح عرس اور فاتحہ نہ کرتے) نذر و نیاز کے لئے بڑی کڑی شرطیں مقرر کر رکھی تھیں نقشبندی مجددی شیخ ہونے کی وجہ سے شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے حسب معمول حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے حالات بیان کرنے میں چٹکیاں لی ہیں۔ مرزا صاحب نے ایک مدت تک درس و تدریس کا مشغلہ بھی رکھا۔ "مدتہا درس علم ظاہر بطالبان گفتیم آخر چوں نسبت باطنی غلبہ کرد شغل کتاب متروک گردید"

سلسلہ نقشبندیہ کے اجل مشائخ میں سے تھے اس زمانہ میں سیاسی ابتری حد کمال کو پہونچی ہوئی تھی مرہٹہ گردی عروج پر تھی مرزا صاحب نے روہیل کھنڈ میں اکثر دورے کئے اہالیانِ روہیلکھنڈ کثرت سے مرزا صاحب کے سلسلے بیعت و ارادت میں منسلک تھے مرزا صاحب سنبھل، مراد آباد، امروہہ، آنولہ، بریلی اور شاہجہاں پور پہونچے تاکہ مرہٹوں کے خلاف اس علاقہ کے لوگوں کو تیار کیا جائے اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا فولاد خاں شیعہ نے محرم ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء میں شہید کردیا میر قمر الدین منت نے "عاش حمیدا مات شہیدا" سے تاریخ نکالی ہے لوح مزار پر خود حضرت کا یہ شعر کندہ ہے

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے　　　کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں　(۱) گل رعنا صفحہ ۱۳۰-۱۳۲　(۲) گلزار اولیا صفحہ ۴۱-۴۷

(۳) آب حیات صفحہ ۱۳۷-۱۳۸　(۴) مقامات مظہری از شاہ غلام علی دہلوی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

(۵) سرو آزاد صفحہ ۲۳۳　(۶) کلمات طیبات مرتبہ ابو الخیر محمد ابن احمد مراد آبادی بہ تصحیح حافظ فضل الرحمن مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

(۷) مرقع دہلی صفحہ ۴۱-۴۳　(۸) خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۶۸۴　(۹) نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۳۵۰-۳۵۵

(۱۰) دیوان مظہر جان جاناں و خریطہ جواہر (مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء)

شاہ عالم بادشاہ کی بادشاہی کے زمانے میں اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئے جناب مرزا کو نواب نجف خاں کے ایک نادان شیعہ لشکری نے رات کے وقت آکر اور حضرت کو تنہا پاکر بندوق کی گولی ماردی اس شیعہ لشکری نے یہ کام مذہبی تعصب کی بنا پر کیا اس ظالم نے مرزا مظہر جان جاناں کو ان کے بزرگوں کے پاس پہونچا دیا۔ کہتے ہیں شاہ عالم نے اس سانحہ کو سن کر انگریز ڈاکٹر کو معالجہ کے لئے تجویز فرمایا اور نجف خاں کو تاکید کی کہ ان کے قاتل کو پکڑ کر قصاص کے لئے حضور میں پیش کرے۔ جناب مرزا نے اسی حالت میں بادشاہ کو یہ مضمون لکھا:-

"دستِ شیعہ کے زخم کا علاج عیسائی سے کرانا اپنے کی شکایت غیر سے ہے جس کو میں اچھا نہیں سمجھتا اور فقیر کا قاتل اگر گرفتار ہو جائے تو اس کو فقیر ہی کے حوالہ کر دیں تاکہ بطریقِ معافی خود قصاص لے لوں"

سچ تو یہ ہے کہ خاندانِ آزادی کے امیرزادے ایسا ہی کرتے ہیں اور جس شخص نے یہ فعلِ شنیعہ کیا تھا وہ وہاں (دہلی) سے نکل کر فیض آباد پہونچا۔ خدا سب کو غضبِ بیجا کی پیروی سے محفوظ رکھے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں علم و عمل اور زہد و تقویٰ سے متصف تھے۔ تورانی اور ہندوستانی مغل زادوں کی سی فارسی زبان میں ان کا ایک مختصر دیوان ہے جو کیف سے خالی نہیں۔

شیخ عبدالحق - شیخ عبدالحق جہانگیری کا مزار ہے وہ محدث اور خدا پرست تھے جو لوگ ان کی تصانیف سے کچھ بھی لطف اندوز ہوئے علم حدیث اور سیرت کے حصہ دار بن گئے۔[1]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں دہلی میں ہوئی والد کا نام شیخ سیف الدین تھا۔ جو اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں تھے شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید و مجاز تھے۔ شیخ عبدالحق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی حفظ قرآن کے بعد درسی علوم کی تکمیل ماوراء النہر کے علمائے کی علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ موسیٰ قادری کے ہاتھ پر بیعت کی حضرت شیخ عبدالحق کچھ دنوں فتحپور میں رہے ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء میں سفرِ حج کیا حجاز کے مشہور محدث حضرت شیخ عبدالوہاب المتقی سے علم حدیث کی تحصیل کی پھر ہندوستان آکر شیخ ہمہ تن نشرِ علوم حدیث تزکیۂ باطن، ارکانِ سلطنت کی اصلاح اور بے دینی والحاد کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مزار ہے[1] جو محمد شاہی وقت سے شاہ عالم کے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) خلاف لسانی و علمی جہاد میں مشغول ہو گئے حضرت شیخ عبدالحق تصانیف کثیرہ کے مالک تھے اپنی وفات سے ایک مدت پہلے خود انہوں نے اپنی تصانیف کی ایک فہرست تالیف الالیف بکتابۃ فہرس التوالیف" کے نام سے لکھی تھی جو مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں اور رامپور میں شائع ہوئی۔ ہمارے کتب خانہ میں حضرت شیخ عبدالحق کی ایک تصنیف" نسخہ روضات" کا ایک مخطوطہ ہے جس کو مولوی عبدالحبیب سہسوانی نے ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں نقل کیا ہے شیخ عبدالحق کا انتقال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء میں ہوا تاریخ وفات فخرالعالم ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیے:۔

(۱) تذکرہ شیخ عبدالحق (۲) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی پروفیسر خلیق احمد نظامی (خواجہ برقی پریس دہلی ۱۹۵۳ء)

(۳) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۰۹ - ۱۱۰

(۴) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۰۹ - ۴۱۲ (۵) رود کوثر صفحہ ۲۹۴ - ۳۳۱

(۶) آثار الصنادید صفحہ ۵، (۷) تذکرہ مصنفین اہل دہلی۔ (مقدمہ) مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری (حیدرآباد۔ دکن ۱۹۳۶ء)

(۸) تکمیل الایمان از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (الا)مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء

(۹) بجۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۵۲ - ۵۳

[1] قطب الدین احمد شاہ ابن شاہ عبدالرحیم فاروقی ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالرحیم اپنے عہد کے نامی گرامی فاضل تھے فتاوائے عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے بیٹا باپ سے زیادہ نامور اور فاضل ہوا مروجہ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۱۴ سال میں شادی ہو گئی سترہ سال کی عمر تھی کہ والد شاہ عبدالرحیم کا انتقال ہو گیا، والد ماجد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ کے صدر نشین ہوئے ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ ابو طاہر اور دیگر مشائخ حرمین شریفین سے خصوصاً علم حدیث میں استفادہ کیا حرمین شریفین سے ہندوستان واپس آکر ارشاد و ہدایت کی مسند کو سنبھالا سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مذہبی زندگی بھی انحطاط پذیر تھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے غور و فکر کے مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے ایک پروگرام مرتب کیا سیاسی طور سے ان کی بہبودی کے لیے اس دور کے نامور مسلم زعما اور سرداروں کو ایک نقطۂ نظر پر جمع کیا نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے خاص طور پر متاثر تھا چنانچہ احمد شاہ ابدالی کی آمد اور مرہٹوں کی پسپائی میں شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک خاص حصہ تھا۔

شاہ صاحب نے تمام علوم دینی قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف وغیرہ میں بڑی بیش قیمت تصنیفات

زمانہ تک طلبہ اور مریدین کو فائدہ پہونچاتے رہے فن حدیث حاجی محمد افضل کی خدمت میں دہلی میں

بسلسلہ صفحہ گزشتہ:۔

چھوڑیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفا، فوز الکبیر، فتح الرحمٰن، عقد الجید، الانصاف، تفہیمات الٰہیہ، المسوی، انفاس العارفین، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، البدور البازغہ، الجزء اللطیف، وصیت نامہ، رسالہ دانشمندی وغیرہ مشہور و معروف تصانیف ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریک کو ان کے نامور صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین وغیرہ نے خوب آگے بڑھایا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا انتقال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء میں ہوا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) انسان العین فی مشائخ الحرمین از شاہ ولی اللہ دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی

(۲) انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ دہلوی مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۳۵ھ م ۱۹۱۶ء

(۳) الدر الثمین از شاہ ولی اللہ دہلوی (مطبوعہ)

(۴) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف از شاہ ولی اللہ دہلوی (مطبوعہ)

(۵) رسالہ دانشمندی از شاہ ولی اللہ مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۹۱۶ء (۶) تذکرۂ علمائے ہند صفحہ ۲۵۰ - ۲۵۲

(۷) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۴۴-۴۴۸ (۸) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ)

(۹) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از مولانا عبید اللہ سندھی (دین محمدی پریس لاہور ۱۹۴۲ء)

(۱۰) الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء مرتبہ مولانا منظور احمد نعمانی (۱۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم از محمد میاں ۱۳۶۹ھ (الجمعیۃ پریس دہلی ۱۹۵۰ء)

(۱۲) حیات ولی از مولوی رحیم بخش دہلوی (مطبوعہ) (۱۳) تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی مطبوعہ دوآبہ پریس لاہور ۱۹۴۶ء

(۱۴) یادگار دہلی صفحہ ۹۸-۹۹، ۱۰۱-۱۰۲ (۱۵) واقعات دار الحکومت حصہ دوم صفحہ ۵۰۳-۵۰۵

(۱۶) وصیت نامہ از شاہ ولی اللہ دہلوی مع شرح از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (مطبوعہ بمبئی) (۱۷) ابجد العلوم صفحہ ۹۱۲-۹۱۴

(۱۸) تصنیف رنگین از سعادت یار خاں رنگین (قلمی۔ مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۹) الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی بر حاشیہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار) مرتبہ مفتی محمد شفیع دیوبندی (ہند دیپ پریس دہلی ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

(۲۰) امداد فی مآثر الاجداد از شاہ ولی اللہ دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی

(۲۱) کلمات طیبات صفحہ ۱۵۶-۱۹۷ (۲۲) تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد دوم صفحہ ۱۲۵-۱۲۹ (کراچی ۱۹۵۵ء)

حاصل کیا اس کے بعد حرمین شریفین میں جا کر سند حدیث حاصل کی بہت سے رسائل اور کتابیں اُن کی تصنیف سے ہیں ہر ایک میں نئے فوائد بیان کرتے ہیں عقائد اور عقلیات میں دلائل کے پیرو ہیں اور اعمال و نقلیات میں حدیث اور اخبار متواتر اور قرآن کے تابع ہیں بات مجتہدانہ کہتے ہیں محض تقلید کی طرف نہیں دوڑتے ان کے بیٹے بھی ابھی تک وہی طریقہ رکھتے ہیں۔

قدم شریف ۔ ماہ ربیع الاول میں قدم شریف پر بہت زیادہ ہجوم ہوتا ہے اس کی اصلیت یوں ہو کہ اس پتھر پر حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کا نقش معجزہ کے طور پر ہو گیا ہے روایت کے اعتبار سے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے نادان لوگ وہاں پر ہجوم کرتے ہیں اور اس قدر تعظیم کرتے ہیں جو پیغمبر کے لئے بھی جائز نہیں اس پر سجدے کرتے ہیں آنکھیں ملتے ہیں۔[1]

---

[1] لاہوری دروازے کے جنوب میں تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر یہ درگاہ ہے جو درحقیقت شہزادہ فتح خاں کی قبر ہے اور اس پر جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نقش قدم لگا ہوا ہے۔ قبر کے گرد مدرسہ، مکانات مسجد اور حوض تعمیر ہوئے یہ مقام زیارت گاہ خاص و عام ہے ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو بڑی دھوم دھام سے اجتماع ہوتا ہے قدم شریف کا مجلس خانہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا حاذق الملک حکیم محمد عبدالمجید خاں اور مولانا قاری حافظ محمد عمر المعروف بسراج الحق صاحب کی کوشش سے دو ڈھائی ہزار روپئے کے صرفے سے اس کی مرمت ہوئی اور داہنی طرف رنگ کے دروازہ پر یہ کتبہ لگا دیا گیا ہے۔

هوالعزیز

بسال بست و نہم بعد یکہزار و سہ صد — ز ہجرت شہ کونین ہادی برحق
بدرگہ قدم پاک آں شہ لولاک — کہ ہست مرجع خلق در شکستہ ہر حو ثق
حریم و مسجد و مجلس سرائے را ترمیم — نمود شاہ محمد عمر سراج الحق
دو شنبہ بستم وذی قعدہ بود کانجامید — بنائے کار بتوفیق قادر مطلق
بروح پاک سرائے صاحب نشان قدم — درود باد صباحے و مسا زرب خلق

تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو:۔
(۱) مرقع دہلی ص۲-۲ (۲) آثار الصنادید باب اول ص۱۲ (۳) یادگار دہلی ص۱۸۱-۱۸۲ (۴) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۵۳۶-۵۴۲

شاہ مرداں۔ ایک اور جگہ ہے جس کو شاہِ مرداں کہتے ہیں یہاں بھی قدم شریف کی طرح
حماقتوں کا دستور ہے [۱]

جائے نشست۔ جامع مسجد کے حوض کے کنارے پر ایک جگہ ہے کسی کو اس مقام پر بیٹھنے
نہیں دیتے اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ یہاں پر رسولِ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا ہے سبحان اللہ لوگ مکّے اور مدینے جاتے ہیں وہاں پر
سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نشست کے مقامات پر بیٹھنے سے کسی کو منع نہیں کیا جاتا اور
اور یہاں صرف خواب میں دیکھنے کی روایت پر یہ ممانعت ہے بے وقوف یہ نہیں سمجھتے
کہ اُن (رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد دینی امور میں اپنی طرف سے کوئی حکم یا مخالفت
کرنا اُن (رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم) کی مسند پر غاصبانہ بیٹھنا اور اسلام سے خارج ہونا ہے [۲]

---

[۱] ادہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جس کو احمد شاہ کی سلطنت میں اول نواب بائی اور پھر نواب قدسیہ صاحب زمانی کا خطاب ملا شیعہ مذہب کی تھی ۱۱۶۴ھ میں ادہم بائی کے پاس ایک پتھر آیا جس پر ایک نقش قدم تھا بیان یہ کیا گیا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نقش قدم ہے ادہم بائی نے اس نقش قدم کو سنگ مرمر کے حوض میں نصب کروادیا اس حوض کے نیچے سنگ مرمر کا فرش کرکے حجرہ بنوایا اور اس کے کنارے پر یہ شعر کندہ ہے ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

احمد شاہ کے زمانہ (۱۱۶۸ھ) میں ادہم بائی نے اپنے خواجہ سرا جاوید کے اہتمام سے چہار دیواری، مجلس خانہ، مسجد، اور حوض بنوایا ہر مہینے کی ۲۳ تاریخ کو یہاں مجلس ہوتی ہے اور رمضان المبارک کی بیس تاریخ کو بہت ہجوم ہوتا ہے

(۱) مرقع دہلی صفحہ ۳ (۲) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۸ (۳) یادگار دہلی صفحہ ۲۲۰-۲۲۱

[۲] جامع مسجد کے صحن کے عین وسط میں فرش سے ایک ہاتھ اونچا ۱۵×۱۲ گز سنگ مرمر کا ایک حوض ہے جس میں سنگ موسیٰ کی سیاہ تحریریں سنگ مرمر کی سفیدی کو بہت رونق دیتی ہیں ؎

در ابلق کسے کم دیدہ موجود — مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

حوض کے مغربی گوشے پر ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا کٹہرا محمد حسین خاں محلی خواجہ سرا کا بنوایا ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ علیٰ روایت العوام حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر بیٹھے ہوئے خواب میں دیکھا گیا تھا اور اس کٹہرے کے اندر یہ اشعار کندہ ہیں۔

(اگلے صفحہ پر)

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

کوثر محمد رسول اللہ ۹۹۱ھ

رسول دیدہ اند ایں جادلی داہل اللہ — بجاست گر شود ایں سنگ ہم زیارت گاہ

بنائے سال و تحسین داہ فریب ہاتف — بگفت احاطہ جائے نشست رسول اللہ

(۱) اخبار الصنادید باب سوم ص۔ (۲) یادگار دہلی ص۔ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۔

[1] شہر بخارا کے دو بزرگ سید علی بخاری و سید عرب بخاری ترک وطن فرماکر شمس الدین التمش کے عہد میں لاہور ہوتے ہوئے بدایوں آئے یہ دونوں بزرگ سگے بھائی تھے سید علی کے صاحبزادے سید احمد اور سید عرب کی صاحبزادی زلیخا تھیں بعد کو ان دونوں اولادوں کو رشتہ ازدواجی میں منسلک کر دیا گیا جن کے نور عین حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا بدایونی صفر ۶۳۱ھ ۱۲۳۴ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بدایوں میں حضرت محبوب الٰہی کے مکانات متصل سید باڑہ چنگی ٹیلہ پر اس جگہ پر تھے جہاں آج کل کانے رہتے ہیں وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے حضرت نظام الدین اولیا کے بچپن ہی میں سید احمد کا انتقال ہو گیا (۶۳۶ھ ۱۲۳۸ء) حضرت سید احمد کا مزار ساغر تال (بدایوں کے قریب نہایت پُر فضا مقام پر واقع ہے مسجد، گنبد اور چہار دیواری کی تعمیر حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے کرائی تھی حضرت نظام الدین اولیا کی تعلیم و تربیت ان کی والدہ نے بہ احسن وجوہ فرمائی پیپلی مسجد محلہ سوتھہ (بدایوں) میں بیٹھ کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے چنانچہ اس مسجد میں ایک طاقچہ بطور یادگار موجود ہے نظام الدین اولیا نہایت ذکی و ذہین تھے بحث و مباحثہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اسی لئے حضرت کا لقب بحاث اور نظام محفل شکن مشہور ہو گیا حضرت نظام الدین اولیا نے قرآن شریف کا ایک پارہ حافظ شادی مقری بدایونی سے پڑھا اس کے بعد مولانا علاء الدین اصولی سے پڑھا کتاب مشارق الانوار کی سند مولانا کمال الدین سے حاصل کی بدایوں میں جب انہوں نے علوم سے فراغت پائی تو علماء و مشائخ وقت کے سامنے دستار بندی ہوئی بدایوں کے ایک عالم اور صاحب باطن بزرگ مولانا علی نامی بدایونی نے اپنے ہاتھ سے حضرت نظام الدین اولیا کے سر پر دستار باندھی یہ دستار حضرت کی والدہ نے خود سوت کات کر بنوائی تھی پھر مزید علوم کی تکمیل دہلی پہونچکر حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی سے فرمائی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں جب اجودھن حاضر ہوئے تو وہاں حضرت بابا صاحب سے چند پارے کلام اللہ کے اور کچھ کتابیں پڑھیں حضرت بابا صاحب سے نظام الدین اولیا بدایونی بیعت ہوئے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، مخلوق کی ہدایت کے لئے حسب الحکم حضرت بابا صاحبؒ نظام الدین اولیا دہلی پہونچے، موضع غیاث پور میں قیام کیا اور مخلوق الٰہی کی ہدایت و رہنمائی میں مصروف ہوئے سلسلہ چشتیہ نظامیہ

حاصل کرنے اور بحاث (بہت بحث کرنے والا) کا لقب پانے کے دہلی پہونچے تاکہ عہدۂ قضا کی سند حاصل کریں قسمت نے ان کو فقر کی جانب کھینچا اور اجودھن میں جاکر شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں اصلاحِ نفس کی پھر دہلی میں آکر دوسروں کو فائدہ پہونچایا۔

مجحر محمد شاہ بادشاہ۔ محمد شاہ بادشاہ کی قبر بھی وہیں (درگاہ نظام الدین اولیا میں) ہے[۱]۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کے بانی ہوئے۔ خواجہ حسن سنجری، امیر خسرو، نصیر الدین چراغ دہلی جیسے اجل مشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفا میں ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیا کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو ہوا۔ مزار غیاث پور بستی نظام الدین اولیا میں ہے مسجد کی دیوار پر تاریخ وفات کندہ ہے۔

نظام دو گیتی شہ ماہ و طین　　سراج دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب　　ندا داد ہاتف شہنشاہ دیں
۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:-

(۱) تذکرۃ الواصلین از مولوی رضی الدین بسمل بدایونی (نظامی پریس بدایوں)
(۲) سیر الاولیا صفحہ ۱۰۹-۱۵۵
(۳) القرآن کراچی مئی ۱۹۵۳ء "حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی" از محمد ایوب قادری صفحہ ۱۱
(۴) سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۳۳-۱۳۴
(۵) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۷۴۹-۷۵۸
(۶) بزم صوفیا صفحہ ۱۸۰-۱۳۲
(۷) سیر العارفین صفحہ ۵۹-۹۱
(۸) مونس الارواح صفحہ ۱۰۰
(۹) اخبار الاخیار صفحہ ۶
(۱۰) خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۳۵

[۱] درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کے احاطے کے صحن میں محمد شاہ بادشاہ کا مجحر ہے یہ بادشاہ ایسے زمانہ میں تخت نشین ہوا جبکہ سارے ملک میں بد نظمی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ باج گزار راجاؤں اور امرا نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا سب سے بڑی مصیبت نادر شاہ کا حملہ تھا جو دہلی کو تباہ کر گیا محمد شاہ حملۂ نادری کے بعد آٹھ سال تک زندہ رہا۔ انتقال کے بعد درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں دفن ہوا۔

قطعہ تاریخ وفات

شہ فلک حشم و روشن اختر آں کہ از و　　چو آفتاب جہاں جملگی فروخت گرفت
چو شد بجادۂ فردوس زیں سرائے سپنج　　سرود ہاتف غیبی کہ گو "بجنت رفت"

(باقی اگلے صفحہ پر)

مجر جہاں آرا بیگم ۔ شاہی خاندان کی بیگمات میں سے ایک بیگم کی قبر بھی وہاں موجود ہے قبر کا ایک شعر یہ ہے[1]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مجر محمد شاہ کا احاطہ مستطیل ۲۰×۱۶ فٹ ہے جس کے چاروں گوشوں پر سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے منارے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مجر کی تمام تعمیر سنگ مرمر سے ہوئی ہے اس کی نفاست و خوبصورتی کے سلسلے میں سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں :—

> "نفاست اور لطافت اس کی بیان سے باہر ہے گل بوٹے پتے منبت کاری کے ایسے خوب بنائے ہیں کہ گویا کار ساحری ہے نگار خانۂ چین بھی اس کے آگے مات ہے جالیاں سنگ مرمر کی ایسی تحفہ بنی ہوئی ہیں کہ بیان سے باہر ہے بے مثال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آسمان سے تارے جگمگ کرتے ہیں اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ چادر نور ہے کہ گرد قبر کے تان دی ہے۔"

(۱) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۳۹ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۲۰ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۹۶-۹۷
(۴) تاریخ پادشاہان دہلی از مولوی مقبول احمد ابن مولوی قدرت احمد گوپاموی صفحہ ۵۸
(مطبع حسنی میر حسن رضوی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۲ء)

[1] یہ مجر جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ کا ہے جہاں آرا بیگم حسن و جمال و عقل و فراست میں مشہور زمانہ تھی تعلیم نہایت اعلیٰ ہوئی تھی مشائخ چشت کے حالات میں مونس الارواح اس کی مشہور کتاب ہے جو چھپ چکی ہے۔ شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ نظر بندی میں وہ بھی باپ کے ساتھ آگرہ کے قلعہ میں رہی اورنگ زیب نے ناراض ہوکر جہاں آرا بیگم کے کچھ معمولات بھی بند کر دیئے تھے شاہجہاں نے ۱۰۷۶ھ میں انتقال کیا اس کے باپ کے انتقال کے پندرہ سال بعد جہاں آرا بیگم نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ جہاں آرا بیگم نے اپنی زندگی ہی میں زمین خرید کر سنگ مرمر کا حظیرہ بنوایا تعویذ کے بیچ میں مٹی بھری ہوئی ہے جہاں آرا بیگم کی قبر کے سرہانے ایک پتلی سی سنگ مرمر کی تختی نہایت خوشنما لوح کی کھڑی ہے جس پر بخط عربی سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے درج ذیل نہایت خوشخط کتبہ بنایا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ شعر خود شہزادی مرحومہ کا ہے۔

ھو الحی القیوم

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا ۔۔۔ کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

الفقیرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید خواجگان چشت بنت شاہجہاں بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء

(۱) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۳۸
(۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۹۳-۹۵ (۳) یادگار دہلی صفحہ ۲۰ (۴) بزم تیموریہ از صباح الدین عبد الرحمٰن صفحہ ۴۳۶-۴۵۵ (مطبع معارف اعظم گڑھ)

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا ‎ ‎ ‎ ‎ کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیا بس است

مرے مزار کے چادر نہ کبھی پاس رہی ‎ ‎ ‎ ‎ ہمیشہ گور غریباں پہ اُگی گھاس رہی

باؤلی - وہاں (درگاہ نظام الدین اولیا) پر ایک کنواں ہے جس کو ہندوستان میں بہ اختلاف لہجہ باؤلی اور باوری کہتے ہیں یہ کنواں بہت گہرا ہے اور اس کے کنارے پر اونچے اونچے درخت ہیں شہر کے فاقہ مست، شرابی اور جواری مردہ کی نعش اٹھاتے اور علم ہاتھ میں لے کر سواری کے ساتھ چلتے ہیں اور کل کے لئے اپنے پاس ایک پائی نہیں رکھتے ہیں' ان درختوں پر بیٹھ جاتے ہیں لوگ ان کو پیسہ دکھا کر پانی میں ڈال دیتے ہیں وہ لوگ اتنی جلدی اس میں کودتے ہیں کہ پیسہ کو تہ میں نہیں پہونچنے دیتے اور ہاتھ میں لاکر پھینکنے والے کو دکھاتے ہیں اور رکھ لیتے ہیں مگر یہ گروہ چوری اور خیانت نہیں کرتا۔[۱]

---

[۱] یہ باؤلی حضرت شاہ نظام الدین اولیا نے غیاث الدین تغلق کے زمانے میں تعمیر کروائی تھی اس باؤلی کے چاروں طرف دیوار پختہ بندش ہے اور شمال کی جانب اُترنے کی سیڑھیاں ہیں جو باؤلی کی تہ تک چلی گئی ہیں یہ باؤلی مکمل سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے باؤلی کے جنوبی رُخ کی تمامی عمارات فیروز شاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہیں جن میں درے درے بنے ہوئے ہیں اور باؤلی کے اوپر آنے کا راستہ ہے یہاں ایک نہایت بدخط کتبہ بخط عربی یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعہد دولت شاہ معظم ‎ ‎ خجستہ خسرو اولاد آدم ‎ ‎ مدار دین احمد شاہ فیروز ‎ ‎ شہ صاحب قران سلطان اعظم

موفق گشت از حق بندہ معروف ‎ ‎ اساس ایں عمارت کرد محکم ‎ ‎ بجوار روضہ شیخ المشائخ ‎ ‎ نظام الحق والدین قطب عالم

وحید الدین قریشی والی من ‎ ‎ کہ با اہل ارادت بود ہمدم ‎ ‎ بجز عقاد و صدق اخلاص ‎ ‎ در اسرار ولی اللہ محرم

مرا چوں برد پیش شیخ عالم ‎ ‎ بدست خود گرفت کرد نامم ‎ ‎ بلفظ خود مرا معروف خواندہ ‎ ‎ دریں عالم چو شیخ عیسیٰ دم

رجا دارم کہ از انفاس مبارک ‎ ‎ دراں عالم بود معروف برحم ‎ ‎ بخواں تاریخ اتمام عمارت ‎ ‎ دریں جا چوں بیائی خیر مقدم

ز ہجرت ہفصد و ہشتاد و یک بود ‎ ‎ مرتب شد بنا واللہ اعلم

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی صفحہ دوم صفحہ ۸۰۴-۸۰۶

(۲) یادگار دہلی صفحہ ۱۹

(۳) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۴۲-۴۴

کوٹلہ فیروزشاہ - مشہور مکانوں میں سے کوٹلہ فیروز شاہ ہے اس میں ایک مینار ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی پتھر ہے اس کی لمبائی چوڑائی اس کا انکار کرتی ہے کیونکہ اتنے بڑے پتھر کو کھڑا نہیں کر سکتے اور اگر سب پہاڑ ہو اور اس کو تراش تراش کر اسے چھوڑ دیا ہو تو یہ بھی تعجب کی بات ہے [۱]

مقبرہ ہمایوں - ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے اس میں ایک جگہ ہے کہ آدمی اس میں راستہ بھول جاتا ہے کیونکہ تمام راستے ایک دوسرے کے مشابہ اور پیچ در پیچ ہیں اس کو بھول بھلیاں کہتے ہیں [۲]

---

[۱] فیروزشاہ تغلق نے ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں فیروز آباد کے نام سے دہلی سے متصل ایک نیا وسیع شہر تعمیر کیا جو نہایت شاندار تھا مدرسے حمام۔ سرائیں۔ حویلیاں اور محلات تعمیر ہوئے ایک محل کوشک فیروز شاہ یا فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے یہ عمارت اب بالکل ختم ہو گئی صرف اس کوٹلے کی فصیل کہیں کہیں باقی ہے جو دُنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ فصیل ۶۰ فٹ بلند ہے کوٹلے کے خرابات میں سے تین بڑی بھاری اور لمبی لمبی سرنگیں ہیں ان کے علاوہ کوٹلے میں دو نادر چیزیں اور قابل دید ہیں ایک فیروز آباد کی بے نظیر مسجد جو فیروز شاہ نے بنوائی ہے اور دوسرے اشوکا کی لاٹ جو عموماً فیروز شاہ کی لاٹ کہلاتی ہے۔

سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں "سرکار دولتمدار انگریزی نے اس کوٹلہ کے ڈھانے کا حکم دیا ہے اور جہاں کہیں پتھر کی خواہش ہوتی ہے یہاں سے ڈھا کر جاتا ہے عنقریب یہ بھی نیست و نابود ہو جائے گا اور قلعوں کی طرح اس کو بھی کوئی نہیں جانتے کہ کیا تھا اور کیا ہوا"

(آثار الصنادید باب چہارم صفحہ ۷۔۶)

مولوی بشیر الدین احمد دہلوی مولف واقعات دارالحکومت دہلی (حصہ دوم) نے فیروز شاہ کے کوٹلے کا مفصل ذکر کیا ہے۔

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی صفحہ ۵۹۲-۶۰۱ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۱۸۶-۱۸۷ (۳) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۵۱-۵۲ و باب چہارم صفحہ ۶-۷

[۲] هر کہ می خواہد کہ بیند شکل فردوس بریں ۔۔۔ گو بیا ایں قصر ایں باغ ہمایوں را ببیں

۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء کو ہمایوں بادشاہ نے کوٹھے سے گر کر انتقال کیا اور اس مقبرہ میں جو شہر دہلی سے تقریباً پانچ میل جنوب کی طرف موضع کیلوکھڑی کی حدود میں ہے دفن کیا گیا بادشاہ کی حرم محترم حمیدہ بانو بیگم ملقب بہ مریم مکانی المعروف بہ نواب حاجی بیگم صاحبہ نے جو اکبر بادشاہ کی والدہ تھیں اپنے شوہر کا بے نظیر مقبرہ تعمیر کرایا جس کی تکمیل ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء میں ہوئی ہمایوں کا مقبرہ نہایت عالی شان اور قابل دید ہے عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے بنی ہے ہمایوں کا مقبرہ دراصل خاندان تیموریہ کی قبرستان ہے۔ حمیدہ بیگم دارا شکوہ

مقبرہ صفدر جنگ۔ مقبرہ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کا ہے جس کی اولاد اودھ میں حکمراں رہی[لہ]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) فرخ سیر، جہاندار شاہ، رفیع الدولہ، رفیع الدرجات عالمگیر ثانی وغیرہ اسی مقبرہ میں آسودہ خواب ہیں۔ آخری تاجدار مغلیہ شاہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آخر میں اسی مقبرہ میں پناہ لی تھی۔ بلکہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد دہلی میں ہندوؤں نے اپنی طے شدہ اسکیم کے ماتحت جب مسلمانوں کا قتل عام کیا اور دہلی سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو بھی مسلمانوں نے مقبرہ ہمایوں ہی میں پناہ لی تھی۔ لارڈ کرزن کے زمانہ میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے ہمایوں کے مقبرہ کی مرمت و درستی ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:۔

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی صفحہ ۶۷۔۶۸۸ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۱۹۶۔۱۹۷

لہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۴ء کو پاپڑگھاٹ ضلع سلطان پور میں انتقال ہوا اول (گلاب باڑی) فیض آباد میں دفن کیا گیا تھوڑے عرصہ کے بعد صفدر جنگ کی لاش نکال کر دہلی لے گئے اور شاہ مرداں کے متصل دفن کیا گیا صفدر جنگ احمد شاہ بادشاہ دہلی کا وزیر تھا یہ مقبرہ سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور جا بجا سنگ مرمر کی دھاریں اور چوکے لگے ہوئے ہیں اس کا تمام برج سنگ مرمر کا ہے اور قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے۔ ایک تہ خانہ میں اصل قبر بنی ہوئی ہے یہ مقبرہ شیدی بلال محمد خاں کے اہتمام سے تین لاکھ روپے میں تیار ہوا ہے مقبرہ کے اندر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

چو آں صفدر عرصۂ مردمی — ز دار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم — کہ بادا مقیم بہشت بریں

۶۷ ۱۱ھ
۵۳ ۶۱۱

دہلی کی سیاست میں صفدر جنگ کا خاص ہاتھ رہا ہے صفدر جنگ نے افاغنہ روہیل کھنڈ کی بیخ کنی کی ہمیشہ تدابیر کیں حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:۔

"وہ خدا اور رسول اور قرآن و پنجتن کو درمیان میں واسطہ کر کے عہد و پیمان باندھتے اور پھر بے سبب وعدہ خلافی کر جاتے اور جہاں تک دھوکے اور دغا سے کام نکلتا تھا جرأت و دلاوری سے کام نہیں لیتے تھے۔" (اخبار الصنادید حصہ اول صفحہ ۲۹۷)

تفصیلات کے لئے دیکھیے:۔ (۱) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۵۸ (۲) یادگار دہلی صفحہ ۲۱۹

(۳) تاریخ اودھ حصہ اول صفحہ ۲۹۵۔۲۹۷

(۴) مشرقی تمدن کا آخری نمونہ (گزشتہ لکھنؤ) از عبد الحلیم شرر لکھنوی صفحہ ۶۱۔۶۲ (کراچی ۱۹۶۵ء)

جنتر منتر - اور شہر پناہ کے اندر نواب سعادت خاں برہان الملک کی حویلی ہے جو باون چوکی کے نام سے مشہور ہے اور صفدر جنگ کا دیوان خانہ معروف بہ دلکشا[۵۱] اور غازی الدین خان کی حویلی نہایت کشادہ ہیں اور شہر سے باہر ایک رصد گاہ ٹوٹی پڑی ہے جس کو جنتر کہتے ہیں اب اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا[۵۲]

خواجہ قطب الدین کاکی - اس مینار کے قریب جو باپوڑ سے جمنا کی جانب نظر آتا ہے خواجہ قطب الدین[۵۳] کاکی کا مزار ہے کہتے ہیں کہ شمس الدین ایک مسجد بنوا رہا تھا یہ اس کا ایک مینار ہے۔

---

۵۱ سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:-

"یہ حویلی بہت عمدہ اور نہایت بڑی آراستہ نہر جاری اور فوارہ اور اس حویلی کے پاس ایک حمام ہے اور ہر سال جاڑے میں گرم ہوتا ہے" آثار الصنادید باب سوم ص۲۹

۵۲ یہ رصد گاہ سوائی راجہ جے سنگھ والی جے پور نے محمد شاہ بادشاہ کے حکم سے ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء میں بنوائی تھی بڑے بڑے ہندو اور مسلمان ریاضی داں اس میں شریک تھے خوبی ان آلات کی دیکھنے سے علاقہ رکھتی تھی اکثر آلات رصد ٹوٹ گئے ۱۸۶۲ء تک چار آلات رصد باقی تھے سرسید احمد خاں بہادر نے لکھا ہے:-

"افسوس ہے کہ یہ آلات عالی جن کا ہونا مغتنمات سے تھا نہایت بے مرمت پڑے ہیں اور بہت جگہ سے شکستہ ہو گئے ہیں رصد خانے کے بدلے یہ جگہ براز خانہ ہو گیا ہے ہر ہر زاویہ اور ہر ہر تدویر اور درجہ اور دقیقہ میں نو نو من گوہ کا ڈھیر ہو گیا ہے ایسی عفونت یہاں تھی کہ نقشہ کھینچنے کو ٹھہرنا مشکل پڑا تھا"

(۱) آثار الصنادید باب اول ص۹ (۲) یادگار دہلی ص۲۱۷

۵۳ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے والد کا نام کمال الدین تھا ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے حضرت خواجہ کاکی، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے اکابر خلفا میں سے تھے خواجہ قطب الدین کاکی نے شمالی ہند میں چشتیہ سلسلہ پھیلانے میں بہت سعی فرمائی اور انہوں نے عہد التمش میں دہلی آکر ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ حضرت خواجہ کاکی کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء میں ہوا مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

(۱) تاریخ مشائخ چشت ص۱۳۷، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲ (۲) خزینۃ الاصفیا جلد اول ص۲۶۵-۲۸۶ (۳) اخبار الاخیار ص۱۵-۳۷ (۴) آثار الصنادید ص۴۵-۴۶

(۵) دلیل العارفین - خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) (۶) سیر العارفین ص۲۱-۳۱ (۷) سفینۃ الاولیا ص۴۸-۵۷

حوضِ شمسی - ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کو حوضِ شمسی کہتے تالاب کے اندر ایک چھوٹا - مکان ہے جس کی چھت گول ہے کہتے ہیں کہ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں وضو کیا ہے اور صبح کو اس مقام پر نئی گھاس جمی ہوئی پائی تعمیر میں وہ جگہ چھوڑ دی ہے کاش اگر مقام کو اپنا دل اور وضو کو اس کی طہارت کا حکم سمجھ کر دل کی تعمیر کی کوشش کرتا تو اس کی بنیاد پائدار ہوتی لیکن بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک اسی تصنع اور بناوٹ کو صحیح سمجھتا ہے اور عالم ارواح کے تخت نشینوں کو بھی اس خاکدان کی اشیاء کا نیاز مند خیال کرتا ہے[1]

کیلی - دھات کا ایک ستون ہے جس کا حلقہ دو ہاتھ سے کچھ کم ہوگا اس کو کیلی کہتے ہیں اس کی اصلیت کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں کوئی کہتا ہے کہ یہ اس مسجد کے دائرہ ہندی (دھوپ گھڑی) کی کیلی ہے جس کے مینار بہت بلند تھے مگر وہ مخروطی نہیں ہے دوسرے لوگ تواریخ ہنود سے نقل کرتے ہیں کہ راجہ پرتھی راج نے برہمنوں سے کہا تھا کہ کوئی ایسا جادو کرو کہ ہمارے خاندان سے سلطنت نہ جائے انھوں نے کہا کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اگر

---

[1] سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں :-

"یہ حوض بھی عجائب روزگار سے تھا اس واسطے حوض شمسی کر کے مشہور ہے کسی زمانہ میں یہ حوض تمام سنگ سرخ سے بنا ہوا تھا اب (۱۸۴۷ء) دیواریں اور پتھر بالکل اُکھڑ گئے ہیں اور تالاب کی سی صورت رہ گئی ہے اسی واسطے اس حوض کو لوگ قطب صاحب کا تالاب کہنے لگے اور بعضے تالاب شمسی کہتے ہیں اسی تالاب میں سے جھرنے میں پانی جاتا ہے اور اسی کا پانی تغلق آباد کے قلعہ کی خندق میں گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اتنا بڑا حوض شاید روئے زمین پر نہ ہوگا اب بھی یہ تالاب دو سو چھیتر (۲۷۶) بیگہ ۸ بسوہ پختہ ہے"

سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے دور حکومت میں اس حوض کی مرمت کرائی اور پانی آنے کے راستے صاف کرائے۔ تقریباً ۱۸۹۵ء میں ڈپٹی کمشنر ڈیوس نے اس حوض کو کسی قدر صاف کرایا تھا جس میں کچھ پانی جمع ہونے لگا تھا مگر بعد کو پھر یہ تالاب پٹ گیا۔

(۱) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۷۷ - ۷۸

(۲) یادگار دہلی صفحہ ۲۳۹

(۳) فتوحات فیروز شاہی (علی گڑھ اڈیشن) صفحہ ۱۵

اس وقت اس سانپ کے سر میں جس کے اوپر تمام زمین ہے ایسی کیلی ٹھونک دیں کہ وہ ہل نہ سکے تو یقیناً تیرے خاندان سے سلطنت زائل نہ ہوگی راجہ نے اس کے بنانے کا حکم دیا، کیلی بنائی گئی اور ٹھونکی گئی راجہ نے کہا مجھے یقین نہیں آتا اس کو نکالو ہر چندان لوگوں نے کہا کہ پھر یہ گھڑی ہاتھ نہ آئے گی راجہ نے اصرار کیا کیلی کو نکالا گیا دیکھا کہ خون آلود ہے افسوس ہوا، اس کے جائے وقوع کا پتہ لوگ وہاں تک بتاتے ہیں جہاں کیل اُکھڑی محلہ آباد ہے پھر وہاں سے دوسری جگہ لے جا کر اس کو نصب کیا گیا ہے۔

یہ بھی عجیب کہانی ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک ساری زمین سانپ پر ہے یہ میخ یا تو قطر زمین سے زیادہ ہوگی یا وتر سے جو لمبائی میں قطر سے کچھ ہی فرق رکھتا ہے اور میخ کی چوڑائی کا طول چین سے دیار مغرب تک پھیلا ہوا ہوگا۔ نیز برہمنوں نے اس کام کی کیونکر جرأت کی جبکہ بھاگوت کے بارھویں اسکندہ میں جو ان کے نزدیک آسمانی کتاب ہے سلطنت دہلی کا قوم ہنود سے دوسری قوموں میں منتقل ہونا مذکور ہے نیز راجہ جنمی جی کے قصہ کے مطابق جو سانپوں کو مارتا تھا کلجگ کے زمانے میں جادو کا اثر نہیں رہا کیونکہ کہتے ہیں کہ مہادیو نے جادو کے تمام الفاظ کو ایسا منتشر کر دیا کہ پھر کوئی درست کر ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جنگ کے ہتھیاروں میں کا ایک ہتھیار ہے جو دریودھن اور جدھشٹر میں کروکشیتر کے میدان میں ہوئی تھی اس کو کسی نے لا کر یہاں کھڑا کر دیا ہے ان لوگوں کی بعید از خیال طاقت سے قطع نظر کرکے کہ ایسی مستبعد باتیں ہر فریق کی تاریخوں میں ہیں ایک بات اور غور طلب ہے کہ مسلمان سلاطین ہندوؤں کے بیکار ہتھیار کو کیوں ایستادہ کراتے اور اگر ہنود نصب کراتے تو اس کی پوجا لازمی ہوتی اور اگر مسلمانوں کے خوف سے پوجا کچھ عرصے تک چھوڑے رہے ہوتے تو ضعف سلطنت کے زمانے میں ضرور رواج دے لیتے[1]

---

[1] سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں "۔ اس لاٹ کا کچھ حال تحقیق نہیں ہوتا کہ یہ کیا چیز ہے اور کس کے وقت کی بنی ہوئی ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت قدیم ہے اس واسطے کہ اس پر اگلے حرفوں اور اگلی زبان میں کچھ عبارت کندہ ہے کہ وہ

بسنت ۔ اس دار السلطنت اسلام (دہلی) میں بہت سی بدعتیں رائج ہیں جن میں ایک رسم بسنت بھی ہے۔ جو ہندوؤں کا بڑا دن ہے طرفہ تر یہ تھے کہ اس بیہودہ عمل کا زیادہ تر اہتمام صلحا کی قبروں اور مشائخ کی محفلوں میں ہوتا ہے ہندوؤں میں اس کی تعظیم اس قدر نہیں ہوتی جتنی کہ شہر کے مشائخ میں ہوتی ہے جب گلدستوں کو مطرب لاتے ہیں تو سب بزرگ استقبال کرتے ہیں اور مجلس سماع و وجد گرم ہوتی ہے یہ تو معلوم نہیں کہ اس کی ابتدا کتنی مدت سے ہوئی مگر رقعات عالمگیری میں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بیٹے کو اس معاملہ میں ہدایت کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں صلحا میں چنداں شورش نہ تھی [۱]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پڑھنے میں نہیں آتی ...... یہ لاٹ عجائب روزگار ہے سرے پاؤں تک ایک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اس کو دیکھ کر آدمی کی عقل حیران ہوتی ہے کیونکر بنی ہوگی اور کس طرح کھڑی کی گئی ہوگی جبکہ میں نے اس مقام کا نقشہ کھینچا تو اس لاٹ کو بھی ناپا فٹ سے بھی اور اصطرلاب کے عمل سے بھی کل اونچائی اس کی بائیس فٹ چھ انچ کی نکلی اور جڑ کی موٹائی پانچ فٹ ۲ انچ کی مدور معلوم ہوئی"۔

(۱) آثار الصنادید باب اول ص ۵۹-۶۱

[۱] ۱۱۵۱ھ یا ۱۷۳۸ء میں درگاہ قلی خاں نے دہلی میں بسنت کی جو کیفیت دیکھی ہے اس کو مرقع دہلی میں تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ بسنت کے پہلے روز قدم شریف میں اجتماع کی حالت یوں لکھی ہے :۔

"عجب ہنگامہ صبح آں روز جمیع سکنۂ شہر بتقطیع و تزئین پرداختہ در راستہائے آں بہارستان فیض برنگینی خیابان دو طرفہ روش ملون گستردہ و بآرائش اماکن جلوہ گری شوند و در حوالی صحن آں سعادت کدہ بریکدگر سبقت جستہ بساط تفرج و انبساط می گسترند و چشم براہ قوالان و مجرائیان و زائراں می باشند و انتظار می کنند کہ دریں صحن در صحن قوالان و نغمہ سرایان شہر بتجمل تمام و تزئین ما کلام اقسام گلدستہ ہا ترتیب دادہ و ریاحین متنوعہ را در کوزہ ہا گذاشتہ جہت نیاز روح مقدس سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت بکمال خضوع و خشوع در ہر قدم زمزمہ سنجان و در ہر خطوطیین ترانہ طرازاں بہ تانی ہرچہ تمام تر رہ نوردی می شوند"

دوسرے روز یہ اجتماع درگاہ خواجہ قطب الدین کاکی کی درگاہ میں اور درگاہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی میں روز سوم درگاہ سلطان المشائخ میں روز چہارم درگاہ حضرت شاہ حسن رسول نما میں روز پنجم درگاہ حضرت شاہ ترکمان میں ہوتا ہے اختتام یوں ہوتا ہے :۔

"شب ہفتم ایں ماہ ارباب رقص بہیئت مجموعی بر قبر عزیزی کہ در آمدی پورہ مدفون است حاضر گشتہ قبرش را بشراب ناب می شویند و ہمہ شب بے اہتمام محتسب مرتبہ بمرتبہ برقص و سرور پرداختہ صدہا ایں حرکات را ذریعہ ترویج روحش میدانند قوالان ہم

رسم حنابندی۔ دوسری رسم مردوں کی حنابندی ہے یہ نئی بدعت ہے مذہب امامیہ کے جہلاء اور عوام کا عمل اس کا ماخذ ہو گا کیونکہ یہ لوگ عشرۂ محرم کے دنوں میں ساتویں تاریخ کو قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ سے حنابندی منسوب کرتے ہیں فریقین کے علماء اس رسم سے بیزار ہیں۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) جستہ جستہ فراہم می آیند مجلس رنگینی می شود مردم حسین در آنجا وارد می شوند طرفہ خلوتے دست بہم می دہد و عجب صحبتے میسر می آید غرض باین تقریب تا شش روز تماشائیاں عشرت پرست و نظارگیاں سبک سیر جا بلبت در دا انبساط می دہند و ذخیرہ احتظاظ برائے یک سال در یک ہفتہ می اندوزند"

چشتیہ سلسلے کے مشائخ خاص طور سے بسنت کو اہمیت دیتے ہیں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی لکھتے ہیں:۔

"ناز وادا سے جھومنا خواجہ کی چوکھٹ چومنا — دیکھو نیاز اس رنگ کیسی سہائی ہے بسنت"

شاہ دلدار علی مذاق بدایونی لکھتے ہیں:۔

بسنت آنے کی عنی کچھ بھی خبر اے غنچۂ دل تجھ کو — جو سرسوں پھولی آنکھوں میں تو یہ جانا بسنت آیا
بنے سلطان محبوب الٰہی جیب زری زر بخش — در دولت پہ رانگے بن کے شاہانہ بسنت آیا
شہ خوباں بہ رنگیں اور رنگیں نوا خسرو — شہانہ راگ رنگیں مطربو! گانا بسنت آیا
مذاقِ صاف دل کو رنگ لے اپنے رنگ میں جامی
رنگیلے بانکے فخر الدین مولانا بسنت آیا

(۱) مرقع دہلی صفحہ ۳۰ — ۳۲

(۲) دیوان نیاز از شاہ نیاز احمد بریلوی صفحہ ۸۲ (مطبع نامی لکھنؤ سنہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء)

(۳) کلام دلدار علی مذاق از دلدار علی مذاق بدایونی صفحہ ۲۵۰ — ۲۵۱ (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء)

(۴) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک صفحہ ۴۲۸ - ۴۳۲ - مرتبہ صلاح الدین عبدالرحمٰن (دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء)

باب پنجم

علمائے دہلی:- اب اس شہر کے وہ اہل کمال گنتا ہوں جو بندہ کے زمانے میں موجود تھے۔

مولانا شاہ عبد العزیز:- خلیفہ حقیقی و پسر جناب شاہ ولی اللہ محدث ہیں، ہر زبان، اردو، فارسی، ایرانی، تورانی، دہلی کی مختصر زبانی اور عربی میں ایسا خوش بیان میں نے بہت کم دیکھا ہے، شاہ صاحب کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ دہلی کی فارسی عبارت میں ہے، کیونکہ اسی ملک والوں کے لئے تصنیف کی ہے اور لفظ تعینانی بھی جو اس میں بجواب استدلال بحدیث جہز[1] جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ واقع ہوا ہے اسی پر مبنی ہے[1]، عربی عبارت عمدہ لکھتے تھے، عربی میں ان کے قصائد اور اشعار بھی ہیں۔

شیخ احمد شروانی یمنی نے ان کے مکتوب فقرات کو دوسرے کا مسروقہ کلام لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دیکھا نہ تھا[2]۔ شاہ عبد العزیز صاحب بینائی جاتے رہنے کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتے

---

[1] ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبد العزیز (اردو ترجمہ از مولوی سعد حسن خان یوسفی) ص ۳۱۷، ۳۲۰ - ۳۲۰ (کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۹۵۶ء)

[2] شیخ احمد شروانی کی مشہور کتاب نفحۃ الیمن فیما یزول بذکرہ الشجن ہے، جو اکثر مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے، اس کے علاوہ مناقب حیدریہ، شمس الاقبال اور انشائے عجب العجاب بھی اس کی تالیفات ہیں، مناقب حیدریہ پر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی نے تقریظ ارقام فرمائی ہے، اس تقریظ کو سر سید احمد خان بہادر نے آثار الصنادید میں نقل کیا ہے (باب چہارم ۴، ۴۱ ۴۲) جس سے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور شیخ احمد شروانی کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے، شیخ احمد شروانی نے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی سے ملاقات سے پہلے اپنی کتاب "حدیقۃ الافراح" میں ایسا خیال ظاہر کیا ہے، مگر معلوم ایسا ہوتا کہ حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کے بعد اس نے اپنی رائے بدل دی اور اپنی کتاب مناقب حیدریہ پر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی سے تقریظ بھی لکھوائی۔ ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند ص ۱۹۳ (۲) دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۰۸

تھے، دوسرے کو بلا تامل املا فرماتے تھے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص قلم برداشتہ خط لکھتا ہو اور اس میں ایسا فقرہ نکل آئے کہ بعینہٖ تذکرہ آتش کدہ لطف علی خان آذر میں ہو یا فی البدیہہ کوئی قصیدہ کہے اور اس کا کوئی مصرعہ کسی غیر مشہور امام کے دیوان میں مل جائے جو ہندوستان میں بہت کم دستیاب ہوتا ہو، تو یہ صریح توارد ہے نہ کہ سرقۂ قبیحہ، شاید شیخ احمد شروانی نے خود کو ہندوستانیوں کا عیب جو سمجھ رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ملک ہند اسی لائق ہے کو دوسرے ملک والوں کے غیر منصفانہ ہاتھوں سے اس پر طرح طرح کے مصائب وارد ہوں کیونکہ اس سرزمین میں باہر کے لوگوں کی اس قدر تعظیم کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، یہ کام اکیلے بیچارے شیخ ہی نے نہیں کیا بلکہ بعض، دوسرے کم حیثیت لوگ بھی دلی اور لکھنؤ کی اردو پر عیب لگاتے ہیں اور یہ کی جمع یے اور وہ کی جمع وے بناتے ہیں، نیز بے حیائی سے زبان دانوں کے استاد بننا چاہتے ہیں اور سند میں کسی ایسے شخص کی تحریر پیش کرتے ہیں جو اس ملک کا باشندہ نہ ہو، یہ نہیں سمجھتے کہ اگر اس ملک کا کوئی شخص ملک فرنگ میں جائے اور ایک ایسے انگریزی لفظ پر جس کو وہاں کے لوگ غلط سمجھتے ہوں صحت کی سند میں نواب شمس الدولہ کی لغت کی کتاب پیش کرے[1] تو بالآخر اس کو دیوانوں کے شفاخانہ میں بھیجنے کے سوا اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔

مولانا شاہ عبد العزیز[2] علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جر ثقیل، طبعیات، الٰہیات، منطق، مناظرہ، اتفاق، اختلاف، ملل، نحل، قیاس، تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے، فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے، خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو، اور متکلمین سے فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کر دیتے تھے چاہے وہ کسی کی رائے کے موافق ہو یا نہ ہو، کتاب تحفہ اثناء عشریہ میں وہ طریقہ اختیار نہیں کیا ہے جو تمام فرقوں کے علماء کا اکثر دستور ہے، اگرچہ اس کتاب کا موضوع مباحثہ ہے۔

---

[1] نواب شمس الدولہ کے حالات کے لئے ملاحظہ باب دوم ص ۱۳۳

[2] حضرت عبد العزیز محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزند اکبر تھے۔ ولادت بمقام دہلی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں ہوئی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بلکہ اس میں اشاعرہ کی وکالت کرتے ہوئے عینیت صفات کی بحث میں اس کتاب میں اشعری کا قول مانا ہے اور اپنے رسالہ میں جو عقائد میں لکھا ہے، عینیت صفات کا حکم دیا ہے، جیسا کہ محقق طوسی۔ شرح اشارات میں شیخ بو علی کا وکیل ہے اور رسالہ او صاف الاشراف اور آغاز و انجام میں جنید اور شبلی کا نائب اور اخلاق ناصری میں یونانیوں کا طابع اور تجرید میں اپنے عقیدہ پر ہے۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) تاریخی نام غلام حلیم ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے وقت ان کی عمر قریب ۱۷ سال کے تھی تمام علوم ظاہر و باطن اپنے والد ماجد سے حاصل کئے بعض کتب حدیث کی سند اپنے والد کے اجل تلامذہ شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے لی، علم فقہ اپنے خسر مولوی نور اللہ سے حاصل کیا، جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب علم و حلم و زہد و ورع و تقویٰ تھے، دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علم حاصل کر کے دین کی خدمت کرتے، آپ مرجع علماء و مشائخ تھے، تمام علوم متداولہ، فنون عقلیہ نقلیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، حافظہ نہایت قوی تھا، تمام عمر دین و سنت کی خدمت میں صرف کر دی، ہمیشہ درس و تدریس افتاء، فصل خصومات، وعظ و پند، تلامذہ کی تربیت و تکمیل میں صرف کر دی، نجف خان کے زمانہ میں اس کی سخت گیر پالیسی کی وجہ سے شاہ صاحب کو ایذا پہنچی، یہاں تک کہ شہر سے نکالا گیا، مگر حضرت نے اصلاح و تبلیغ کا کام برابر جاری رکھا، شاہ عبدالعزیز کی تصنیفات سے تفسیر عزیزی دو سورۂ بقر پارہ تبارک الذی، پارہ عم، تحفہ اثنا عشریہ، بستان المحدثین، سر الشہادتین، فتاوی عزیزی دو جلد، تحقیق الرویا، میزان البلاغۃ، سر الشہادتین، عزیز الاقتباس، رسالہ بلاغت، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، عجالہ نافعہ اور وسیلۂ نجات مشہور ہیں، ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) میں انتقال ہوا۔

قطعہ تاریخ از حکیم مومن خاں مومن دہلوی

انتخاب نسخۂ دیں مولوی عبدالعزیز ⁂ بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے بدل
جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے ⁂ آ گیا تھا کیا کہیں مرفوق ایمان میں خلل
ہے ستم اے چرخ ڈھونڈ کس کو یہاں سے لے گیا ⁂ کیا کیا ظلم تو نے نیکوں پہ اے اجل
جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا ⁂ فتنہ تھا خاک پر ہر قدسی گرد و لا محل

کیا کسی دنا کس پہ تقاضائے قضا محو دفن ⁂ وا اتقا تھا خاک سر پہ ہر عزیز و مبتذل
مجلس دود قرین تعزیت میں بھی تعطل ⁂ جب یہ نکلی تاریخ مومن نے کہا آگہ بے بدل
دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل
۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء)

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

(۱) مجموعہ حالات عزیزی از ظہیر الدین احمد ولی اللٰہی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی رفیع الدین :۔ مولوی رفیع الدین جامع الکمالات تھے، لیکن فنون ریاضیہ کی تعلیم کی طرف زیادہ متوجہ تھے، ان کا حافظہ ان کے ذہن تاباں سے بڑھا ہوا تھا، بخلاف مولانا شاہ عبدالعزیز کے کہ ان کے ذہن کی براقی ان کے عدیم النظیر حافظہ پر بدرجہا فوقیت رکھتی تھی [1]

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ)(۲) تذکرہ عزیزیہ مرتبہ قاضی بشیرالدین احمد میرٹھی (مجتبائی پریس میرٹھ ۱۹۳۴ء)

(۳) کمالات عزیزی از نواب مبارک علی خاں (مطبع ضیائی میرٹھ، ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)

(۴) تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۳۰۴۔ ۳۱۴

(۵) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۷۱۔ ۱۷۵

(۶) آثار الصنادید ص ۲۹۔ ۴۲

(۷) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۲

(۸) حدائق حنفیہ ص ۴۷۰

(۹) تفسیر عزیزی معروف بہ وعظ عزیزی مرتبہ محمد امام الدین حنفی (مطبع انصاری دہلی)

(۱۰) وسیلۃ النجات از شاہ عبدالعزیز اردو ترجمہ موسوم بہ احسن النجات از مولوی محمد احسن نگرامی (مطبع نظامی دہلی ۱۹۱۰ء)

(۱۱) تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی از شاہ عبدالعزیز دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی)

(۱۲) عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)

(۱۳) تحقیق الرؤیا از شاہ عبدالعزیز دہلوی (مطبع جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء)

(۱۴) بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز دہلوی (اردو ترجمہ مولوی سمیع الدین دیوبندی) کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۱۵) الیانع الجنی ص ۷۳۔ ۷۵ (۱۶) اخبار رنگین از سعادت یار خاں رنگین، ورق ص ۱۲، ۱۵، ۲۶ (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۷) ملفوظات مولانا شاہ عبدالعزیز .... (۱۸) تراجم علمائے اہل حدیث جلد اول از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ص ۴۹۔ ۶۲ (جید برقی پریس ۱۹۳۸ء)

(۱۹) تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۰۳۔ ۲۱۲ (۲۰) علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم از مولانا محمد میاں ص ۴۲، ۵۲ (الجمعیۃ پریس دہلی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء)

[1] شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے، تحصیل علم اور سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ سے لی جب حضرت شاہ عبدالعزیز کی کبر سنی اور کثرت امراض کے سبب سے طلباء کی تعلیم میں ہرج واقع ہوا تو شاہ رفیع الدین نے طلباء کو اپنے ذمہ لیا، دیار و امصار سے طلباء حاضر خدمت ہوتے اور فیض حاصل کرکے اپنے اپنے وطن واپس لوٹتے سر سید احمد خاں لکھتے ہیں "جو دیار ہندوستان کے جمیع فضلائے نامی انہیں حضرت فیض موہبت کے مستفیضوں میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی عبد القادر:۔ تینوں بھائیوں میں کمال رکھتے تھے، تمام فنون سے واقف لیکن تفسیر اور حدیث کی خدمت ان کا معمول تھا، اکبر آبادی بیگم کی مسجد میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، اپنے اور پرائے یکساں سلوک کرتے تھے، پہلے ان بزرگوار کو حکم اجل پہنچا، ان کے بعد مولوی رفیع الدین جو تمام خاندان میں قوی المزاج تھے اچانک ہیضہ میں راہی ملک عدم ہوئے اور مولانا عبد العزیز باوجودیکہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا رہتے تھے لیکن سب سے بعد انہوں نے اس سرائے قدیم کو چھوڑا، خدا ان تینوں بزرگواروں کو ان کے مشائخ عظام کے پاس پہنچائے اور ان کے متبعین حشر میں ان کے ساتھ ہوں (آمین)۔[1]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) سے ہیں، ہر فن کے ساتھ اس طرح کی مناسبت تھی کہ ایک وقت میں فنون متقابلہ اور علوم مختلف کا درس فرماتے تھے، جب ایک کی تعلیم سے دوسرے کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے، حضار خدمت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی فن میں جامہ یکتائی ان کے قامت استعداد پر قطع ہوا ہے، باوجود ان کمالات کے افاضۂ فیض باطن کا یہ حال تھا کہ جنید بغدادی اور حسن بصری کہ اگر ان کے وقت میں ہوتے تو بے شک و ریب اس میں اپنے تئیں کمترین مستفیدان تصور کرتے۔ سن انتقال میں اختلاف ہے، مولف تذکرہ علمائے ہند نے ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء مؤلف حدائق حنفیہ نے ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء اور مولف واقعات دار الحکومت دہلی نے ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء لکھا ہے، قرآن شریف کا اردو تحت اللفظ ترجمہ مقبول خاص و عام ہے، قیامت نامہ فارسی، مقدمۃ العلم، رسالہ عروض، کتاب التکمیل، رسالہ دمغ الباطل، اسرار المحبۃ بھی شاہ رفیع الدین کی تصنیفات سے ہیں، شاہ صاحب شعر بھی کہتے تھے، نمونہ کلام آثار الصنادید میں درج ہے۔ ان میں اکثر رسالے قلمی صورت میں کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۵۲۔۵۳ (۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۶۶

(۳) حدائق حنفیہ ص ۱۰۳ (۴) یادگار دہلی ص ۱۰۳

(۵) واقعات دار الحکومت دہلی ص ۵۸۸ (۶) الیانع الجنی ص ۷۵۔۷۶

(۷) قیامت نامہ فارسی از شاہ رفیع الدین دہلوی (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۸) تراجم علمائے اہل حدیث ص ۶۵۔۶۶

[1] شاہ عبد القادر بن حضرت شاہ ولی اللہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے، عالم، فاضل، متقی پرہیزگار، مستغنی المزاج اور متوکل تھے: تحصیل علم سے فراغت پا کر اکبر آبادی مسجد کے حجرہ میں ساری عمر بسر کردی، رات دن ذکر اللہ میں

بقیہ اگلے صفحہ پر

شاہ محمد اسمٰعیل:۔ دادا اور چچاؤں کی یادگار مولوی محمد اسمٰعیل ہیں جو ذہن کی جودت اور قوت توجیہہ میں بے مثل ہیں خدا ان کا نگہبان رہے[1]

(بسلسلہ گذشتہ) مشغول رہتے، اہل دنیا کی طرف مطلق التفات نہ فرماتے، قرآن شریف کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر موضح القرآن دو نایاب چیزیں آپ کی یادگار ہیں، ترجمہ قرآن نہایت بلیغ اور بہت مقبول ہے، سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:۔

بارہا ثقات کی زبان سے سنا گیا ہے کہ جس امر میں کچھ فرمایا ویسا ہی بے کم و کاست ظہور میں آیا، باوجود اس کے کہ بسبب کثرت اخلاق کے کسی کے حق میں کچھ ارشاد نہ کرتے اور کسی کو نہ فرماتے کہ ادھر بیٹھ یا ادھر، لیکن من جانب اللہ لوگوں کے دل میں آپ کا ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ رؤسائے شہر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے بہ سبب ادب کے حد و حد خاموش بیٹھتے اور بدوں آپ کی تحریک کے مجال سخن نہ پاتے اور ایک دو بات کے سوا یارانہ دیکھتے کہ کچھ اور کلام کریں، کرامات حضرت بحد تواتر پہنچ گئی ہیں، اگر ان کا بیان کیا جاوے کتاب میں گنجائش نہیں سے مردان خدا خدا نباشند ؛ لیکن ز خدا جدا نباشند۔

۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں شاہ عبد القادر کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو:۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۵۵
(۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۸۸ - ۵۸۹
(۳) یادگار دہلی ص ۱۰۳ - ۱۰۴
(۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۹
(۵) حیات ولی ص ۳۴۹ - ۳۵۲
(۶) تراجم الفضلاء ص ۱۷
(۷) حدائق حنفیہ ص ۴۷۱
(۸) تراجم علمائے اہل حدیث ص ۶۴
(۹) ابجد العلوم ص ۹۱۵

[1] شاہ محمد اسمٰعیل ابن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء کو پیدا ہوئے نہایت ذہین وطباع اور حاضر دماغ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی والد کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے تعلیم و تربیت فرمائی علم حدیث کی تحصیل حضرت شاہ عبد العزیز سے فرمائی اور پندرہ سولہ سال کی عمر تحصیل علم سے فارغ حاصل کرلیا، حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے دین اسلام کی بڑی خدمت کی اس میں مراسم شرک و بدعات کا جو رواج ہوگیا تھا، اس کا خوب رد کیا سنت کی تبلیغ اور بدعت کا رد آپ کا مقصد حیات تھا، اس سلسلے میں جامع مسجد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی رشید الدین خاں:- ان سب بزرگوں کے شاگرد رشید الدین خاں تھے اگرچہ اتنے تیز فہم نہ تھے مگر تعلیم و تعلم کی خوب مشق تھی، ہر بات میں اساتذہ کی پیروی کرتے تھے مگر مناظرہ میں بہت جلد رنجیدہ ہو جاتے تھے، نمائش کے بہت زیادہ پابند تھے ہر فن کی بہت کچھ معلومات رکھتے تھے، جو کچھ لکھتے بسط و تفصیل سے اور جو کچھ کہتے دراز و طویل، بالخصوص مباحثہ اختلافیہ دینیہ میں یہی طریقہ تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ اب مقابل میں رد و قدح کی گنجائش نہیں رہی بندہ (مولوی عبد القادر) سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ ان سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ بندہ کو اجمیر سے واپسی نصیب ہوئی (سنہ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء) مسئلہ متعہ کے متعلق لکھنؤ کے شیعہ علماء کے جواب میں جو کتاب لکھ رہے تھے اس کا مقدمہ تین جزو ہو گیا تھا اور ابھی پورا نہیں ہوا تھا، مجھے کتاب دکھا کر کہا کہ جب یہ کتاب اس شرح و بسط کے ساتھ جو میں چاہتا ہوں پوری ہو جائے گی، اور لکھنؤ پہنچے گی تو وہاں کے علماء اس کے جواب کی فکر میں مر جائیں گے اور گریبان سے سر نہ اٹھا سکیں گے میں (مولوی عبد القادر) نے کہا کہ جناب اس کا نام "لوح محفوظ" رکھیں کہ اسم بامسمی ہو جائے گا۔ اب اس شہر میں ان جیسا دوسرا نہیں ہے اور وہ بھی غالباً سنہ ۱۲[illegible]ھ یا ۱۲۴۱ھ میں اس دار پر شور و شغب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) دہلی میں سہ شنبہ اور جمعہ کو وعظ فرماتے تھے: حضرت سید احمد بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی، حج بیت اللہ کو گئے، پھر شمالی ہندوستان کا دورہ کیا، پنجاب میں سکھوں نے مسلمانوں کی زندگیوں کو تلخ کر دیا تھا، ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے، مذہب کی آزادی بالکل سلب کر لی تھی، شاہ محمد اسمٰعیل شہید نے حضرت سید احمد شہید کی امارت میں سکھوں سے جہاد کیا اور بالاکوٹ کے میدان میں سنہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہید ہوئے، شاہ محمد اسمٰعیل کی تصنیفات سے تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تنویر العینین، ایضاح الحق، منصب امامت، رسالہ یک روزی وغیرہ مشہور ہیں۔

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

(۱) حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی (اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور) (۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۹

(۳) آثار الصنادید باب چہارم ص ۵۵-۵۹ (۴) ابجد العلوم ص ۹۱۶

(۵) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین از نواب صدیق حسن خان ص ۴۱۶ (مطبوعہ مطبع نظامی سنہ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء کانپور)

(۶) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۲۱۰-۲۱۲ (۷) حیات ولی ص ۳۵۲-۳۵۹

سے اپنے باکمال اساتذہ کے پاس چلے گئے[۱]

مولوی رشید الدین خان اور مولوی محمد اسمٰعیل نیز مولوی عبد الحی سے مجلس وعظ جامع مسجد شاہجہان آباد میں جو صورت پیش آئی نہ ان کی شریف وضع کے شایان تھی نہ اس خاندان سے علاقہ رکھنے والوں کے لئے زیبا تھی[۲]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (۸) تقویۃ الایمان از شاہ محمد اسماعیل دہلوی (قلمی، مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۹) صراط مستقیم از شاہ محمد اسماعیل دہلوی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی لاہور ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)

(۱۰) موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۳۴۴، ۳۷ فیروز سنز کراچی۔ (۱۱) تراجم علمائے اہل حدیث ۳، ۶۷ ۔ ۶۸

(۱۲) ابجد العلوم ص ۹۱۶

[۱] اس کتاب کا نام شوکت عمریہ بجواب بارقہ ضیغمیہ ہے اس کتاب کا ایک مخطوطہ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (شیفتہ کلیکشن) میں ہے جس کا نمبر ۱۱۱ ہے۔ فہرست کتب (شیفتہ کلیکشن) مرتبہ مولانا ابو بکر محمد شیث جونپوری ص ۲۲ (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۳۲ء)

[۲] مولوی رشید الدین خاں کشمیری الاصل اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے رشتہ دار تھے، شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین سے تمام علوم کی تحصیل کی، علم ہیئت و ہندسہ میں کمال حاصل تھا، روافض کے رد میں اکثر رسالے لکھے، دہلی کالج میں مسند درس کو زینت بخشی، عمر تقریب ستر برس کے ہوئی، مولوی رشید الدین خاں اور شیخ احمد شروانی صاحب نفحۃ الیمن کے عربی خطوط کا ایک مختصر مجموعہ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں المکاتیب کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ سرسید احمد خاں بہادر نے ۱۸۴۷ء میں آثار الصنادید کو مرتب کیا اور اس میں تحریر کیا کہ عرصہ تیرہ چودہ برس کا گزرتا ہے کہ مولانا رشید الدین کا انتقال ہوا اس طرح ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء نکلتے ہیں، تذکرہ علمائے ہند وغیرہ سے بھی یہی سال وفات لکھا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے:

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۵۱، ۵۲
(۲) تذکرہ اہل دہلی ص ۷۰ ۔ ۷۲
(۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۳۰۹ ۔ ۳۱۰
(۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۶۳
(۵) ابجد العلوم ص ۹۱۷
(۶) المکاتیب (مجموعہ خطوط مولوی رشید الدین خان اور شیخ احمد شروانی) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)

[۳] شاہ محمد اسماعیل شہید نے اگر ایک طرف رد بدعت و شرک میں گرمجوشی سے حصہ لیا تو دوسرے طرف نئے مسائل بالجہر آمین۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مرزا حسن علی لکھنوی:۔ مرزا حسن علی لکھنوی نے جو سفر حج بھی کر چکے ہیں اور کلکتہ میں مخلوق کو وعظ و تذکیر سے نفع پہنچایا ہے، کچھ عرصے باندہ میں بھی بزم ارشاد آراستہ کی ہے، جو کچھ بھی ہیں سلسلہ عزیزیہ میں بس رہی ہیں، ان کا دل و دماغ ملفوظات عزیزیہ و رفیعیہ کی بیاض سمجھنا چاہئے، اس زمانہ میں ایسے بزرگوار کا وجود غنیمت ہے[1]

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) قرأۃ خلف امام، امکان نظیر و امتناع نظیر کے مسائل کو رواج دیا، ان مسائل سے دہلی کے عوام و خواص میں اختلاف پیدا ہوا۔ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جامع مسجد دہلی میں ان مسائل کے موافقین و مخالفین کے درمیان ایک مباحثہ منعقد ہوا، جس میں فریق اول کے سرگروہ مولوی عبدالحئی اور شاہ محمد اسمٰعیل فریق دوم کے قائد مولوی رشید الدین خاں اور مولوی مخصوص اللہ و مولوی محمد موسٰی فرزندان شاہ رفیع الدین دہلوی تھے، اسی مباحثہ کی طرف مؤلف روزنامچہ مولوی عبد القادر نے اشارہ کیا ہے، اس مباحثہ کی پوری کیفیت مشتمل بر تحریرات ہر دو گروہ، مولوی برہان الدین ساکن دیوہ نے ایک رسالہ میں قلم بند کی ہے جو "رسالہ محاکمہ" کے نام سے مشہور ہے، اسی بحث کے سلسلہ میں تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین وغیرہ رسالے شائع ہوئے۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱-۳۲

(۲) انوار آفتاب صداقت جلد اول قاضی فضل احمد۔ پولیس پنشنر لدھیانہ ص ۵۱۳۔۵۱۴ و ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء

(۳) تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین (مجموعہ فتاوی علمائے دہلی و حرمین شریفین در جواز تقلید) مطبع سید الاخبار دہلی ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء

[1] مرزا حسن علی کا اصلی نام محمد، لقب جمال الدین اور عرف حسن علی والد کا نام عبد العلی تھا، درسی کتابیں ملا حیدر علی سندیلوی المتوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء سے پڑھیں پھر دہلی پہنچے، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر سے استفادہ کیا، علم حدیث حضرت شاہ عبد العزیز سے پڑھا، مرزا حسن علی نامور مدرس، بلند پایہ محدث، شیوہ بیان مقرر اور سحر طراز خطیب تھے، نہایت بااخلاق، متواضع، نیک طینت اور درویش صفت عالم تھے، جب سید احمد شہید لکھنؤ وارد ہوئے اور لوگوں کو جہاد کی دعوت دی تو مرزا حسن علی نے سید احمد شہید کی بڑی تعظیم و تکریم کی اپنے مکان پر دو مرتبہ دعوت کی اور چند چیزیں نذر کیں ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ مرزا صاحب کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، تشنگان علوم دور دور سے آتے اور ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر واپس جاتے مرزا صاحب کے نامور تلامذہ میں مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا اولاد حسن قنوجی، مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی، مفتی سعد اللہ مراد آبادی، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ۲۰ جنوری ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (۱) تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق (۲) رسالہ قوس و قزح (۳) برہان الخلافۃ (مجموعہ فتاوی)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی محبوب علی :۔ اس خاندان کے شاگردوں میں محبوب علی شاہجہاں آبادی ہیں ان کے والد سرکار بادشاہ دہلی کے قدیم متوسلوں میں سے ہیں ان کی توجہ زیادہ تر حدیث اور تفسیر پر ہے اور ان کی ہمت حتی المقدور علم کے مطابق عمل میں مصروف ہے، ہر معاملہ میں ذہن رسا اور فکر درست رکھتے ہیں، طرز مباحثہ اور طریق مناظرہ کو مختصر تقریر میں عمدہ ادا کر دیتے ہیں [۱]

بسلسلہ صفحہ گذشتہ) (۴) حاشیہ سنن ابی داؤد (۵) حاشیہ جامع الترمذی، مرزا حسن علی کی تصنیفات سے ہیں، اول الذکر دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے :۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷-۴۸

(۲) تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق (مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء)

(۳) الیانع الجنی ص ۷۷

(۴) ابجد العلوم ص ۹۱۷

(۵) اتحاف النبلاء ص ۱۵۲

(۶) معارف جلد ۷۸، شمارہ ۶ (دسمبر ۱۹۵۶ء) ص ۴۲۷-۴۴۲

[۱] مولانا محبوب علی ابن مصاحب علی بن حسن علی خاں سنہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، شاہ عبد العزیز کے ارشد تلامذہ سے تھے، سید احمد شہید سے بیعت کی تھی، سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں :۔

"علم حدیث و فقہ میں اقران و امثال سے بیش چھانیدہ و سفر کردہ تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ کی جناب مولوی شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہ العزیز کے خاندان رفیع الارکان سے کی ان فنون میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ مسائل جزئیہ مثل لوح محفوظ کے ان کے تختۂ حافظہ پر منقوش ہیں"

حضرت سید احمد شہید کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کے لئے یاغستان گئے، مگر وہاں کے شدائد و مصائب دیکھ کر نہ صرف گھبرا گئے بلکہ جہاد کے خلاف وعظ کہا اور مجاہدین کی صفوں میں انتشار پھیلایا، مولوی محبوب علی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی فتویٰ جہاد کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا، بلکہ بقول سر سید احمد خاں بہادر جنرل بخت خاں سے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے"

مولوی محبوب علی کا ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ اختصار الصیانۃ، صیانۃ الایمان اور رسالہ در بیان عدم جواز رفع سبابہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی فضل امام خیرآبادی:۔ اس شہر میں مولوی فضل امام خیرآبادی کی زیارت سے مستفید ہوا، جو مولوی عبدالواجد مرحوم کے شاگرد اور اپنے زمانے کے استاد تھے، ان کا تبحر فن معقول میں کیا لکھوں، فن منطق میں شیخ کی شفا کا خلاصہ انہوں نے کیا ہے، اس وقت دہلی میں مفتی عدالت تھے، قتل اور قصاص کا فتوٰی قلم برداشتہ جیسا چاہتے لکھ دیتے تھے، تمام مسائل کے جوابات کتاب الاشباہ والنظائر کی عبارت کے مطابق ہوتے تھے۔

ایک شخص کا مقدمہ قتل کے شبہ میں بعدالت دورہ بمقام گوہانہ ویلڈ صاحب کے زیر تجویز تھا کاغذات مثل کا خلاصہ یہ ہے کہ متہم، مقتول کو اپنے ساتھ گھر سے لے گیا اس کے بعد اس شخص کا پتہ نہیں چلتا، مگر ایک عرصہ کے بعد اس شخص کی ہڈیاں ایک گڑھے میں پائی گئیں جس کو متہم ایک روز جھانک رہا تھا، اس قتل سے پہلے ایک روز متہم ایک شخص سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو میرے ساتھ ہو جائے تو ایک شخص کو مار ڈالوں اور متہم نے اظہار میں محض قتل سے انکار کیا اور کہا کہ ایک شخص میرے بھائی کو مار کر دوسرے ملک میں چلا گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی میرا ساتھی ہو جائے تو میں اپنے بھائی کا قصاص خود لے لوں، کوئی میرا ساتھی نہ ہوا اور میرا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا میں اس ارادہ سے باز آ گیا، اور اس گڑھے میں اپنے بیلوں کی آنکھوں کی دوا جو فلاں جانور کی ہڈی ہے ڈھونڈ رہا تھا (بندہ (مولوی عبدالقادر) اس وقت جانور کا نام بھول گیا، لیکن اس کی ہڈی کو جلا کر بیلوں کی آنکھ میں لگاتے ہیں) اور نام بردہ (مقتول) نے میرا ساتھ دینے کے ارادہ سے قصد کیا کہ گاؤں میں چلے لیکن وہ میری مدد کے ارادہ سے پھر گیا اور اپنا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ان کی تصنیفات سے ہیں، یہ تینوں رسالے قلمی آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۱

(۲) یادگار دہلی ص ۹۲

(۳) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۲۴ - ۴۲۵ (۴) منتخب منتشر از سرسید احمد خاں ص ۳۱ - ۳۲ (مطبوعہ کیپٹل کو آپریٹو پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۴۴ء) (۵) اختصار الصیانۃ از مولوی محبوب علی (قلمی مخزونہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس لائبریری کراچی)

(۶) صیانۃ الایمان از مولوی محبوب علی (قلمی، مخزونہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس لائبریری کراچی)

رسالہ دربیان عدم جواز رفع یدین از مولوی محبوب علی (قلمی، مخزونہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس لائبریری کراچی)

راستہ لیا اور میں نے اپنا راستہ لیا۔
صاحب عدالت نے مثل فتوٰی کے لئے بھیجدی، جناب ممدوح (مولوی فضل امام خیرآبادی) نے قتل کا حکم دیدیا کہ اس نے قتل کا اقرار کیا ہے اور کتاب الاشباہ والنظائر کی یہ عبارت الحجۃ اما اقرار او بینۃ او قرینۃ قطعیۃ" تحریر کی، ولیدر صاحب نے پھر لکھا کہ اس نے دوسرے کے قتل کے ارادہ کا اقرار ضرور کیا ہے، لیکن مقتول کے قتل کا اقرار نہیں کیا اور گواہوں نے بھی قتل مقتول سے پہلے قتل مبہم کے ارادہ کے اقرار کی گواہی دی ہے نہ کہ قتل مقتول کے اقرار کی۔ ان دونوں صورتوں میں شرع شریف میں کوئی فرق ہے یا نہیں حسب عدالت نے اس پر حکم دیا کہ آخری حکم کے لئے روداد اور مجرم کو بڑے صاحب (رزیڈنٹ) کی عدالت میں دہلی بھیجا جائے، حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب (مولوی فضل امام خیرآبادی) فتوٰی پر اعتماد کامل اور مقدمہ کی حقیقت پر رائے صائب رکھتے تھے اس لئے مقتول کے ورثاء نے گم شدہ قاتل سے قصاص پالیا، خدا ان (مولوی فضل امام خیرآبادی) کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے [1]

---

[1] مولانا فضل امام ابن شیخ محمد ارشد ہرگامی فاروقی، خیرآباد وطن تھا، مولوی عبدالواجد کرمانی خیرآبادی کے ارشد تلامذہ سے تھے، علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل کرکے دہلی پہنچے، حکومت انگریزی کی جانب سے پہلے مفتی پھر صدرالصدور مقرر ہوئے، مولف تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں:۔

شاگرد رشید مولوی سید عبدالواجد خیرآبادی بمنصب صدر الصدوری شاہجہان آباد از سرکار انگریزی عزت و امتیاز داشت بر میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال حواشی نوشتہ، در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ آمدنامہ کہ دران قواعد فارسی بیان کردہ و نیز ترجمہ علمائے جوار لکھنؤ تحریر فرمودہ بس مفید مبتدیان است"

شاہ صلاح الدین صفوی سے بیعت تھے، فرائض ملازمت کے ساتھ شغلہ تدریس و تصنیف ہمیشہ جاری رکھا، اپنے تلامذہ پر نہایت شفقت فرماتے، شاہ غوث علی پانی پتی نے بڑی محبت سے اپنے استاد مولانا فضل امام کا ذکر خیر کیا ہے، سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:۔

"در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ کو ان کی طبع وقار سے اعتبار تھا اور علوم ادبیہ کو ان کی زباندانی سے افتخار، اگر ان کا ذہن رسا دلائل قطعیہ بیان نہ کرتا، فلسفہ کو معقول نہ کہتے اور اگر ان کا فکر صائب براہین ساطعہ قائم نہ کرتا، اشکال

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

منشی فضل عظیم خیرآبادی:۔ مولوی فضل امام کے بڑے بیٹے منشی فضل عظیم فارسی نظم و نثر میں مہارت رکھتے ہیں، جو واقعہ پیش آئے اس کی کیفیت قلم برداشتہ لکھ دیتے ہیں، ولیم فریزر بہادر کی ان پر بے حد شفقت ہے، جو ملتا ہے اس سے زیادہ خرچ کر دیتے ہیں۔ ظاہر میں پریشان اور باطن میں خوش ہیں[1]

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) ہند سے تار عنکبوت سے سست تر نظر میں آئے، اس فواح میں ترویج علم و حکمت و معقول کی اسی خاندان سے ہوئی، گویا اس دودۂ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی بہم پہنچائی ہے۔" ہزاروں تلامذہ میں سے سب سے مشہور مولانا فضل حق اور مفتی صدر الدین آزردہ ہوئے، کچھ دنوں پٹیالہ میں بھی رہے، ۵ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء میں خیرآباد میں انتقال ہوا اور احاطہ درگاہ شیخ سعد الدین میں دفن ہوئے، مرزا غالب نے تاریخ وفات کہی ہے:۔

اے دریغا قبلہ ارباب فضل ؛ کرد سوئے جنت الماویٰ خرام

چون ارادت از پئے کسب شرف ؛ جست سال فوت آن عالی مقام

چہرۂ ہستی خراشیدم نخست ؛ تا بناء تجزیہ گردد تمام

گفتم اندر "سایۂ لطف نبی" ؛ باد آرامش گہ "فضل امام"

مولوی رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء [۲۵۷] اور عبد الشاہد خان شروانی نے "باغی ہندوستان" میں [۹۹۲] (۱۲۴۲ھ ۱۸۲۷ء ص ۵۔۱۲۴۳ھ) ۱۲۳۰ھ ۱۸۳۴ء سن وفات لکھا ہے جو غلط ہے۔

حوالہ کے لئے دیکھئے:۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۲ (۲) باغی ہندوستان از عبد الشاہد خان شروانی ص ۱۶۔۲۵ (مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء)

(۳) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۲ (۴) مختصر سیر ہندوستان ص ۷۰

(۵) واقعات دارالحکومت حصہ دوم ص ۲۱۴۔۲۱۵ (۶) تراجم الفضلاء (تمہید ا۔ ا۱۱)

(۷) کلیات غالب (شعر فارسی) ص ۴۲۔۴۲ (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۰ء)

[1] مولانا فضل امام نے تین شادیاں کیں، پہلی بی بی صدر پور کی تھیں، ان سے علامہ فضل حق، منشی فضل عظیم، وہ مولوی فضل الرحمٰن پیدا ہوئے، فضل عظیم کی ایک صاحبزادی بی بی افضل تھیں، جن کے صاحبزادے نیاز علی تھے۔ (باغی ہندوستان، حاشیہ ص ۱۰۵)

مولوی فضل حق خیرآبادی: منشی فضل عظیم کے بھائی مولوی فضل حق ہیں کہتے ہیں کہ فنون عقلیہ میں ریاضی کے سوا سلف کی یادگار ہیں، عربی ادب میں ابوالحسن اخفش جیسے ہیں ان کی نثر مقامات حریری سے اور نظم دیوان متنبی سے ممتاز ہے، بندہ (مولوی عبدالقادر) نے اس یگانۂ زمانہ (مولوی فضل حق خیرآبادی) کو ایک مرتبہ دیکھا ہے، علاوہ علم کے جرأت و تہوّر بھی رکھتے ہیں، مولوی کرامت علی ابن مولوی حیات علی خوشنویس ان کی قوت تقریریہ کا ذکر کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ حج اصغر عمرہ ہے اور حج اکبر میں عرفات کا قیام بھی ضروری ہے، جناب مولوی فضل حق نے فرمایا کہ حج اکبر وہ ہے کہ جمعہ کے دن ہو، ہر چند میں اپنے مدعا پر عقلی دلیل لایا مگر انہوں نے اپنے حسن بیان سے سب کو ہیچ اور پوچ بنا دیا، میں نے سنا ہے کہ ان کی تصنیفات بہت ہیں، لیکن بندہ کو ان کا دیکھنا نصیب نہ ہوا [1]

---

[1] مولانا فضل حق ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں خیرآباد میں پیدا ہوئے، علوم معقول کی تکمیل باپ سے کی اور علم حدیث مولانا شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کیا۔ ۱۳ سال کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے، ایسٹ انڈیا کمپنی کا دہلی پر قبضہ ہو چکا تھا۔ رزیڈنسی میں مولانا فضل حق سررشتہ دار ہو گئے، مولانا فضل حق اور شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی سے مذہبی مباحث پر اختلاف ہوا طرفین سے رسائل بھی لکھے گئے، مرزا غالب سے مولانا کے بڑے تعلقات تھے، وہ ایک عرصہ تک نواب جھجر، راجہ الور، نواب ٹونک اور ریاست رامپور میں ملازم رہے۔ آخر میں واجد علی شاہ کے عہد میں لکھنؤ میں رہے، ہنومان گڑھی کا جو مشہور واقعۂ جہاد پیش آیا، جس میں مولوی امیر علی امیر المجاہدین تھے، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی سعد اللہ رامپوری اور مولوی محمد یوسف فرنگی محلی نے مولوی امیر علی اور جہاد ہنومان گڑھی کے خلاف فتویٰ دیا۔ نرگس کو معلوم تھا کہ مولانا فضل حق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس کی پوری پوری تلافی کریں گے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا نے مردانہ وار حصہ لیا، دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے، لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے، جب انگریزوں کی فتح ہوئی تو گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی، انڈمان بھیجے گئے اور وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) کو انتقال ہوا، اور تدفین عمل میں آئی۔ حیرت ہے کہ پروفیسر حامد حسن قادری نے تاریخ داستان اردو (مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۷ء طبع ثانی) میں کیسے لکھ دیا کہ مولانا فضل حق کا انتقال رنگون میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے اور ان کے حوالہ سے شیخ محمد اکرام نے (حیات غالب مطبوعہ فیروز سنز کراچی ص ۱۰۱) لکھا کہ مولانا فضل حق کا انتقال اور دفن رنگون میں ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

مولوی کرامت علی:۔ مولوی کرامت علی علوم شرعیہ اور ادبیہ کی طرف زیادہ متوجہ ہیں، اگرچہ کسی فن سے خالی نہیں، خوش نویسی اور زود قلم میں نے ان جیسا نہیں دیکھا اگر کوئی مانع پیش نہ آیا تو ممکن ہے بہت کچھ ترقی کر جائیں۔ ہر طرح کے علوم حاصل کئے ہیں مگر تعلیم و تعلیم کا رویہ زیادہ تر خاندان عزیزیہ کے طرز پر ہے[1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (۱) باغی ہندوستان از محمد عبد الشاہد خاں شروانی ص ۱۱۳-۱۶۲

(۲) مولانا فضل حق و عبد الحق از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۱-۱۱

(۳) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۴-۱۶۵

(۴) آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۲-۶۹

(۵) تذکرہ خوشنویساں ص ۱۲۴-۱۲۵

(۶) ہدیہ سعیدیہ فی الحکمۃ الطبیعیہ از مولانا فضل حق خیر آبادی (مطبع شعلہ طور کانپور ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء)

(۷) یادگار غالب ص ۱۷ (۸) انتخاب یادگار ص ۲۸۱-۲۹۵

(۹) تاریخ اودھ جلد پنجم ص ۲۲۲ (۱۰) آب حیات ص ۵۰۵

(۱۱) غدر کی صبح و شام ترجمہ مولوی ضیاء الدین احمد برنی ص ۲۱۷ ۔ ۲۲۰ ۔ ۲۴۶ ۔ ۲۴۷ (ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۶ء)

(۱۲) حدائق حنفیہ ص ۴۸۰

[1] مولوی کرامت علی کے حالات میں سر سید احمد خاں بہادر رقم طراز ہیں:۔

"یہ خلف الرشید ہیں، مولوی حیات علی خوش نویس علیہ الرحمہ کے اور شاگرد رشید ہیں۔ مولانا فضل امام صاحب کے فضل و کمال ان کا حد تقریر اور حد تحریر سے زیادہ ہے، استحضار مسائل اس مرتبہ کو پہنچا ہے کہ حصول ان کے ذہن میں حکم حضوری کا رکھتا ہے، عرصہ چند سال کا ہوا کہ شہر شاہجہاں آباد کو تلاش معاش کی تقریب سے چھوڑا۔ اور حیدر آباد کی طرف راہی ہوئے، چونکہ "السفر وسیلۃ الظفر" حدیث مشہور ہے، گردش فلک نے وہاں ان سے موافقت کی اور بالفعل ہزار روپیہ ماہانہ منصب سے سرفراز ہیں، اس نواح میں مع قبائل اور عشائر کے بسر کرتے ہیں اتفاق دوبارہ ان کا راقم کو بہم نہیں پہنچا"

مولوی کرامت علی ہی اسرائیلی کہلاتے تھے۔ مولوی فضل امام خیر آبادی اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے شاگرد تھے اور علم حدیث شاہ محمد اسحٰق اور شاہ اسمٰعیل سے حاصل کیا ان کے والد مولوی حیات علی حنبلی مذہب تھے۔ مولوی کرامت علی نے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

شاہ غلام علی:۔ مسند ارشاد مظہری کے جانشین تھے، بندہ نے صغر سنی میں رام پور میں ان کی زیارت کی تھی اس کے بعد شاہجہاں آباد میں ان کی خانقاہ میں دیکھا جو چتلی قبر کے متصل ہے، ان کا مشغلہ درس حدیث و تفسیر، نوجوانوں کی اصلاح مراقبہ اور اصلاحات تصوف کے مطالب سمجھانا تھا۔ [1]

(بہ صفحہ گذشتہ) کچھ دنوں نواب فرید الدین دبیر الدولہ سے پڑھا تھا۔

مولانا کرامت علی نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب عربی زبان میں "سیرت المحمدیہ" تصنیف کی ہے، جو ۱۸۵۵ء سے قبل حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی ہے، یہ کتاب نظام حیدر آباد دکن کے نام معنون کی گئی ہے اور کتب خانۂ آصفیہ میں اس کا ایک مخطوطہ بھی موجود ہے۔ مولانا کرامت علی کا ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں انتقال ہوا۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۰۲

(۲) تذکرہ اہل دہلی مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی ص ۹۷-۹۸ (مطبوعہ انجمن پریس کراچی ۱۹۵۵ء)

(۳) سیرت فریدیہ ص ۳۳

(۴) الحیات بعد المماۃ (سوانح عمری مولوی نذیر حسین دہلوی) از فضل حسین ص ۲۵ (مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء)

(۵) حدیقۃ المرام نمبر شمار ۱۵۰ از محمد مہدی واصف (مطبع مظہر العجائب مدراس ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء)

[1] شاہ عبد اللہ عرف شاہ غلام ابن عبد اللطیف ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء یا ۱۱۵۸ھ / ۱۷۴۵ء میں بٹالہ (یا پٹیالہ) میں پیدا ہوئے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید و خلیفہ تھے، جملہ مراتب سلوک طے کر کے دہلی میں سکونت اختیار کی، سر سید احمد خاں (جنھوں نے آثار الصنادید کے باب چہارم کا آغاز حضرت شاہ غلام علی کے حالات ہی سے کیا ہے اور نہایت ارادت و تفصیل سے حالات لکھے ہیں)، سر سید احمد خاں لکھتے ہیں کہ:۔

"میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کے کمالات ظاہری اور مقامات باطنی کا حال لکھ سکوں کہ حالات آپ کے اس سے سوا ہیں، جو بیان ہو سکیں، سبحان اللہ علم اور عمل اور فضل و کمال اور تجرید و تجرد اور حلم و کرم اور سخاوت اتم اور ایثار و انکسار آپ کی ذات پر ختم تھے .... آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہاں میں فیض پھیلا، اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے آن کے بیعت اختیار کی میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی .... حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا، اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا، اللہ تعالے غیب الغیب سے سب کام

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

شاہ ابو سعید:۔ مخدوم شاہ ابو سعید نے مخدومنا مولوی شرف الدین رام پوری کی خدمت میں علوم الٰہیہ حاصل کئے۔ مخدوم سراج احمد سے حدیث کی سند لی، جناب شاہ درگاہی سے خرقۂ تصوف حاصل کر کے دوسروں کو پہنچایا، اس کے بعد شیخ الشیوخ (شاہ غلام علی) کی خدمت سے مستفید ہو کر ان کی خانقاہ کو آباد کر رکھا ہے، یہ بزرگوار حافظ کبیر کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور اس فقیر کے بہ ابر کرم فرما ہیں، دیکھنا چاہئے کہ اس چند روزہ زندگی میں ان کا دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہیں[1]

(بقیہ صفحہ گزشتہ) چلاتا تھا...... ایک دفعہ نواب امیر الدولہ امیر محمد خاں والیٔ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرر وظیفہ کی اس کے جواب میں آپ نے صرف یہ شعر لکھ بھیجا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ⁂ با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کو دہلی میں انتقال فرمایا، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سال تولید و حیات و فوت آں سلطان پاک ⁂ "مظہر جود" و "امام" و "مظہر یزدان پاک"

۱۱۵۶ھ ۸۰ ساعت (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

(۱) حکایت شریفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی ص ۱۰-۱۴ (مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء)

(۲) آثار الصنادید باب چہارم ص ۱۱-۱۵

(۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۴، ۱۵۵-۱۵۵

(۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۵

(۵) گلزار اولیاء ص ۴۷-۵۴

(۶) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان از مرزا محمد اختر دہلوی ص ۲۶۱-۲۶۲ (سلیم آدم جی عبد اللہ پبلشرز بمبئی والے لاہور)

[1] حضرت شاہ ابو سعیدؒ بن شاہ صفی القدر فاروقی ذوالقعدہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۱ء) میں رام پور (روہیلکھنڈ) میں پیدا ہوئے، "حافظ و عالم و ولی باوفا" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے، گیارہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، فن تجوید قاری نسیم سے اور علوم عقلی و نقلی مفتی شرف الدین رام پوری اور مولانا رفیع الدین دہلوی سے پڑھے، شاہ عبد العزیز سے سند حدیث حاصل کی، اپنے والد ماجد سے طریقہ نقشبندیہ میں گیارہ برس کی عمر میں بیعت کی پھر حضرت شاہ درگاہی سے خاندان قادریہ میں مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، سلوک مجددیہ طے کرنے کے لئے ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں شاہ غلام علی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے — حضرت شاہ غلام علی نے چند ماہ کے بعد خلافت سے سرفراز فرمایا، ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) میں حرمین شریفین کا قصد فرمایا اور خانقاہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مخدوم شاہ صابر بخش:۔ شہر کے اکابر مشائخ سے مخدوم صابر بخش نبیرہ مخدوم غلام سادات تھے، ان کے بزرگ سلسلۂ نظامیہ چشتیہ میں نام آور اور مشہور تھے، ان کی ہمت وجود کی نشانیاں، کارواں سرائے، مسجد، امام باڑہ اور دھرم شالہ ہیں، جو امیر غریب، سنی و شیعہ اور مسلمان و ہندو کے آرام کے لئے تعمیر ہوئی ہیں بندہ نے ان کی زیارت نہیں کی [1]

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) میں اپنے فرزند شاہ احمد سعید کو جانشین بنایا، حج و زیارت کے بعد ہندوستان تشریف لائے، ۲۲ رمضان ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کو ٹونک میں داخل ہوئے، عید الفطر کے دن سکرات موت شروع ہوئی، ان کے صاحبزادے شاہ عبدالغنی ہمراہ تھے ان کو وصیت کی کہ "اتباع سنت کرنا اور اہل دنیا سے پرہیز کرنا، اگر دنیا داروں کے پاس جاؤ گے تو ذلیل ہو گے، ورنہ دنیا دار کتوں کی طرح تمہارے دروازے پر لوٹیں گے" عید الفطر کو شنبہ کے دن ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کو انتقال فرمایا، نعش تابوت میں رکھ کر دہلی لائی گئی، حضرت شاہ غلام علی کے پہلو میں خانقاہ میں دفن کیا گیا، چار فرزند شاہ احمد سعید، شاہ عبدالغنی، شاہ عبدالرشید اور شاہ محمد عمر یادگار چھوڑے، یہ قطعہ تاریخ وفات ہے:۔

امام مرشدنا شاہ ابو سعید سعید ؎ بعید فطر چو شد واصل جناب خدا

دلے شکستہ و مغموم گفت تاریخش ؎ ستون محکم دین نبی فتادہ ز پا

۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:۔

(۱) یادگار دہلی ص ۸۹

(۲) واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۲۹۳ - ۲۹۴

(۳) آثار الصنادید باب چہارم ص ۱۵ - ۱۶

(۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۴

(۵) تذکرہ کاملان رام پور ص

(۶) حدائق حنفیہ ص ۴۷۱ - ۴۷۲

(۷) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ج ۳ ص ۲۶۷ - ۲۶۸

(۸) اربع انہار از شاہ ابو سعید مجددی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۳ء)

(۹) ہدایۃ الطالبین و مرقاۃ السالکین از شاہ ابو سعید مجددی (مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نور اعلیٰ کتب خانہ کراچی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء)

[1] صابر بخش اپنے زمانہ کے مقدس بزرگوں اور چشتیہ صابریہ سلسلہ کے اجل مشائخ میں سے تھے، شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ نصیر الدین بن شاہ غلام سادات بن شیخ عبدالواحد برادر زادہ حقیقی قطب العارفین حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہ العزیز تھے، شاہ صابر بخش نے بڑے بڑے مشائخ سے فیض باطن حاصل کیا اور اپنے جد امجد شاہ غلام سادات سے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مخدوم میر نصیر:- بزرگان شہر میں مخدوم میر نصیر ہیں، اب خواجہ میر درد کی یادگار بس وہی ہیں، معتقدین بے روک ٹوک اور دوسرے لوگ بانسری کا نغمہ سننے کی تقریب میں مہینہ میں ایک بار ان کی خدمت میں جاتے ہیں، اس خاندان میں یگانہ و بیگانہ سے بے غرض ملاقات کے وقت بھی شاہانہ رسوم کی پابندیاں کثرت سے ہیں بندہ نے ان کی زیارت کی ہے، مگر انھوں نے مجھے نہیں دیکھا سلہ

(حاشیہ ص۲۶۴ پر)

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) خلافت پائی اور انھوں نے شاہ محمد نصیر سے، انھوں نے شیخ محمد چشتی سے اور انھوں نے شیخ محمد ابراہیم رام پوری سے ۱۴ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ء میں شاہ صابر بخش صاحب کا انتقال ہوا، خانقاہ میں واقع دریا گنج میں دفن ہوئے، ان کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبداللہ صاحب سجادہ نشین ہوئے اور شاہ صاحب کے قدم بقدم رہے ۲۲ شعبان [illegible]ھ/ ۱۸۴۷ء کو انتقال فرمایا اور شاہ صابر بخش کے قریب دفن ہوئے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ امیر حسین سجادہ نشین ہوئے جو نہایت خلیق، متواضع، منکسر المزاج اور درویش صفت ساتویں شخص تھے، قریب ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں انتقال ہوا۔ شاہ امیر حسین کے بعد ان کے پوتے شاہ کرار حسین ابن مظفر حسین سجادہ نشین ہوئے جن کا انتقال ۱۹۵۲ء میں ہوا، آجکل میاں صابر حسین صاحب سجادہ نشین ہیں۔

شاہ صابر بخش اور شاہ عبداللہ کے مزارات پر ایک لمبا لوح دیوار میں لگی ہے، جس میں بخط نسخ و نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے جو بہادر شاہ ثانی نے نصب کرایا تھا۔

اللہ
محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسکم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم ؂

بادشاہا جرم ما را در گزار ؎ ما گنہ گاریم و تو آمرزگار

تو نکو کاری و ما بد کردہ ایم ؎ جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم

بی گنہ نگذشتہ بر من ساعتے ؎ با حضور دل نکردم طاعتے

بر در آمد بندہ بگریختہ ؎ آبروی خود ز عصیان ریختہ

مغفرت دارد امید از لطف تو ؎ زانکہ خود فرمودہ لا تقنطوا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حاجی لال محمد:۔ فخریہ سلسلہ کے بہت مشہور بزرگ حاجی لال نامی تھے، چھوٹے مدرسے میں رہتے تھے۔ ضعف پیری کے باوجود ہر چھوٹے بڑے کے لئے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کبرسنی میں خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری کے عرس کے زمانہ میں تلقین کرتے ہوئے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ):۔ بحر لطف تو بے پایاں بود ٭ ناامید از رحمتت شیطان بود
نفس و شیطان زد کریما راہ ما ٭ لطف تو باشد شفاعت خواہ ما

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:۔

(۱) یادگار دہلی ص ۴۹-۵۱
(۲) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۳۲-۱۳۴
(۳) آثار الصنادید باب چہارم ص ۲۳-۲۴
(۴) میرے زمانہ کی دلی حصہ اول از ملا واحدی دہلوی ص ۲۴۸-۲۴۹ (مشہور پریس کراچی ۱۹۵۶ء)

(حاشیہ مخدوم میر نصیر)

[۱] مخدوم میر نصیر میر کلو اکبر آبادی کے فرزند اور خواجہ میر دردؒ کے نواسے تھے، سر سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:۔ "آپ کے صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اس سے سوا ہیں، جو لکھنے میں آویں اور اس سے بہت ہیں جو کہے جاویں آپ نواسے ہیں خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ کے جو بڑے نامی مشائخ تھے اور ان کا نام تمام عالم میں مشہور ہے ولادت آپ کی ۱۱۸۹ھ میں ہوئی اور ابتدا سے طالب خدا ہوئے، بچپن ہی میں حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور توجہ لیتے بلکہ اسی زمانہ میں خواجہ میر دردؔ سے بیعت کی تھی جبکہ آپ کا سن شریف دس برس کا ہوا تو خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ نے وفات پائی اور درد جدائی کا آپ کے نصیب ہوا۔ آپ ہمیشہ اپنے پیر کی جدائی میں دل شکستہ اور جان خستہ رہا کرتے تھے....... آپ کو اکثر علوم میں خصوصاً ریاضیات میں خوب دخل تھا علم موسیقی بہت خوب جانتے تھے اور تال اور سُر سے ایسے واقف تھے کہ بڑے بڑے استادان کے سامنے کان پکڑتے تھے اور خاک چاٹ کر نام لیتے تھے، علم حساب کو اس سے زائد جانتے تھے اور مسائل حساب میں وہ مہارت بہم پہنچائی کہ مسائل لاینحل بآسانی حل فرماتے تھے چنانچہ تال اور حساب میں ان کی تصنیفات سے رسالے موجود ہیں، یہ تو صفات ظاہری تھیں اور کمالات باطنی میں ان سب سے رتبہ بڑا تھا اور وہ مقام ہی اور تھا، کمالات باطنی خواجہ میر اثر سے کہ خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ کے بھائی تھے حاصل کئے جب خواجہ میر اثر علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا خواجہ صاحب۔ میر علیہ الرحمہ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند جانشین ہوئے، جب ان کا بھی انتقال ہوا تو آپ کی ذات فیض آیات سے اس مسند جانشینی کو رونق تازہ حاصل ہوئی، ہر مہینہ دوسری اور چوبیسویں کو مجلس ہم آوازی کی آپ کے مکان پر ہوا کرتی۔ آپ کو صبر میں درجہ کمال

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں (دہلی) سے اجمیر تک جاتے تھے اور باوجودیکہ اس سلسلہ میں میر شمس الدین کا ہاتھ پکڑ کر مولانا فخر الدین کے طریقہ سے آشنا ہوئے تھے، لیکن میر صاحب کی وفات کے بعد چند روز مولانا کی خدمت میں رہ کر درمیانی واسطہ کا تذکرہ ہٹا دینے پر فخر کرتے تھے ظاہری علم کچھ نہ تھا، مشائخ کے قصے بہت بیان کرتے تھے [۱]

میر محمد:۔ ایک بزرگ میر محمد نام ہیں، دوسروں کی بہ نسبت مریدوں کی تلقین میں زیادہ مصروف رہتے ہیں، شہر کے دوسرے لوگ جو عقل کے چکر میں ہیں اتنی عقیدت نہیں رکھتے، مگر قلعہ مبارک کے سلاطین سب کے سب ان کے ساتھ جتنا کہ چاہئے اس سے کہیں زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں [۲]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) حاصل تھا اور دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا............ ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء کو آپ نے وفات پائی۔"

(۱) اخبار الصنادید باب چہارم ص ۲۱-۲۲

[۱] حاجی لال محمد، حضرت شاہ فخر الدینؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے، انہوں نے پیر کے وصال کے بعد دہلی میں ان کی روایات کو قائم رکھا، شجرۃ الانوار میں تحریر ہے:۔

"مریدان و خلفاء بسیار دارند، ذات گرامی صفات حضرت حاجی محمد لعل صاحب در مدرسہ و شہر از مغتنمات است"

حاجی لال محمد صاحب نہایت کریم النفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں ۱۲ سال تک خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے آستانہ پر حاضر رہے، تین مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی روحانی طاقت بہت زبردست تھی، ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء کو وصال فرمایا، سلطان المشائخؒ کے مزار مبارک کے قریب مزار ہے، حاجی لال محمد کے بعد مرزا الٰہی بخش اللہ بیگ نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، مرزا صاحب کا انتقال ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں ہوا، ان کے بعد خواجہ محب اللہ اور پھر خواجہ میاں محمد سجادہ نشین ہوئے، آج کل خواجہ علی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔

تاریخ مشائخ چشت ص ۵۲۸-۵۲۹

[۲] نواب ذو القدر درگاہ قلی خان لکھتے ہیں:۔

"جلالت نسب و حسب از چہرہ نمایاں بیانش چون شعشہ آفتاب تابان است و عظمت شکوہ مرتبہ فقر و عرفانش بذروہ عیوق و کیوان صولت و ضعفش کہ مسبق از مادہ شجاعت است زہرہ زایران را بگداز می دہد و صدمہ گفتگویش کہ مستنبط از مہابت است جگر مخاطبین را خون می کند جلال و جبروتش از ہیئت جلسہ شریفہ اش پیدا است و کمال فقر و عشق

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت تصوف :۔ ایک گروہ تصوف اور صوفیوں کا منکر ہے اور دوسرا گروہ ان کے قول کو وحی اور حکم الٰہی سمجھتا ہے۔ مگر دونوں گروہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، سنی شیعہ، علماء اور عوام سب اسی آفت میں مبتلا ہیں، اس سلسلہ میں محققین نے جو کچھ کہا ہے اور جو میرے دل نشین ہوا ہے وہ عرض کرتا ہوں

گروہ صوفیاء ملکات فاضلہ کے حاصل کرنے اور صفات رذیلہ کے دور کرنے میں بہت زیادہ کوشاں رہتا ہے اور ایسے لوگ ہر مذہب و ملت میں ہوتے ہیں، اگر دین کے پابند ہیں تو یہی لوگ ہیں ورنہ حکمائے اشراق ہیں ہر مذہب میں ان کا نام جدا ہے، یہ لوگ اخلاق حسنہ کو طبعی اور مذمومہ کو مرض سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر چھوٹے بچے سے کچھ پوچھیں تو جو کچھ اس نے دیکھا ہوگا وہی کہے گا، اور اگر اس کو ماریں یا باندھیں تو روئیگا اور رنجیدہ ہوگا، مگر اس کے رنج و انتقام کا ارادہ دیر تک نہیں رہتا اور جب بچہ کو اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) از ورود تجلی آثار ہویدا در استقامت وضع عدیم البدل و در اعلان کلمۃ الحق با سلاطین و امرا ضرب المثل از زمان خلد مکان ترک منصب کردہ بہ نزہت آباد گوشۂ فقر کوس شاہی می زند و باستثنائے تمام تعین ما لاکلام اوقات با برکات بسر می برد، ودرین بین از سلاطین و امرائے کبار اقسام تضرع و ابتہال دربارۂ قبول مہور غال بعمل آید، لیکن بے نیازی ہائے منصب فقر بگوشۂ چشم ملتفت نگردید و از قبول فتوح و نذور ہم ہمیں عالم است نگر از غریبے۔ پسران و خویشانش در سلک ارباب مناصب انتظام دارند و آرزو می کنند کہ بفقر مالش آبروئے دارین حاصل نمایند لیکن میسر نیست محاورہ شریفش خیلے رنگین است و گفتگو نہایت شیریں ادائے کلامش مبنی بر لطائف و ترشی خوئے احوال طالبین ناشی از ظرائف باعتراف کمالاتش جمہور سکنۂ دہلی متفق اللفظ و المعنی و زبان خاص و عام بمجاہدات معنوی آمالش ناطق و گویا و این شعر مولوی نظامی مصداق کرامت اشتمال است ؎

تا بعہد جوانی از بر تو
بدر کس نرفتہ از در تو
ہمہ را بہ درم فرستادی
می نہ خواستم تو میدادی

(مرقع دہلی ص ۲۲-۲۳)

کے حسب منشاء کچھ مل جائے تو زیادہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور رنج والم میں جب تک اس نے سینہ کوبی کرتے، سر پیٹتے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے دوسرے کو نہ دیکھا ہو خود ایسی حرکت نہیں کرتا، اسی پر عقلمندی اور امور شرعیہ کا حکم لگاتے ہیں اور شریعت کو امراض روحانی کی طب سمجھتے ہیں، صوفیا کوشش کرتے ہیں کہ دل کے تعلقات اس آب وگل کے خاکدان سے کم ہو جائیں اور قلب کی طاعت ومعصیت کو عمل جسمی کے حسن و قبح سے زیادہ گراں شمار کرتے ہیں اور اس کو سلوک کہتے ہیں، یہ نام دوسرے علوم کے اسماء کے مانند اگرچہ نیا ہے مگر یہ فن تمام مذاہب میں موجود ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جو فضائل سے مزین اور رذائل سے بچنے کے لئے شریعت کے ظاہری احکام کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں، جن کا مذہب حکم دیتا ہے یہ لوگ اہل سنت میں اصحاب ظواہر کا مرتبہ رکھتے ہیں اور شیعوں میں فرقہ اخباری کا[1] ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

ایک گروہ ہے جو اجتہاد میں مشغول ہے اور جس چیز میں تزکیہ کی قوت پاتے ہیں اس کو شریعت کا مغز اور معنی سمجھ کر اس پر کاربند ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں، ظاہری علماء اس گروہ کا انکار کرتے ہیں، انصاف یہ ہے کہ قیاس اور اجتہاد والوں کا اتنا زیادہ انکار بھی نہیں کرنا چاہئے، جتنا کہ دوسرے مجتہدوں کا، یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک نفس یقین اور وہم میں امتیاز کر لینے کا عادی نہ ہو جائے، استدلال اطمینان بخش نہیں ہوتا کیونکہ تفرقہ پیدا کرنے والے مقدمات کی ترتیب میں غلطی کا ازالہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا صحیح سے نتیجہ غلط ظاہر ہوگا اس لئے کہ غلط کا منشاء یہی ہے کہ مسلم، مقبول، مشہور، مظنون اور عادی کا بدیہی

---

[1] شیعوں میں اخباری فرقہ اجتہاد و قیاس کا دشمن ہے، اس اخباری جماعت کی ابتدا ملا محمد امین (ابن محمد شریف استرآبادی) المتوفی ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۴ء سے ہوئی۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) نجوم السماء از مرزا محمد علی ص ۴۱-۴۲ (مطبع جعفری لکھنؤ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) (۲) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت جلد دوم از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۷۴-۲۷۶ (ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۳ء)

سے التباس ہو جائے، اول وہ تقلید امکان و طاقت میں کیفیت حاصل کرتے ہیں، پھر ابتداء و انتہا میں غور کرتے ہیں، اور وجدان جس چیز کا حکم دے اس پر اعتقاد کر لیتے ہیں اور نصوص ظاہری کو تاویل کے ذریعہ اس کے موافق بنا لیتے ہیں، چنانچہ جس جگہ استدلال تنزیہ کا حکم کرتا ہے وہاں متکلم بھی آیات تشبیہہ کی تاویل کرتا ہے، مسئلہ خلق افعال و صفات رویت، وجوب عدل اور حسن و قبح عقلی و شرعی کا اختلاف جو علماء امت میں ہے اسی بناء پر ہے اور اس قدر تصوف اور سلوک میں کوئی عیب نہیں، اس کا انکار بعینہ ایسا ہے کہ نادان شافعی اپنے حنفی ہونے کو قمار بازی سے بھی برا سمجھے اور جاہل حنفی کو شافعی کہنا امرد پرست اور کبوتر باز کہنے سے بھی زیادہ ناگوار معلوم ہو اسی طرح اخباری کو اگر اصولی یا بالعکس کہہ دو تو بہت جلد انکار کرے گا، برخلاف اس کے کہ اس کو اوباش کہہ دو یہ سارا فساد خود نماؤں اور خود پرستوں کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر خدا سے باز رکھتے ہیں۔

متصوفین کی فریب کاریاں:- ایک گروہ ایسا ہے جو اپنے کو صوفی ظاہر کرتا ہے، یہ اعمال عام طور سے اس کے ساتھ مخصوص ہیں، دکھاوے کے لئے کمبل، خرقہ، کشکول اور لٹھ رکھنا، بدن پر راکھ ملنا، داڑھی مونچھ کا صفایا کرانا۔ قبر پوجنا، آئندہ واقعات اور مردوں کا حال بتانا، مریضوں کی شفا اور بذریعہ عمل لوگوں کی تسخیر کو اپنی طرف منسوب کرنا، مریدوں کو نجات کا امیدوار بنانا، مشائخ کے ملفوظات بطور تلاوت پڑھنا، بزرگوں کے نام اسماء حسنیٰ (خدا کے اسماء) کی طرح وظیفہ بنانا اور حل مشکلات میں مستند اور محترم سمجھنا اور استغاثہ و مناجات میں خدا کی طرح یاد کرنا اور ان لوگوں کے طریقہ کو واجب اور سنت کی برابر سمجھنا اور ان کی صورت کے تصور کو عبادت سمجھنا اور ان کے لئے القاب تجویز کرنا، یہ سب بدعتیں ہیں، بعض کفر کی حد میں آجاتی ہیں اور بعض فسق ہیں، کچھ لوگ ہیں کہ بزرگوں کے نام کے ساتھ لفظ "پاک" ملاتے ہیں، دوسرے ہیں کہ اپنے پیر کے مسکن کو "پاک" بولتے ہیں، کسی کو "معشوق خدا" اور کسی کو "محبوب کبریا" کہتے ہیں یہ لوگ پیٹ کے بندے ہیں معاش کا اچھا ذریعہ نکال رکھا ہے، معاد کی حقیقت سے بالکل واقف نہیں ورنہ جو ساز و سامان قبروں پر رکھتے ہیں، محتاجوں کو دے کر اسی عالم میں پہنچا دیتے، ایسے لوگوں سے پرہیز

واجب ہے، ورنہ زمانہ پریشان کردے گا، ان لوگوں کے سامنے دنیا کے تذکرے کے سوا دین کا ذکر ہرگز نہیں کرنا چاہئے، ورنہ یا تو صحبت میں برہمی پیدا ہو جائے گی یا دین ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

جب کسی کو نیکیوں میں غالب اور بہ نسبت دوسروں کے خود کو زیادہ نصیحت کرنے والا، جائز ماکولات و ملبوسات میں دوسروں کی مثل اور قیود و تکلفات سے آزاد پائیں تو اس کی صحبت غنیمت شمار کریں، اور جو شخص خود کو انگشت نما بنائے خواہ مے نوشی سے خواہ خرقہ پوشی سے اور اپنی نشستگاہ کو سب سے ممتاز رکھے خواہ مسند و تکیہ سے خواہ موٹے بورئے اور پا انداز سے ہر وقت تسبیح ہاتھ یا گلے میں رکھے، معتقدوں سے برادرانہ اور دوستانہ رویہ نہ رکھے، بلکہ ان کو نوکروں اور غلاموں کی طرح سمجھے کہ برابر نہ بیٹھیں اور راستے میں اس کے آگے نہ چلیں اور معتقدوں میں بجز حضرت اور جناب کے کچھ نہ کرسکیں اور جو کوئی اس کے سامنے چار زانو یا گھٹنا اٹھائے ہوئے بیٹھے تو اس کو ناگوار گزرے اپنی اور اپنے پیروں کی کرامات کے تذکرہ سے اس کے چہرہ پر بشاشت کے آثار ظاہر ہوں اور اپنے توکل، بے پروائی اور استغناء کو اشارے کنائے سے ظاہر کرے وہ شخص راہِ راست پر نہیں ہے بلکہ دکاندار ہے۔

شعرائے دہلی:۔ اس شہر میں شعراء بہت ہیں بلکہ اردو زبان میں ریختہ شعر کی ابتداء یہیں سے ہوئی ہے۔

نصیر دہلوی:۔ اس سلسلہ میں نصیرالدین نصیر مشہور ہیں ان کا یہ مطلع مشہور زمانہ ہے[1]

پشت لب پر ہے تری یہ خط ریحاں ایسا ؎ منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں جیسا

---

[1] نصیرالدین نام نصیر تخلص والد کا نام شاہ غریب تھا، شاعری کا شوق شروع سے تھا، شاہ محمدی مائل کے شاگرد ہوئے چند روز کی مشق میں اچھا کہنے لگے، شاہ عالم بادشاہ کا زمانہ تھا وہ خود شاعر تھے اس وجہ سے بآسانی دربار تک رسائی ہوگئی، لکھنؤ اور حیدرآباد کے بھی سفر کئے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوکر واپس آئے چوتھی بار راجہ چندو لال نے سات ہزار روپیہ بھیجکر حیدرآباد دکن بلایا، پچیس روپیہ یومیہ مقرر ہوا مگر افسوس ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سعادت یار خاں رنگیں:۔ سعادت یار خاں رنگینؔ کی عمر ستر سال سے زیادہ ہو چکی ہے[1] اب تک ان کے کلام کی شوخی نوجوان ہے، مختلف اصناف سخن میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، ریختی میں میر سوز اور میر انشاء اللہ خاں سے اور ہزل میں صاحبقرانؒ سے بڑھے ہوئے ہیں، اُن کی یہ دو بیتیں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہیں ؎

آہ کیجئے تو آن جاتی ہے ؎ اور نہ کیجئے تو جان جاتی ہے
وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگیںؔ ؎ اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

اردو زبان میں ان کا ایک فرسنامہ[2] ہے، جو سب فرسناموں سے بہترین ہے، پہلے ان مقاموں کا ذکر کیا ہے، جہاں کا گھوڑا عمدہ ہوتا ہے، پھر اس کے خط و خال جن سے سوداگروں میں ان کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، اس کے بعد اچھے اور برے رنگ، پھر اس کا طرز پرورش اور حفظ صحت و افزائش قوت کے قواعد، پھر مرض پر استدلال کا طریقہ اور اقسام مرض میں مرض کی تعین و تشخیص اور پھر معالجہ کا بیان ہے، سواری بھی عمدہ جانتے ہیں۔ اور گھوڑے کی بری عادتوں کو شائستگی میں لا سکتے ہیں، بایں ہمہ لکھنے پر

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) اس مرتبہ ان کو دلی آنا نصیب نہیں ہوا، وہیں ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء میں انتقال ہوا، چراغ گل سے سن وفات نکلتا ہے۔ شاہ نصیر صاحب نے اپنا دیوان خود مرتب نہیں کیا، ان کے مرنے کے کچھ دنوں بعد میر حسن تسکین کے بیٹے میر عبدالرحمٰن نے بڑی محنت سے ایک مجموعہ ان کے کلام کا جمع کیا، جس کو نواب رام پور نے خرید لیا۔ حیدرآباد دکن میں ان کی غزلوں کا نکل دیوان ان کے کسی شاگرد کے پاس تھا وہ چھپ گیا ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) گل رعنا ص ۲۷۸ - ۲۸۲ (۲) آب حیات ص ۳۹۴ - ۴۱۰
(۳) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۲۶ - ۴۴۱ (۴) یادگار شعراء ص ۲۰۸

[1] سعادت یار خاں رنگینؔ کے والد کا نام طہماس بیگ خاں تھا، رنگین ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۵ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر سے نظمیں لکھنا شروع کیں، شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے، ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء میں اپنا پہلا دیوان "دیوان ریختہ" کے نام سے مکمل کیا، اس وقت شغلہ سپاہ گری تھا، لکھنؤ میں شہزادہ سلیمان شکوہ کے ملازم رہے، آصف الدولہ کی وفات کے بعد لکھنؤ سے نکلے، مرشد آباد، ڈھاکہ اور بنگال کی سیر کی، اس کے بعد مختلف دیار و امصار میں گھومے پھرے، رنگین تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں، دیوان ریختہ، دیوان بیختہ، دیوان آمیختہ، دیوان انگیختہ، مجموعہ رنگین
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

قدرت نہیں رکھتے تھے

رضی دہلوی:۔ نواب سعید رضی خاں بھی شہر کے شاعروں میں تھے، ان کا یہ مطلع دل میں ہے ؎

اگر مرنے سے ہے وہ کام جاں راضی تو مر دیکھو ؛ یہی تدبیر باقی ہے میاں دل یہ بھی کر دیکھو

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مجالس رنگین، امتحان رنگیں، اخبار رنگیں، شش جہات رنگیں، عجائب غرائب رنگیں، مثنوی ثلث رنگیں، چہار چمن رنگیں، پنجۂ رنگیں، نظم رنگیں، داستان رنگیں، خمسہ رنگیں، جنگ نامہ رنگیں، نصاب ترکی، حکایات رنگیں نصاب رنگیں، داستان رنگیں، مجموعہ سبع سیارہ رنگیں، گلدستہ رنگیں، رنگین نامہ، ساقی نامہ، تجربات رنگیں، کلام رنگیں فرسنامہ رنگیں وغیرہ رنگیں کی تصنیفات ہیں، یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ رنگیں کی اکثر تصنیفات انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں، رنگیں کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے بہت عقیدت تھی، شاہ صاحب کے ایک وصیت نامہ کو جس میں بچہ کی پیدائش سے مرنے کے بعد تک کے مراسم کا روداد بیان ہے، اس کا منظوم ترجمہ تصنیف رنگیں کے نام سے کیا ہے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے اکثر واقعات کو اخبار رنگیں میں قلم بند کیا ہے، ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء یا ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں رنگیں کا انتقال ہوا، مقام انتقال میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) سعادت یار خاں رنگیں از ڈاکٹر صابر علی خاں (انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۵۶ء)

(۲) تصنیف رنگیں (قلمی۔ مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۴) دلی کا دبستان شاعری از ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ص ۲۱۰۔ ۲۱۵ (انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۴۹ء)

(۵) لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۲۹۶۔ ۲۵۹

(۶) مسدس رنگیں مرتبہ تحسین سروری (ادارۂ ترقی ادب کراچی ۱۹۵۲ء)

(۷) تذکرہ خندۂ گل از مولوی عبد الباری آسی ص ۲۳۵۔ ۲۴۴ (نگار مشین پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء)

؎ امام علی ابن غلام حسین نام تھا، بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے ریختی، ہزل اور ظرافت ان کے کلام کی خصوصیات ہیں، اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا، خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھتے ہیں:۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے عہد میں لکھنؤ آئے تھے بہت قدر دانی کی گئی تھی، دہلی کے مقلد تھے، بہت بہ مذاق ہزل گو ظریف پھبتی بر محل کہتے تھے، ان کے ایک نواسے سید حسن عسکری نابینا حکیم زندہ ہیں، باوجود تنگدستی و افلاس کے وضع کے پابند، حد کے منکسر مزاج، مزار کا ابتک پتہ نہیں ملا، ان کا قلمی دیوان ملا ہے۔"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حکیم مومن خاں مومنؔ:- نوجوان شاعروں میں مومن خاں مومن ہیں، کوچہ چیلاں سے متصل کالا محل کے بہت قریب مکان ہے، بزرگوں کا مسکن کشمیر ہے، ان کے دادا، دادا کے بھائی، باپ اور چچا فن طبابت میں مشہور و معروف ہیں، ان لوگوں کی جاگیر کے دیہات خالصہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) (۱) تذکرہ خندہ گل ص ۲۹۵-۳۰۰ (۲) گلشن بے خار ص ۱۴۴

(۳) ریاض الفصحاء ص ۱۷۴ (۴) یادگار شعراء ص ۱۴۴

(۵) آب بقاء (تذکرہ) از خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت (مرتبہ مرزا جعفر علی نشتر) ص ۱۹۸ (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

سلہ رنگین نے گھوڑوں کی شناخت اور ان کے امراض و علاج سے متعلق فرسنامہ لکھا ہے، جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے، گھوڑے کے علاج کے متعلق وہی نسخے نقل کئے ہیں جو خود ان کے تجربہ اور آزمودہ تھے، گھوڑوں کے پانچ عیب پانچ فصلوں میں بیان کئے ہیں، کتاب کا آخری حصہ بیماری سے متعلق ہے، اس میں بیماریوں کی پہچان اور ان کے علاج نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں، فرسنامہ ۱۸۶۶ء میں لکھنؤ میں اور ۱۸۷۱ء میں کانپور میں شائع ہو چکا ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ لفٹننٹ کرنل ڈی۔ سی۔ فلٹ نے کیا تھا جو ۱۹۱۱ء میں لندن میں طبع ہوا تھا، انڈیا آفس میں رنگین کے ہاتھ کا لکھا ہوا فرسنامہ رنگین موجود ہے (سعادت یار خاں رنگین ص ۳۹۴-۴۰۰)

سلہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:۔

"رنگین کی علمی لیاقت، ہمہ گیری اور زبان دانی کا اندازہ ان کی نظم اور نثر کی تحریروں سے بخوبی ہو سکتا ہے وہ بلا تکلف عربی، ترکی، فارسی، اردو، پنجابی، پوربی، گجراتی، مرہٹی، پشتو بول اور لکھ پڑھ سکتے تھے اور ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے ....

علمی فضیلت کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی دوسرا اردو شاعر ان کی ہمہ دانی کے مقابلہ میں آنے کی جرأت کرے ان کے معاصرین میں انشاء کے فضل و کمال کا بڑا شہرہ ہے۔ لیکن رنگین کی تمام تصانیف شائع ہو جائیں تو شاید انشاء ان سے بہت پیچھے نظر آئیں گے، زبان دانی سے قطع نظر انہوں نے شعر و ادب، فلسفہ و حکمت اور قرآن و حدیث کا اچھا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا کلام اس کی شہادت دیتا ہے، خاص طور پر متقدمین اور متوسطین شعرائے فارسی کے کلام پر ان کی نظر بہت وسیع اور گہری تھی؛ انہوں نے نہ صرف ان اساتذہ کے کلام کو پڑھا تھا، بلکہ ان کے خاص رنگ میں لکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔" لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۳۰۳-۳۰۴

ھے رفقی کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

شرفیہ (جاگیر و صرف خاص) میں شامل ہو گئے، اب دہلی کے دوسرے پرانے خاندانوں کی طرح تنگی سے بسر کرتے ہیں، ریختہ اور فارسی میں بہت اشعار ہیں، ایک بیت مجھے یاد ہے

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا ❊ اگر وہاں نہیں نقشہ تمہارے گھر کا سا

واقفؔ دہلوی،۔ ایک بالکل بے پڑھا شخص ہے، واقفؔ تخلص ہے، ایک شعر اس کا میں نے سنا تھا ؎

تو ہے وہ دشمن جانی کہ نہ جینے دیتا ❊ زیست ہوتی اگر انسان کی انسان کے ہاتھ

لہ محمد مومن خاں، مومنؔ تخلص حکیم غلام نبی خاں کے بیٹے تھے ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے شاہ عبد القادر دہلوی سے عربی کی تحصیل کی والد اور چچا حکیم غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں، اہل کمال سے علم نجوم کی تحصیل کی اور اس فن میں بڑا کمال حاصل کیا، شطرنج سے بھی ان کو شوق تھا، شعر و سخن سے انہیں طبعی مناسبت تھی اور عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا، انہوں نے ابتداء میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا، پھر ذہن خداداد کے اطمینان پر اصلاح لینی چھوڑ دی۔ بعض ضرورتوں سے جہانگیر آباد، بدایوں، سہسوان، رام پور اور سہارنپور گئے۔ سید احمد شہید سے مرید تھے اور آخر وقت تک عقائد میں ان ہی کے پیرو و متبع رہے۔ آخری عمر نہایت صلاح و تقویٰ میں گزری، کلیات میں ایک مثنوی جہادیہ ہے جو اس وقت لکھی تھی، جب سید احمد صاحب سکھوں پر جہاد کر رہے تھے کلیات مومنؔ اور دیوان فارسی مومنؔ طبع ہو چکا ہے۔

افسوس کہ اس جامع کمالات ہستی کا انتقال کوٹھے سے گر کر ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء میں ہوا، گرنے سے پہلے خود ہی تاریخ "دست و بازو بشکست" کہی تھی۔

تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) آبِ حیات ص ۴۱۱ - ۴۲۶ (۲) گلِ رعنا ص ۲۹۰ - ۳۰۸

(۳) واقعاتِ دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۲۲۴ - ۲۲۹ (۴) کلیاتِ مومن از حکیم مومن خاں مومنؔ (مطبوعہ مطبع نولکشور پریس لکھنؤ

(۵) دلی کا دبستانِ شاعری ص ۲۴۲ - ۲۴۸

(۶) مجموعہ قصائد مومن مرتبہ ضیاء احمد ایم اے بدایونی (الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۵ء)

(۷) گلستانِ سخن از مرزا قادر بخش صابر ص ۲۳۷ - ۲۳۸ (دہلی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء)

سہ واقفؔ کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

مفتی صدر الدین آزردہ:۔ مولوی صدر الدین، مفتی و صدر امین شاہجہان آباد، مولوی فضل امام کے نامور شاگرد ایک عرصہ تک جنرل اختر لونی بہادر کے ساتھ اجمیر، پنجاب اور جے پور کے سفر میں رہے، جنرل اور اس کے داماد کی کلید دانش رہے، چار سو روپے تنخواہ ملتی تھی، صاحب ممدوح نے ان کی تعریف میں دفتر کے دفتر صدر کو لکھ مارے اور اس قدر ان پر اعتماد تھا کہ راول سرسال اور راجہ جے پور کی والدہ کے درمیان تکرار کے قضیہ میں مفتی صدر الدین کو پولیٹیکل ایجنٹ پر امین مقرر کیا، فاضل، زود فہم، خوش تقریر، دوست نواز اور دشمن گداز ہیں، ان کے بزرگوں کی اصل کشمیری ہے اور اکثر بلاد

سلہ مفتی صدر الدین ابن شیخ لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ محمد اسحاق اور مولانا فضل امام خیر آبادی سے تحصیل علم کی، فن خوشنویسی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے۔ مفتی اور صدر الصدور کے عہدوں پر ممتاز ہوئے، انگریزی سرکار میں بڑی عزت تھی۔ طلبا کو گھر پر درس دیتے تھے، مدرسہ دار البقاء کو از سر نو جاری کیا، طلباء کے جملہ مصارف کے کفیل ہوتے تھے، دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ کی ممتاز حیثیت تھی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جہاد پر دستخط کئے، اس کی وجہ سے گرفتاری، عزل منصب اور ضبطیٔ جائداد کی نوبت پہنچی، چند ماہ کے بعد رہائی ہوگئی، نصف جائداد واگزاشت ہوئی، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ سر سید احمد خاں بہادر نے آثار الصنادید میں ہر زبان کا نمونہ کلام درج کیا ہے۔ رسالہ منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال، در المنضود فی حکم امرأۃ المفقود اور مجموعہ فتاویٰ یادگار ہیں، ریختہ گو شعراء کا ایک تذکرہ بھی لکھا، تقریباً تین لاکھ کی مالیت کا کتب خانہ تھا جو ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو گیا، اس کے حصول کے لئے لارنس کے پاس لاہور پہنچے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ مرزا غالب، مومن، مصطفےٰ خاں شیفتہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے خوب تعلقات تھے، سر سید احمد خاں بہادر، نواب یوسف علی خاں والی رام پور، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی محمد منیر نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی فقیر محمد جہلمی وغیرہ مفتی صاحب کے شاگرد تھے، ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں انتقال ہوا۔ شمس الشعراء مولوی ظہور علی نے یہ تاریخ انتقال لکھی ہے ؎

چو مولانائے صدر الدین کہ در عصر ؛ امام اعظم آخر زمان بود
زہے صدر الصدور نیک محضر ؛ بعدل و داد چون نوشیروان بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت ؛ کہ این عالم نہ جائے جاودان بود

(بقیہ اگلے صفحہ)

مولوی رشید الدین خاں ہیں، جس وقت بندہ (مولوی عبد القادر) نے ان کو دیکھا تھا ان کی توجہ اشعار ریختہ اور فارسی کی طرف مطالعہ کتب علمیہ سے زیادہ تھی اسی بناء پر میں نے ان کا ذکر شعراء کے سلسلہ میں کیا ہے، ورنہ ان کا کام یہ نہیں ہے بلکہ یہ بات ان کے لئے باعث عار ہے۔ ان کا یہ شعر مجھے یاد ہے ؎

یا تنگ نہ کر، ناصح ناداں مجھے اتنا ٭ یا مجھ کو دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

ایک دوسرے شخص کی زبان سے ایک شعر اسی غزل کا سنا جو خود کی طرف نسبت کرتا تھا

نکھرا وہ بلا زلف سیاہ فام وہ کافر ٭ کیا خاک بچے جس کی شب ایسی سحر ایسی

میری رائے میں یہ دونوں شعر ممکن ہے کہ ایک شخص کا کلام نہ ہوں مگر دوسرے کے منہ پہ ہاتھ نہیں رکھا جا سکتا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

ربیع الاول و بست و چہارم ٭ وداع او سوئے دار الجنان بود

ظہور افسوس آن استاد ذی قدر ٭ پدر دارم ہمیشہ مہربان بود

چراغش ہست تاریخ ولادت ٭ کنون گفتم "چراغ دو جہان بود"

۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ — ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۴۳۔ ۵۱

(۲) حدائق حنفیہ ص ۴۸۱ - ۴۸۳

(۳) تذکرہ علمائے ہند ص ۶۱ - ۹۴

(۴) ابجد العلوم ص ۹۱۷

(۵) تاریخ داستان اردو ص ۱۸۳ - ۱۸۴

(۶) گلشن بے خار از نواب مصطفٰی خاں شیفتہ ص ۱۰ - ۱۱

مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء

(۷) العلم کراچی ص ۱۰۴ جولائی ستمبر ۱۹۵۹ء

مولوی امام بخش صہبائیؔ[1]۔ تخلص ان کا صہبائی ہے، فارسی کتابیں پڑھانے میں اس شہر کے ناموروں میں سے ہیں، اگرچہ عربی کے علوم درسیہ سے چنداں لگاؤ نہیں، نثر فارسی بھی اچھی لکھتے ہیں اور فارسی نظم کے مختلف اقسام میں فارسی اشعار کہتے ہیں، مگر اس وقت مجھے اس میں سے کچھ یاد نہیں، نہایت سلیم الطبع اور نیک دل ہیں، ان کے حسن خلق کو دیکھتے ہوئے مجھے تعجب ہے کہ جناب مولوی صدر الدین سے فن فارسی بلکہ ہر بات میں کیوں جھگڑتے رہتے ہیں۔

علم و ہنر کی کساد بازاری کی وجہ سے معلمی پر گذر اوقات ہے، ایک ہندو سیٹھ کے دو لڑکوں کو جنہیں دوسرے معلم ان کی تعلیم، طوطی کی زبان کوے کے بچوں کو سکھانا سمجھ رہے تھے ایسا لکھنا پڑھنا سکھایا کہ گفتار میں انسان جیسے ہو گئے، لیکن لڑکوں کے وحشی سیرت باپ نے جو معاوضہ کا وعدہ کیا تھا، اس کے پورا کرنے میں پہلو تہی کی اور اس مظلوم (مولوی امام بخش صہبائی) نے اپنا حال صاحب عدالت تک پہنچایا معلوم نہیں فریاد رسی ہوئی یا نہیں۔

---

[1] مولوی امام بخش صہبائی ابن مولوی محمد بخش، آبائی وطن تھانیسر تھا، دہلی میں مولانا عبد اللہ خاں علوی سے تحصیل علم کی، زبان فارسی کے بڑے عالم و محقق تھے، ۱۸۴۰ء میں چالیس روپیہ ماہانہ پر دہلی کالج میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے اس زمانہ میں (۱۸۴۴ء) شمس الدین فقیر کی تصنیف حدائق البلاغت کا اردو ترجمہ مرتب کیا یہ ترجمہ سب سے پہلے ۱۸۴۴ء میں مطبع نولکشور کانپور میں چھپا، مولانا امام بخش صہبائی نے فارسی کی بعض نہایت ادق کتب درسیہ و سہ نثر ظہوری وغیرہ کی شرحیں بڑی تحقیق کے ساتھ فارسی زبان میں لکھی ہیں، سرسید احمد خاں سے صہبائی کے خاص تعلقات تھے انہوں نے آثار الصنادید کی ترتیب میں سرسید احمد خاں کو بڑی مدد دی تھی، آثار الصنادید کا پہلا اڈیشن جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا تھا اس میں عمارتوں کے حالات صہبائی نے لکھے تھے، قلعہ شاہی سے بھی صہبائی کی رسم و راہ تھی شاہی خاندان کے بعض افراد ان کے شاگرد تھے، شعر و سخن میں ان سے مشورہ کرتے تھے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں جن لوگوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ان میں صہبائی بھی تھے، مولوی امام بخش صہبائی کو مع ان کے دو فرزندوں کے گولی ماردی گئی اور مکان کو کھود کر زمین کے برابر کردیا گیا، مفتی صدر الدین خاں آزردہ نے کس درد سے کہا ہے ؎

کیونکر آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو ؎ قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

(بقیہ اگلے صفحہ)

دہلی اور لکھنؤ کی زبان:۔ اکثر لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے محاورے میں جب اختلاف ہو تو ترجیح کس کو دی جائے یہ اختلاف بھی آپس میں تعصب کی وجہ سے شیعہ اور سنی اختلاف سے قریب قریب ہو گیا ہے، میری رائے یہ ہے کہ زبان ریختہ اردو کا مولد شاہجہاں آباد، اکبر آباد، لاہور اور سندھ ہے، اس لئے کہ مسلم سلاطین کا قیام ان ہی مقاموں میں رہا ہے اور ہندوستان کے باشندوں کی ضرورت سے شاہی لشکریوں کے بعض الفاظ ہندی میں داخل ہو گئے اور اکثر ہندی الفاظ لشکریوں کی زبان پر جاری ہو گئے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان دونوں زبانوں کا اختلاط اس حد تک پہنچا کہ لشکری ہندو بعض ہندی الفاظ کے معانی بھول گئے اور بعض ہندی الفاظ فارسی زبان میں داخل ہو گئے، خصوصًا دفتر مال اور محاسبہ میں، اب ان الفاظ کی ریختہ میں گنجائش نہیں رہی جنہیں شہری ہندو کبھی زبان پر نہیں لاتے۔

تذکیر و تانیث کے متعلق اس کا سماعی ماخذ ہندوؤں کی زبان برج ہے جو اس سرزمین میں مدتوں سے ہندو اور مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں رہی ہے، پنجاب اور بنگال کے محاورے میں اصل تذکیر و تانیث ہندی الفاظ کی سنی ہوئی ہے، اسی طرح وہ شہر جو دریائے شور کے قریب ہیں، البتہ سندھ اور ملک مارواڑ جو سندھ سے ملا ہوا ہے اس میدان میں نہیں ہے، بلکہ ملک وسط جو دوآبہ میں ہے، دریائے جمنا اور گنگا کے قریب بقدر پچاس پچاس کوس، کاشی، اودھ، مالوہ اور بندیل کھنڈ بھی اس میں شریک ہیں، مگر اس کا یہ ہے کہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مولوی امام بخش صہبائی نے شعرائے اردو کا ایک انتخاب کیا تھا اور اردو صرف و نحو پر ایک اچھی کتاب لکھی جس کے آخر میں بہ ترتیب حروف تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی شامل ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۹۸ - ۱۰۳
(۲) غدر کے چند علماء، از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۵۳ - ۲۸ (مطبوعہ دہلی)
(۳) مرحوم دہلی کالج ص ۱۵۲ - ۱۵۳
(۴) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۲۲۳ - ۲۲۴
(۵) خطبات گارساں دتاسی ص ۹۴ - ۹۵
(۶) گلستان سخن ص ۲۲۴ - ۲۳۵

سرحد کے باشندوں کو زیادہ تر دوسرے ملک کے آنے والوں سے معاملہ رہتا ہے
اس لئے وہ آنے والوں کے طرز کلام اور لہجہ کو بہت جلد لے لیتے ہیں، بلکہ اگر آنے
والے شاہی لشکر ہوں تو لشکر کے طرز گفتگو کو دوسرے لوگوں پر اپنے رعب اور
شان و شوکت کا سبب سمجھتے ہیں، مثلاً بنگالہ میں میش کو بلیتری آخر میں "ی" کی زیادتی
سے کہنا انگریزی لہجہ کی تقلید میں رواج پا گیا، اسی طرح کالا مٹی، اور رام پور میں لفظ
آواز کی تذکیر افغانوں کی پیروی سے ہندیوں کی زبان پر بھی جاری ہے، پنجابیوں
کی تقلید میں لفظ دہی یعنی جغرات کو مونث نہیں کہنا چاہئے بلکہ دوسرے ہندوؤں
کے محاورہ کے مطابق مذکر کہنا چاہئے، دوسری زبانوں کے الفاظ جو ہندی زبان میں مستعمل
ہیں اور مغلوں نے ان کو اپنے محاورہ میں مذکر استعمال کیا ہے، ان کو مذکر بولنا چاہئے
لیکن وہ الفاظ کہ جن کے ہم معانی یا جن کے آخری حروف ہندی الفاظ کے موافق مونث
سنے ہوں، یا ہندی میں ان کے انواع و اقسام کو مونث پایا ہوں، مؤنث بولنے
چاہئیں، ایسے الفاظ میں اکثر یہ طریقہ رہا ہے کہ دہلی آگرہ اور فیض آباد میں
تذکیر و تانیث کا فرق نہیں ہوتا اور اگر اب لکھنؤ اور دہلی میں فرق ہو جائے تو
ان دونوں مقاموں کے لوگوں کا محاورہ جس سے بھی موافق ہوگا اسی کو ترجیح ہوگی،
اور ہندی کے علاوہ سنے ہوئے الفاظ کی تذکیر و تانیث میں لکھنؤ والوں کو چاہئے
کہ دہلی کے ان شعراء کی اقتداء نہ کریں جو فیض آباد اور لکھنؤ میں آگئے ہوں بلکہ نواب
سالار جنگ کے خاندان اور ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کی اولاد کی تقلید کریں۔
دہلی کے محاورے سے مراد شہر پناہ سے باہر کی زبان نہیں ہے جیسا کہ مغلپورے کے باشندے
پتھر یعنی سنگ کو "پھتر" بولتے ہیں اور نہ شہر کے اندر سب کی زبان کا نام ہے کیونکہ
کشمیری کٹڑے کے لوگ "خدا کے واسطے" کی بجائے "خدا کا واسطا" کہتے ہیں۔ اور
پنجابی دہی کو مؤنث اور دائیں بائیں یعنی چپ و راست کو "سجا کھبا" اور علاقہ سونی پت
وغیرہ کے لوگ جو شاہجہاں آباد میں آبسے ہیں، اب تک "یہ بات کہنی نہیں" یعنی "این سخن
گفتنی نیست" کی بجائے "یہ بات کہنی نہیں" بولتے ہیں اور روشن پورے کے باشندے
نکلی کی بجائے "جو بر آمد" کے معنی ہیں "نکسی" اور "چچا" یعنی عمو کو "چاچا" کہتے ہیں، بندیلکھنڈ

اور کالپی کے لوگ "والہ" کی جگہ جو نسبت کا کلمہ ہے "ہارا" کہتے ہیں یہ محاورے شاہجہاں آباد اردو کے نہیں ہیں بلکہ بنگالی، مغل بچے یا ہندی فرنگی دو غلے کلمۂ "ہارا" کو اردو ظاہر کرتے ہیں، سندی محاورہ قلعہ مبارک، قلعہ کے دہلی دروازے سے کھڑکی فراشخانہ اور بازار خانم تک ہے۔

تخفیف الفاظ میں مثلاً "ادھر" بجائے "ایدھر" اور "کدھر" بجائے "کیدھر" میں لکھنؤ حق بجانب ہے، شاہجہاں آباد کے لوگ جن کو اس سلسلہ میں خود اختیاری حاصل ہے، حتیٰ کہ مقامات کے ناموں میں بھی تخفیف کرکے سونی پت کو سنیت کر دیا اور دوسرے الفاظ میں بھی کہ "چاچا" کو "چچا" بنا لیا جب لکھنؤ میں جاکر مقیم ہوئے تو کیوں مجبور ہوئے۔ محاورے کی سند میں شہر دو طرفہ پتھر اور اینٹ کی دیوار نہیں ہے، بلکہ اس شہر کے فصحاء کا نام ہے کہ جہاں بھی ہوں [1]

اس زمانہ میں دونوں شہروں (دہلی اور لکھنؤ) کے فصحاء نے بعض الفاظ کے ترک میں اتفاق کرلیا ہے[2]۔ جیسے اُور (طرف)، جگ (جہاں)، بھیتر (اندر) بعض دوسرے الفاظ مثلاً تروار اور تلوار یعنی شمشیر کہ دہلی کی بول چال میں پہلا (تروار) اور لکھنؤ کے محاورہ میں دوسرا (تلوار) استعمال ہوتا ہے، چونکہ یہ ہندی لفظ ہے اور دیہاتی ہندو ترواربولتے ہیں: اس لئے دہلی کا محاورہ پختہ دلیل ہے، انصاف یہ ہے کہ دہلی کی پیروی کریں اور اگر اس وجہ سے کہ اب وہاں (لکھنؤ) کا ہر ایک امیر و فقیر انگریزیہ کی حمایت کی بناء پر دہلی کے اتباع سے غیرت رکھتا ہے تو انہیں اختیار ہے، لیکن دوسروں کو بے جا مواخذہ سے معاف رکھیں۔

ایک لفظ ہے کہ ہندوؤں میں "بجاری" مستعمل ہے اور شاہجہاں آباد والے "بجاری"

---

[1] اس بحث کے لئے ملاحظہ ہو دریائے لطافت از: انشاء اللہ خاں انشاء ص ۹ تا ۱۰ (انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد ۱۹۱۶ء)

[2] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو دلی کا دبستان شاعری ص ۳۷۶۔ ۳۹۸

کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اندھیاری بمعنی تاریکی کہ دہلی کے استعمال میں شروع سے "اندھیری" تخفیف کے ساتھ ہے۔ اب کسی کو اندھیاری بڑھا کر لکھنا اور کلمات فارسی و عربی کو اردو زبان کے اشعار میں نئے سانچے میں ڈھالنا نہیں چاہئے، امیر کھتری اور دوسرے نو مسلم جو ابھی اپنی مادری زبان کو بھولے نہیں سکتے کہ اسی زمانہ میں لکھنؤ میں ایک گروہ عہد آصفی سے برگشتہ ہو گیا اور بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا اس نے ان لوگوں میں جن کی اصلی زبان پچاس سال پہلے "ہتھکری ما" فکریہ ہے اور آپ کسی[1] تھی بڑا اعتبار حاصل کر لیا اور جو چاہا کہہ ڈالا۔

گھوڑے کی ایک آنکھ بند ہوتی ہے، جس کو اصل ہندی زبان میں اندھیری تخفیف کے ساتھ بولتے ہیں، حاکم اودھ کے اصطبل میں بھی اس لفظ کے علاوہ دوسرا نہیں ہے اگرچہ میر تقی سے لے کر میر انشاء اللہ خاں اور مصحفی تک بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے تمام شعراء اندھیاری، اسی معنی میں بولتے ہیں، لیکن جب تک لشکریوں اور سائیسوں میں عام نہ ہو جائے لغت گر شمار ہوں گے نہ کہ محاورہ داں اور مرزا رفیع سودا نے ایک شعر میں جو شیدی فولاد خاں کی ہجو میں ہے:-

"چور جاتے رہے کہ اندھیاری"

کہا ہے، لوگوں نے گمان کیا کہ اس زمانہ میں یہ "اندھیاری" بمعنی تاریکی اردو میں مروج تھا، یہ نہ سمجھے کہ یہ ایک مشہور مثل ہے۔ اور امثال میں تغیر جائز نہیں اگر اب کوئی انگریزی یا رومی لفظ اردو میں نیا داخل کریں تو اس کی تذکیر و تانیث اس جیسے فارسی اور عربی لفظ کی تذکیر و تانیث کے مطابق ہو گی اور آج کل لکھنؤ میں "مہمان و گمان" کے نون کو شعر میں ظاہر کرنا چھوڑ دیا ہے اور شاہجہاں آباد میں جاری ہے، یہ خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی ہے کیونکہ نثر میں نون کو نہیں چھوڑا ہے اور ہر جگہ بعض چیزیں نظم میں جائز رکھی ہیں اور نثر میں منع کرتے ہیں اور تعلقات وزن و قافیہ کے علاوہ کونسی چیز ایسی ہے جو نثر میں جائز ہو اور نظم میں ناجائز، اور

---

[1] لفظ "فکر" کے مونث ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو اہل دہلی میں عموماً مذکر بولا جاتا ہے۔

اگر کوئی ہائے مختفی (پردہ۔ بندہ) کو الف (دعویٰ۔ چلنا) کے قافیہ میں جو ریختہ میں مروج ہے ترک کردے تو بہت ہے، مگر دوسروں کو منع نہیں کرسکتے۔
بادشاہی جلوس کے آرائشی سامان میں دہلی، آگرہ بلکہ شوالہ بنارس کے محاورہ کو لکھنؤ کے محاورہ پر ترجیح ہے، کیونکہ ان مقامات پر تین سو سال سے یہ سامان مروج ہے اور لکھنؤ میں تیس سال بھی ابھی نہیں ہوئے پس "چنور ڈھلنا" بالکل فصیح ہے، کیونکہ دہلی کے ہر شاہ و گدا کے روزمرہ میں شامل ہے۔ ماخذ اس کا راجپوتانہ ہے اور ایک کلیہ بتاتا ہوں جس سے زباں داں کو بوزنہ سرشت مقلد سے ممتاز کرسکوگے

اردو زبان میں عربی وفارسی لغات: جس کسی کی اردو نظم ونثر میں فارسی، عربی اور ترکی کے الفاظ کے مقابلہ میں ہندی کے رائج الفاظ زیادہ ہوں تو وہ زبان دان ہے اور اگر دوسری زبان کے لغت کا ہندی پر غلبہ ہے تو وہ اس رتبہ کا مرد نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس حیلہ سے اپنی کم مائیگی کا عیب چھپائے، خاص طور سے وہ لفظ جس کو عام اردو دانوں کے علاوہ فارسی جاننے والے بھی نہ سمجھتے ہوں، غرابت کے عیب کی وجہ سے فصاحت میں خلل انداز ہے خواہ شہر دہلی کا استاد کہے یا لکھنؤ کا سحبان فرمائے خواہ آگرہ کی ہزار داستان زبان سے یا بلب گڑھ کے طوطی دہن سے نکلے عصافیر[1]، ثنام نشیمن چشم غول اردو کی عاشقانہ غزل میں اور...... رکوب آمادہ[2]، تعالی اللہ چہ خندق[3] چہ انگشت، نادرہ[4] کار، حبذا[5]، بیلے[6] مثنوی افسانہ عشق میں ایسے کان میں کھٹکتے ہیں گویا کوئی سرشام ہی بے ہودہ راگ گا رہا ہے البتہ جہاں خواص مخاطب ہوں جیسا کہ اکثر قصائد اور مسائل علمیہ کے بیان میں اتفاق پڑتا ہے تو اس جماعت کے مستعمل الفاظ لانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مثلاً اگر کوئی

---

[1] سپڑیاں
[2] آمادۂ سواری
[3] کیا ناخن کے پورے اور کیا انگلیاں ہیں
[4] تعجب خیز
[5] مرحبا
[6] نعرۂ تحسین

احمد شاہ درانی اور بھاؤ کی جنگ کو اس عبارت سے بیان کرے کہ :۔
"جب دلی سے لے اودھ تک مغل پٹھان کا مرہٹے کی چڑھائیوں سے جی ناک
میں آیا، سب نے آپس میں ایک ہو کے یہ ٹھہرایا کہ نجیب خان کو بیچ میں
ڈال کے ٹوپی والوں کو بلا دیں اور اسے ساتھ لے کر برگیوں پہ چڑھ جاویں
جب بات پکی ہوئی تو اسے لکھا کہ آپ جس دن سے ادھر کو چلیں اور ان دکھنی
لٹیروں سے جب ہمارا سامنا ہو تو آپ ہاتھ ہمارے سر پر رکھیں جو ٹھہراویں سو
ہم سے جھگڑا نبٹے پیچھے ترت لیں وہ یہ سنتے ہی نجیب خاں سے سب بات
ٹھیک کرکے اپنے کیل کانٹے، گھوڑے ہتھیار سے بن سنور سورما ترواریوں کو
اپنے ساتھ لے کے چلا اور دکن سے برگی ٹیڑھی دل دوڑے، بات کی بات میں
پانی پت پہ دونوں دلوں کا جماؤ ہوا، ادھر والوں نے دیکھا کہ ہم برگیوں کے
آگے جیسے آٹے میں لون ہیں۔ سنگر اپنے آس پاس باندھا اور برگیوں نے
گھیرا ڈالا سنگر والے بھوک سے مرنے لگے تو مرتا کیا نہیں کرتا سب نے یوں
ٹھانی کہ باہر نکل کے برگیوں سے دو دو ہاتھ کرلیں، ٹوپی والے تو ادھر
سنگر سے نکلے اور کچھ دائیں بائیں بچ کر گوبند پہ جب وہ دکن سے آتا تھا
گئے اور ادھر مرہٹوں کی مت کٹ گئی کہ انھوں نے سنگر باندھا اب تو
ٹوپی والوں کا کھیل بن گیا اور وہ چال چوکے ادھر کے تو چھکے چھوٹ گئے ادھر
ادھر پو بارہ، اور جب ٹوپی والے گوبند کا سر کاٹ لائے اور احمد شاہ نے
بھاؤ پاس بھیجا وہ دیکھتے ہی نیچے اوپر دیکھنے لگا اور سر پکڑ کر رہ گیا، اور
بولا کہ پانسا پڑے سو داؤ، دیکھا چاہئے کون جیتے کون ہارے۔ گوبند
کا مارا جانا مجھے پکارے کہتا ہے کہ جگ ٹوٹا کوٹ مری، اس کے پیچھے ایک
دن دونوں دل آپس میں بھڑ گئے یہاں تک کہ لہو کی ندیاں بہیں اور بھاؤ
مارا گیا، برگی سب کے سب جس کا جدھر کو منہ اٹھا چل دیا کھیت ٹوپی والوں
نے لیا اور لوٹ بہت ہاتھ لگی، دکھنی نربدا پار اتر گئے، مغل پٹھان کا منہ اجالا
ہوا۔ ٹوپی والے کا بول بالا ہوا وہ یہاں سے جو ٹھہرا تھا وہ بھی اور بہت سا اور بہت

کچھ لے کے اٹک پار گیا، یہ سب اپنے ٹھکانے دندناتے منگل گاتے
آئے۔"

اس داستان میں نہ اردو کے خلاف کوئی لفظ ہے نہ کوئی فارسی وغیرہ کا لغت
اور دوسرے کا طرز بیان اس طرح ہے کہ:۔

"جب دار الخلافہ شاہجہاں آباد سے لے تا بصوبہ اودھ قوم مغلیہ و افاغنہ
کے قلوب جنوبیوں کی یورش سے قریب حناجر کے پہنچے کلہم اجمعین نے باہم
کنفس واحدہ ہو کے یوں استقرار دیا کہ بوساطت نجیب خاں کے
صاحب القلنسوہ کو بلادیں اور اس کی معیت میں جنوبیوں پر یورش کریں
جب یہ رائے اذہان میں مستقر و محکم ہوئی تو اس سے درخواست کی کہ
جناب والا جس یوم مسعود سے اس سمت کو نہضت فرما ہوں اور ان جنوبی
قطاع الطریق سے جب ہماری رہا روئی ہو ظل عاطفت ظل الٰہی ہمارے
مفارق پر رہے اور جو امر فیصل معین فرمادیں معتقدین با اخلاص سے بعد
طے منازعت کے بہ اَجَل رقم قبض میں لادیں وہ بمجرد استماع کے نجیب خاں
سے کل امور متیقن الوقوع فرما کے اپنے مسمار و قلاب و خیل و اسلحہ سے مرتب و
مزین ہو کے ابطال سیافوں کو اپنی معیت میں لیکے روانہ ہوا اور جنوبی برگی
بھی بجنود لا قبل لہا کبرق خاطف آئے مستقر عسکرین کلمح البصر میں، پانی پت ہوا
اس جماعت نے بعیون بصیرت مشاہدہ کیا کہ برگیوں کے جنب میں باعتبار
قلت کالملح فی الدقیق ہیں، حصار خشبات حول اپنے نصب کیا اور برگیوں
نے محاصرہ کیا، محتقر جوع سے معدوم ہونے لگے، بقول مشہور الغریق یتشبث
بکل حشیش یوں عزم جزم کیا کہ بروز کر کے برگیوں سے ضرب و حرب کریں
اصحاب القلانس تو ادھر حصار سے بارز ہوئے اور بعضے یمین و یسار بچکر
گو بند پر جو وہ جنوب سے جائے بھاگے اور ادھر مرہٹوں کی حبل عقل قطع
ہوگئی کہ انہوں نے حصار خشبی نصب کیا، اب اصحاب القلانس کا لعب درست
ہوگیا اور سلوک مسلک خیر کے ناشی ہوا، اور ادھر خیلان الکعاب حسب طلب

واقع، اور جب اصحاب القلانس راس گوبند قطع کر لائے، اور احمد شاہ نے بھا
پاس ارسال کیا، بہ مجرد معاینہ اس نے نظر بجانب تحت و فوق کی اور اخذ
الراس بالید کرکے یہ مقال کیا کہ بنابر مختار وقوع خیلان الکعاب ہے، اب
تذبذب ہے کہ کون مظفر اور کون منہزم ہو۔ قتل گوبند باعلیٰ صوت مجھے
کہتا ہے کہ تفرقہ جمع موجب قتل افراد ہے، من بعد ایک یوم میں تلاقی
فئتین عظیمتین ہوا، اور قتال ہوا اور برگی باجمعہم متفرق فرار ہوئے اور معکر
مقبوض اصحاب القلانس ہوگیا، اور غنائم وافرہ پر متصرف ہوئے، جنوبی
نربدا سے عبور کرگئے مغل پٹھان کا وجہ اکثر ہوا، اور صاحب القلنسوہ کا
قول ارفع، وہ ما تقرر کے علاوہ مال کثیر یہاں سے اخذ کرکے نہر اٹک سے عابر
ہوا اور یہ مبختر انہ غنا کرتے ہوئے اپنے اپنے مقر میں آئے۔"
پہلی عبارت انشاء اللہ خاں کے افسانہ کے سی ہے کہ اس میں سوائے ہندی
الفاظ کے دوسری زبان کا لغت نہیں آیا اور دوسری عطا حسین خاں کے قصہ
چار درویش کا طرز ہے ـــ جو عربی فارسی کے الفاظ شہری اور دیہاتی عوام
کی زبان پر جاری ہیں، ان کے بدلے ہندی الفاظ لانا ریختہ سے دور ہے
جیسے باغ و بہار، گلاب، عرض (گذارش)، حاکم، راضی، خوش، عقل، یاد،
حویلی، تنور، دیوار، شہر۔ شاید لوگ یہ خیال کریں کہ اردو نظم اس طرز کی بدنما
معلوم ہوگی اس لئے اردو زبان کی تھوڑی تھوڑی ہر قسم کی نظم جو دوسرے
لغات سے خالی ہے قلم برداشتہ لکھتا ہوں۔

مثنوی

میلے میں ایک بنیارات ؛ بیٹے سے کہتا تھا بات
برا بول مت منہ سے نکال ؛ اور چلا چل سیدھی چال
پوچھیں مول تو جھوٹ نہ بول ؛ جو تولے سو پورا تول
چاول آٹا گڑ اور دال ؛ سب کی ایک ایک ڈھیری ڈال
چھان پھٹک کر بیچا کر ؛ مول پرکھ، ہتھیلی میں دھر

ایک تو دیوے پیسے چار ؛ ایک کہے دس کرے ادھار
چار کو لے اور دس کو چھوڑ ؛ بیچ جکے تب بکری جوڑ
پھر یہ جانچ کہ آیا کیا ؛ کیا رکھا اور کھایا کیا
پونجی کو مت ہاتھ لگا ؛ بڑھتے میں کچھ رکھ کچھ کھا
اسی ڈول سے تو دن کاٹ ؛ نہیں تو بیٹھو الٹے کر ٹاٹ

رباعی

جب تک چلیں ہاتھ پاؤں پھر چل کے کما ؛ کچھ اس میں سے کھا اور بھوکوں کو کھلا
مت ڈر کہ جو تھک جاؤں گا کیا کھاؤں گا ؛ جب بیٹھ میں تھاماں کے تو کیا کھاتا تھا

قطعہ

جی لگا اس سے جو تجھے چاہے ؛ اور مرنے تلک کر ایسی نباہ
کہ جو وہ ڈالدے کنوئیں میں تجھے ؛ رہے ویسی ہی جیسی تھی تیری چاہ
جو کرے وہ سو تو کہے اچھا ؛ جو کہے تو، تو سن کے وہ کہے واہ

غزل

سلے ہم روٹھ کے ان سے جب سے ؛ نہ رہی بات ہماری تب سے
اب وہ سنتے ہی نہیں بات مری ؛ ہنستے ہیں بولتے ہیں اور سب سے
آج تک تو ہے ڈھٹائی سے نباہ ؛ دیکھئے آگے نبھے کس ڈھب سے
پھروں رہتا ہوں کھڑا، تو بھی یہ بات ؛ نہیں کہتے کہ کھڑے ہو کب سے
چین دے جی تو یہ ہی ٹھانی ہے ؛ کہ نہ جاؤں میں گھر ان کے اب سے

میدان سخن تو بہت کشادہ ہے اور فرصت کم اس وقت اسی پر بس کرتا ہوں اور اس بحث کا اختتام کرتا ہوں۔

میر تقی میر:- دوسری زبان کے الفاظ خواہ فارسی ہوں یا عربی غلط نہیں لاتے ان کی نظم میں جہاں بھی جو حرکت ہے ترائی ہے، تعقید بھی ان کے کلام میں کم ہے، کلمات کو باموقع استعمال کرنا اور تراکیب کی چستی میں میر اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ لیکن کوئی تازہ مضمون ان کے دیوان میں کم ملے گا۔

فارسی اشعار کا بعینہٖ ترجمہ ان کی ابیات میں بہت کمؔ ہے، غالبًا میر نے دوسروں کو نظم کا ترجمہ نظم میں کرنے کا طریقہ سکھانے کے لئے قصدًا ایسا کیا ہوگا، تسیر فرماتے ہیں:۔

تیرے قدم کا ہوگا جس جا نشاں زمیں پر ؛ رکھیں گے سر کو اکثر صاحبدلاں زمیں پر

حافظ شیرازی کا شعر ہے ؎

بر زمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود ؛ سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

---

[1] محمد تقی نام ۱۱۳۵-۳۶ھ / ۱۷۲۲-۲۳ء میں پیدا ہوئے، اکبرآباد کے رہنے والے تھے، باپ کے مرنے کے بعد دہلی آئے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی، پہلے مختلف رؤسا اور امراء سے وابستہ رہے لیکن جب دہلی بالکل تاراج ہوگئی اور سوداؔ کا لکھنؤ میں انتقال ہوگیا تو ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء میں لکھنؤ پہنچے مزاج میں نزاکت اور گرفتہ مزاجی بہت تھی ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا، میرؔ کے کلیات میں قصائد، مستزاد، مثنویاں، واسوخت، مخمس، ترجیع بند، مثلث اور مربع قطعات سب کچھ موجود ہیں، لیکن غزل کے چار دیوان اور بعض مثنویاں میرؔ کا ایسا سرمایہ ہیں جن سے ان کا نام ہمیشہ روشن رہے گا، فارسی نثر میں تذکرہ نکات الشعراء، رسالہ فیض میرؔ اور ذکر میرؔ چھوڑا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) ذکر میرؔ از میر تقی میرؔ مرتبہ مولوی عبد الحق (انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد ۱۹۲۸ء)

(۲) میر تقی میرؔ حیات اور شاعری از خواجہ احمد فاروقی (انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ۱۹۵۴ء)

(۳) دلی کا دبستان شاعری ص ۱۶۲ - ۱۶۹

(۴) لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۱۳۰ - ۱۳۹

(۵) تذکرہ ریختہ گویاں از فتح علی حسینی گردیزی ص ۱۳۷ - ۱۳۸ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۳ء)

(۶) تذکرۃ الشعرائے اردو ص ۱۵۱ - ۱۵۷

(۷) نکات الشعراء از میر تقی میر مرتبہ مولوی عبد الحق ص ۱۵۴ - ۱۷۸ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۲۵ء)

(۸) مخزن نکات از شیخ محمد قیام الدین قائم مرتبہ مولوی عبد الحق ص ۳۰ - ۳۱ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۲۹ء)

[2] ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:۔

"میر کی کرشمہ آفریں طبیعت نے ہندی اور فارسی کے خوبصورت امتزاج سے اردو زبان کو وسعت بخشی اور

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میر حروف جار مثلاً سے، پر، کو، تک وغیرہ خوب موقع سے لاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ریختہ میں شہریوں کے لئے ایسا استاد چاہئے جس کے یہاں ہندی اور دوسری زبانوں کے مفردات برابر کے ہوں، کیوں دوسری زبان کے الفاظ کی چست یا سست بندش اور حروف روابط کا استعمال خواہ عام شہریوں کی بول چال میں ہو یا خاص لوگوں کی، باموقع ہونا چاہئے، اور مفردات کلام سب کے یکساں ہوتے ہیں، ان چیزوں سے کلام کے حسن و قبح کے مراتب میں بہت فرق ہو جاتا ہے اور جناب میر کے مفرد الفاظ اچھے نہیں کیونکہ کبھی ایک دم دیہاتی ہندی لے آتے ہیں اور کبھی قاموسی لغت لے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ مختلف مضامین کو نظم کر سکے خود میر کے یہاں انداز بیان کا اتنا تنوع ہے کہ اس کو دیکھ کر ان کی قادر الکلامی پر ایمان لانا پڑتا ہے، اس نے مذہب حکمت تصوف، اخلاق، نفسیات، تجربات، حیات و کائنات کے ہر ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور سچ یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔"

میر تقی میر۔ حیات اور شاعری از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ص ۳۹۶

لہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:۔

"میر کی ذاتی زندگی اور ان کے پر آشوب ماحول دونوں نے ان کے عشق اور عقیدہ حیات دونوں کو یاس انگیز بنا ڈالا، وہ اس یاسیت کو اتنے موثر پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ دوسروں کے دل میں بھی نشتر کی طرح اتر جاتے ہیں، اپنی بے کسی و بربادی اور دنیا کی بے کسی و بربادی ان کے خاص موضوع ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس حسرت زدگی کے باعث ان کے انداز میں ایسی صفائی و شستگی، سادگی و روانی آگئی ہے جسے سترنم سادہ پرکاری کہا جا سکتا ہے لیکن وہ محض ایک یاس انگیز لے ہو کر نہیں رہ گئے ہیں انہیں شاعرانہ فن بھی آتا ہے۔ اپنی تصویریں بہت مکمل اور لطافت کے ساتھ کھینچتے ہیں۔

اگر ان کے کلام سے رسمی شاعری کے اجزاء (جن سے ان کے دیوان بھرے پڑے ہیں) نکال دئے جائیں تو یہ انتخاب دنیا کے بہترین انتخاب میں سے شمار ہوگا۔"

دلی کا دبستان شاعری ص ۱۶۴

مرزا محمد رفیع سودا:۔ مرزا سودا قصیدہ گوئی اور تعریف و تنقیص کے تازہ مضامین میں اپنے زمانہ کے سردار تھے[1] مگر دوسری زبان کے الفاظ کی صحت کا چنداں خیال نہ رکھتے تھے آفتابہ کی بجائے آفتاوا، نخل متحرک کی جگہ نخل، دوسرا حرف ساکن اور مُبَرہَن میں ب مفتوح اور ر ساکن بجائے مُبْرَہَن ب ساکن اور ر مفتوح، لائے ہیں۔

جو لفظ عربی اور فارسی وغیرہ میں جس معنی میں مستعمل ہو اور وہ معنی اردو میں چھوڑ دئے گئے ہوں اور دوسرے معنی میں اس کا استعمال عام ہو گیا ہو تو اردو میں اس کو اصلی معنی میں استعمال کرنا نہیں چاہئے اور اگر کریں گے تو غرابت کے عیب کی بناء پر فصاحت سے گر جائے گا، جیسا کہ لفظ لحد کہ عربی اور فارسی میں قبر کے معنی میں مستعمل ہے اور اردو کے محاورہ میں وہ جگہ ہے جہاں

---

[1] مرزا محمد رفیع سودا دلی میں پیدا ہوئے، تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے، بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا، باپ بہ سلسلہ تجارت ہندوستان میں وارد ہوئے سودا پہلے سلیمان قلی خاں کے اور بعد کو شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں ان کی شاعری عروج پر تھی، رؤسا میں بسنت خاں خواجہ سرا اور مہربان خان زیادہ مہربان تھے، جب مرہٹہ گردی میں دلی برباد ہوگئی تو سودا نے باہر کا رخ کیا پہلے فرخ آباد میں مہربان خاں رند کے یہاں رہے، فرخ آباد سے ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں نواب شجاع الدولہ والئ اودھ کے زمانہ میں فیض آباد پہنچے، آصف الدولہ کے زمانہ میں ان کی زندگی خوب فراغت سے بسر ہوئی، ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء میں انتقال ہوا، ان کی کلیات میں ۴۴ قصیدے رؤسا اور ائمہ اہل بیت کی مدح میں ہیں، ان کے علاوہ ہجو ہیں، مراثی، مثنویاں، رباعیاں، مستزاد، قطعات، تاریخیں پہیلیاں اور واسوخت وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں، فاخر مکین کے جواب میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین ہے ایک رسالہ سبیل ہدایت کے نام سے لکھا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) سودا از شیخ چاند ایم اے (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۶ء)

(۲) دلی کا دبستان شاعری ص ۱۵۰ - ۱۶۱

(باقی اگلے صفحہ پر)

مردہ کو غسل دیتے ہیں، اب اردو میں اس کو قبر کے معنی میں لانا ......اور شناء کے استعمال سے بھی زیادہ برا ہے، کیونکہ یہ دونوں الفاظ اردو میں اجنبی اور دریافت طلب ہیں اور سننے والا ان کو اپنے اصلی معنی میں سمجھ کر پریشان ہو جائے گا، اور اس کی صورت ایسی ہو جائے گی کہ کوئی اردو میں کہے کہ "دم نکل گیا" اور مطلب اس کا یہ ہو کہ "خون نکل آیا" یا کال اور کالا کہکر

یہ امید رکھے کہ مخاطب "اس نے دزن گیا یا انہوں نے دزن گیا" کے معنی میں سمجھ لے گا، یا "کان" کو بمعنی "تھا" اور "ناک" کو بمعنی "جماع کیا" استعمال کرے تو ہندوستانی فاضل اگرچہ عربی لغت میں یہ معنی دیکھ چکا ہو لیکن اردو میں ہرگز نہیں سمجھے گا، یا کوئی "مشفق" کو "خائف" کے معنی میں لادے اور کہنے لگے کہ قرآن شریف اور فوائد ضیائیہ میں اسی معنی میں ہے اور سودا کے مصرعہ "صید خائف کی طرح رو بقضا" جاتا ہوں کو "صید مشفق کی طرح" پڑھنے لگے تو یقیناً دیوانہ ہے، اسی طرح اگر کوئی اردو میں لحد کے دوسرے حروف "ح" کو حرکت بھی دیدے کہ عربی لغت کی معتبر کتابوں میں ساکن ہے، خواہ عربی لغت والے ہوں یا ہندوستانی اردو دان سب کے بدن کا رونگٹا کھڑا ہو جائے گا[1]

(سلسلہ صفحہ گذشتہ) (۳) لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۹۶ - ۹۹

(۴) کلیات سودا از مرزا محمد رفیع سودا جلد اول و دوم (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

(۵) گل عجائب یعنی تذکرہ شاعراں از اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی ص ۵۷ - ۶۰ (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۶ء)

(۶) دو نایاب بیاضیں اور ان کا انتخاب۔ مرتبہ عبد الباری آسی ص ۲۷ - ۳۰ (ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۳۲ء)

(۷) مخزن نکات ص ۳۵ - ۴۰

[1] مصنف کی یہ بحث جنابت صحت مندانہ رجحانات کا پتہ دیتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لسانیات میں کامل مہارت اور دسترس رکھتا ہے۔

کسی دوسری زبان کے لغت کو ریختہ میں ہندی الفاظ کے ساتھ عربی فارسی طریقہ پر
صفت یا اضافت کا ساجوڑ لگانا سمجھدار کے لئے تو عیب ہے مگر سخنوروں کا ہنر
ہے جیسے یہ مذاقیہ شعر ہے ؎

مانگِ افسریں جب لگا گولا ؛ بخت جھمگٹ پکار کر بولا
ٹیکی رہی قوت اب ضعیف ہوئی ؛ ہیزم آتش حریف ہوئی

اور اگر دوسری زبان کا کوئی لفظ جو ہندی لفظ کی جگہ پر اردو میں مستعمل نہ
ہو (اور بولنا چاہیں) تو بہتر یہ ہے کہ ہندی ترکیب کے طریقہ پر ہو۔
جس قدر خرابیاں یہاں ہوئیں ان سے مقصد اساتذہ کی عیب جوئی نہیں ہے،
صفتِ ہزاری[1] کو سب کچھ روا ہے لیکن دوسروں کے لئے قابلِ اقتدا نہیں کیونکہ
بہت سی خوبیاں تھوڑی سی برائیوں کو چھپا لیتی ہیں، مجھ جیسے علوم شرعیہ
عقلیہ اور قواعد ادبیہ میں بے مایہ کو چاہئے کہ جب کبھی کسی بھلے آدمی کی غلطی
کا یقین ہو جائے تو اس کی عیب جوئی نہ کرے اور نہ اس کو اپنا دستور العمل
بنائے کیونکہ اگرچہ معافی مل جائے مگر پھر بھی یہ اچھی بات نہیں ہے اور ایک
قسم کی خطا ہے۔
یہاں پر میں نے اندازہ سے زیادہ بے ہودہ سرائی اس لئے کی ہے کہ ایک گروہ کو
میں نے دیکھا ہے کہ بزرگوں کا عیب نکالنا ان نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے، اور ان
لوگوں کی روش شتر بے مہار کی طرح ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو پیر اور استاد
کی اندھی تقلید کرتا ہے اور بلا تحقیق خطا کو صواب سمجھتے ہوئے اس کی پیروی کو
اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ جہاں تک ہو سکا میں نے افراط و تفریط کو اعتدال سے جدا
کر دکھایا ہے۔

اکبر شاہ ثانی :۔ اب میں بادشاہ اور سلاطین قلعہ دہلی کا ذکر کرتا ہوں۔
جہاں پناہ معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی، غصہ کے ثبوت پر جیسا قبضہ رکھتے ہیں

---

[1] بطور تعریض کے استعمال کیا ہے۔

شاہ و گدا میں بہت کم مل سکے گا۔ گناہ کی پردہ پوشی میں یکتا ہیں، کہتے ہیں کہ ایک روز مشائخ کی محفل میں کسی نے مصافحہ کرتے ہوئے انگشت مبارک سے انگوٹھی نکال لی اور انہوں نے اب تک کسی پر اس مردود کا پردہ فاش نہ کیا بلکہ جان بوجھ کر چھپایا، کتابوں میں نوشیروان کا ایک قصّہ ہے کہ ایک شخص نے سونے کا ایک گلاس چرالیا اور بادشاہ نے اسے دیکھ کر کچھ نہ کہا، لوگ تلاش کر رہے تھے بادشاہ نے فرمایا:۔

"جس نے دیکھا ہے وہ بتائے گا نہیں اور جو لے گیا ہے وہ واپس نہیں لائے گا"

ل اکبر شاہ ثانی، شاہ عالم کے بیٹے ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوئے، علوم رسمی سے واقف تھے، صوفیائے کرام سے خاص تعلق تھا، ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوئے، ریذیڈنٹ اور دیگر حکام کمپنی نے مراسم دربار ادا کئے۔ تیموری عزت کا ہمیشہ خیال رکھا، جب لارڈ ماڑانے دہلی کا رخ کیا تو نشست کے سلسلے میں سابقہ طریقہ میں تبدیلی گوارا نہ کی، کمپنی سے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے، راجہ رام موہن رائے کو سفیر بنا کر لندن بھیجا، راجہ رام موہن رائے نے ذاتی مفاد پر آقا کے مفاد کو قربان کر دیا، لہذا سفارت سے کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی کا انتقال ہوا۔

اکبر شاہ ثانی کے عہد میں دہلی میں بڑے بڑے علماء، فضلاء، شعراء، حکماء اور ادباء موجود تھے۔

سرسید احمد خاں بہادر نے کیا خوب قطعہ تاریخ کہا ہے:۔

چون برفت از جہان شہ اکبر ؛ شد سیہ آسمان ز دود جگر
پاے شادی شکست و احمد گفت ؛ سال تاریخ اوہ غم اکبر

۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء = ۱۰ – ۱۲۶۳

تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) THE PROCEEDIN S OF THE PAKISTAN HISTORY CONFERENCE (THIRD SESSION HELD AT DACCA, 1953) P. 269-280 (KARACHI, 1956)

(۲) سیرت فریدیہ از سرسید احمد خاں بہادر ص ۲۲ – ۳۱ (مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۶ء)

(۳) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ سوم ص ۲۸۰

(۴) TWI LIGHT OF THE MUGHULS, BY P. SPEAR, 23, 29, 63, 64 LONDON, 1951

اس کے بعد وہ بہادر چور عمدہ لباس پہن کر بادشاہ کے سامنے آیا، بادشاہ نے اس سے کہا: "یہ اسی کی رونق ہے"

انصاف تو یہ ہے کہ جس جگہ نوشیروان کا قصہ لکھیں وہیں اکبر شاہ ثانی کے واقعہ کو بھی سنہرے حروف سے لکھیں اور دونوں کے فرق پر غور کریں، یعنی نوشیروان نے اس شخص کو اس بات سے شرمندہ کر دیا اور دوسروں پر جب انہوں نے بادشاہ کا ارشاد سنا پردہ فاش ہوگیا اور بے انتہا مال و دولت کے باوجود آخر نوشیروان نے چور کو متنبہ کر ہی دیا اور صبر نہ کر سکا اور یہ عالی ہمت (اکبر شاہ ثانی) اب بھی کہ اس کے قبضہ میں سوائے دولتِ قناعت اور ملک مروت کے کچھ بھی نہیں ہے، اس جڑاؤ انگوٹھی کو اپنی سخاوت کی کنجی کے خوشنما چھلے سے بھی کم سمجھتا ہے، ان دونوں واقعات میں بندہ خدا (اکبر شاہ ثانی) اور آتش پرست (نوشیروان) کا فرق دیکھ لیں۔

سلاطین قلعہ دہلی - مرزا ابو جعفر:۔ نیکو کار، بے آزار، روزہ نماز کا پابند عربی خط (نسخ) میں خوش نویس اور اردو زبان کا شاعر ہے [1]

مرزا سلیم:۔ اس کا مبارک نقشہ کیخسرو جیسا ہے، اور اس کا کام قبلۂ عالم (اکبر شاہ ثانی) کی متعین حاضر باشی ہے، اکثر حضور والا ہاتھی کی سواری میں اس کو خواصی کا اعزاز بخشتے تھے [2]

---

[1] مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔

[2] مرزا سلیم پر اکبر شاہ ثانی بہت اعتماد فرماتے تھے، ۱۸۲۷ء میں جب لارڈ ایمہرسٹ نے اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی سے ملاقات کی تو مرزا سلیم کو گورنر جنرل کے پاس متھرا بھیجا تھا، جب گورنر جنرل بادشاہ کی ملاقات کے لئے دہلی آیا تو بادشاہ کی طرف سے گورنر جنرل کے استقبال کے انتظامی امور کے نگران اعلیٰ مرزا سلیم تھے۔

RECORDS OF THE DELHI RESIDENCY AND AGENCY.
(CHAPTER X) P. 337-338 (LAHORE, 1911)

مرزا جہانگیر:۔ اس کے عمر کے گھوڑے نے چالاکی سے اس کو عالم جاودانی میں پہنچا دیا، اپنے زمانہ کا اچھا شہسوار تھا[1]۔

مرزا بابر: اس کا حقیقی بھائی الطاف سلطانی کا مرکز[3] ہے بڑے بڑے صاحب مرتبہ لوگ بھی اس کا توسل رکھتے ہیں[4]

---

[1] مرزا جہانگیر، اکبر شاہ ثانی کے فرزند اکبر تھے، ولی عہدی کے قضیہ میں ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں انہوں نے سیٹن ریذیڈنٹ دہلی کے تپنچہ مار دیا، اس سبب سے انگریزوں نے ان کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ۳ صفر ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ لکھنؤ کے ارادہ سے دہلی سے روانہ ہوئے اور بعد قطع منازل رونق افروز لکھنؤ ہوئے نواب سعادت علی خاں نے کوئی دقیقہ ان کی عظمت و پاسداری میں فرو گذاشت نہیں کیا، مگر ریذیڈنٹ اور کونسل کلکتہ کو مرزا جہانگیر کا قیام لکھنؤ پسند نہ تھا، لہذا کانپور اور پھر الہ آباد چلے گئے۔

مرزا جہانگیر کو حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے بڑی عقیدت تھی۔ مکاتیب شریف حضرت شاہ غلام علی دہلوی میں شاہ صاحب کا ایک خط مرزا جہانگیر کے نام ہے جس میں حضرت نے مرزا جہانگیر کے ایک خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی ہے، الہ آباد میں ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء میں انتقال ہوا۔ قطعہ تاریخ وفات:۔

این گردش چرخ این ستم ایجاد چرا شد ٭ کان فخر زمانی
افسوس کہ عازم سوئے فردوس سرا شد ٭ در عین جوانی
تاریخ وے از کلک قضا منشی تقدیر ٭ بر لوح محفوظ
بنوشت جہانگیر جہان دار بقا شد ٭ از منزل فانی

۹۶۰ + ۲۷۶ = ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء

شہزادہ کی والدہ نواب ممتاز محل نے خواجہ وجیہ الدین احمد خاں کو الہ آباد بھیجا، اور ان کی نعش منگوا کر دہلی مجر محمد شاہ بادشاہ کے قریب دفن کی گئی ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں مجر تیار ہوا۔

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۹۷، ۹۸۔ (۲) تاریخ اودھ حصہ چہارم ۶۶

(۳) مکاتیب شریف ص ۱۶

[3] سراج الدین بہادر شاہ ظفر مراد ہیں۔

(۴) سیرت فریدیہ ص ۲۲-۲۳- ۳۹

مرزا غلام حیدر :- برادران حضور (اکبر شاہ ثانی) کے خاص مشیروں میں سے ہے مرزا لکھو اور مرزا ملھو، اس کے دونوں بیٹے بادشاہ کے ہم نشینوں میں ہیں۔

امرائے دہلی :- اب میں شہر دہلی کے امراء اور رؤسا کا ذکر کرتا ہوں۔

بخشی محمود خاں :- نواب نجف خاں کے رشتہ داروں میں ہے، خوش بیان اور شاہی سواروں کا افسر ہے، امامیہ مذہب رکھتا ہے [1]

اشرف بیگ :- نجیب کی پلٹن اس کے سپرد ہے، فوج کا کام اچھا جانتا ہے۔

محمد میر خاں :- شاہ نظام الدین کا بیٹا، حضرت شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں ایک مدت تک قلعہ مبارک کے تمام کاموں کا مختار اور شہر کا حاکم رہا ہے، وہ سلسلۂ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کا پیرزادہ ہے، شیخ عبد القادر جیلانی پدری سلسلہ کے دادا اور خواجہ باقی باللہ مادری سلسلہ کے نانا ہیں، علوم درسیہ کی تحصیل تو کرلی ہے، لیکن احتیاطاً اپنے پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ہمیشہ دوسروں سے پوچھ کر کام کرتا ہے اکثر دینی مسائل میں مولوی رشید الدین خاں کے قول پر اور معاشیات میں منشی فیض الحسن کے مشورہ پر اعتماد کرتا ہے۔

---

[1] مجموعہ حالات عزیزی میں بخشی محمود خاں کی شادی کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ جب ان کی شادی ہوئی تو شادی کے موقعہ پر لوگوں کو شرکت کے لئے رقعے لکھے گئے ایک رقعہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کی خدمت میں بھی پہنچا حضرت شاہ صاحب نے رقعہ کی پشت پر یہ شعر لکھوا کر رقعہ واپس بھجوا دیا:

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را ؛ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں کہ بخشی محمود خاں ایرانی نژاد تھے، ہندوستانی لفظوں کا جن میں ٹ اور ڈ ہوتی ہے تلفظ نہیں ہو سکتا تھا، اس سلسلہ میں نواب فرید الدین خاں بہادر دبیر الدولہ کے خاندان کے بچوں سے خوب دلچسپ بحث رہتی تھی، بخشی محمود خاں نہایت خوش مزاج اور ظریف آدمی تھے، بادشاہ کے دربار میں نہایت خوش بیانی سے چھوٹے چھوٹے قصے بیان کرتے تھے۔

(۱) مجموعہ حالات عزیزی حصہ اول ص ۵ — (۲) تذکرہ عزیزیہ از قاضی بشیر الدین ص ۱۹، ۲۰

(۳) سیرت فریدیہ ص ۳۵ — (۴) اعجاز رنگین ورق ۷ ب

نواب ناظر:۔ اس کی خوش خلقی اس کے لازمی مرتبہ پر غالب ہے۔

خواجہ وحید الدین خاں:۔ خواجہ وحید الدین خاں پسر خواجہ فرید الدین خاں دبیر الدولہ، ایک مدت تک جنرل اختر لونی بہادر کا مصاحب خاص رہا، ملکہ عالم جناب عصمت مآب نواب رحیم النساء بیگم کی مہربانی پر بسر کرتا تھا۔[1]

نبی بخش خاں مرد ہہ:۔ حضور والا (اکبر شاہ ثانی) کے فدائیوں میں سے ہے اور جہاں پناہ اور ملکہ زماں کی عنایت کا مرجع ہے۔[2]

---

[1] دبیر الدولہ خواجہ فرید الدین خاں کے فرزند اکبر اور سر سید احمد خاں بہادر کے ماموں تھے۔ ان پر نواب ممتاز محل بیگم اکبر شاہ ثانی کی خاص نظر عنایت تھی، خواجہ وحید الدین ہی مرزا جہانگیر کی لاش الہ آباد سے لائے تھے، نواب ممتاز محل خواجہ وحید الدین کو مثل فرزند کے سمجھتی تھیں اور انہوں نے اپنے فرزند اصغر تیمور شاہ کا ان کو مختار کل مقرر کیا، مختار الدولہ کا خطاب ملا یہ واقعہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء کا ہے۔ خواجہ وحید الدین، نواب محل کے انتقال سے برس ڈیڑھ برس پہلے کسی بات سے ناراض ہو کر لکھنؤ چلے گئے جبکہ نواب علی نقی خاں نائب تھے۔ چند سال وہاں بھی نہایت اعزاز سے رہے، پھر وہاں سے آئے تو دلی میں رہنے لگے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کی سرکار میں بعض معاملات خصوصاً مالی پالیسی کے سلسلہ میں ان کی بھی طلبی ہوئی، فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج کے کچھ سپاہی خواجہ وحید الدین خاں کے مکان میں گھس آئے اور عین حالت نماز میں ان کے گولی مار دی۔

(۱) سیرت فریدیہ ص ۳۹۔ ۴۰

(۲) حیات جاوید حصہ اول از خواجہ الطاف حسین حالیؔ ص ۲۲ (مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۳ء)

[2] نبی بخش خاں دہلی کے نامور لوگوں میں سے تھے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زندہ تھے، دہلی میں جب جنگ کا آغاز ہوا اور انگریزوں کو گرفتار کرکے قلعہ میں لایا گیا تو نبی بخش خاں نے بہادر شاہ ظفر کو ایک عرضی اس مضمون کی لکھی تھی کہ مذہب اسلام میں عورتوں اور بچوں کا قتل ممنوع ہے اور بھی کسی مذہب میں یہ جائز نہیں ہے، اگر حضور عورتوں اور ناکردہ گناہ بچوں کے قتل سے باغیوں کو روکیں تو یہ بات حضور کے حق میں دنیا اور عقبیٰ میں بہتر ہوگی، جب دہلی فتح ہوئی تو اتفاق سے یہ عرضی دفتر سے برآمد ہوئی اس سلسلہ میں نبی بخش خاں کو پانسو روپے انعام ملے اور سرکاری خیر خواہوں میں ان کا شمار ہوا چنانچہ سر سید احمد خاں نے لائل محمڈنس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ الٰہی بخش مرحوم:۔ بادشاہ کے عقیدت مندوں میں سے ہے، نیک طینت ہے، حضرت ظل سبحانی (اکبر شاہ ثانی) کی ذات کے علاوہ کسی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

جبار بیگ خاں:۔ سمجھ دار، معقول اور جہاندیدہ شخص ہے، پرانی وضع رکھتا ہے

حکمائے دہلی:۔ دہلی کے حکماء میں نامور حضرات یہ ہیں:۔

حکیم شریف خاں:۔ اس شہر میں خاص شاہی طبیبوں میں اپنے فن میں شہرت رکھتے ہیں، طبی کتابوں مثلاً شرح اسباب اور نفیسی پر حاشیہ بھی لکھا ہے، ابھی تک

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) آف انڈیا میں ان کا ذکر کیا ہے۔

(۱) LOYAL MOHAMMADANS OF INDIA BY SYED AHMAD KHAN .MEERUTT 1860-61)

(۲) THE TRIAL OF MOHAMMAD BAHADUR SHAH BY H.L.O. GARROTT. P. 39 (LAHORE 1932)

(۳) تاریخ عروج عہد سلطنت انگلیشیہ از خان بہادر شمس العلماء محمد ذکاء اللہ دہلوی ص ۳۳۲ (شمس المطابع دہلی ۱۹۰۴ء)

(۴) دہلی کی سزا (ضمیمہ نامہ گورنمنٹ) مرتبہ خواجہ حسن نظامی ص ۱۰۶، ۱۷ (دہلی پرنٹنگ پریس ۱۹۲۶ء)

(۵) دہلی کا آخری سانس از خواجہ حسن نظامی ص ۳۷، ۳۸ (مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۲۵ء)

لے حکیم شریف خاں کے والد حکیم محمد اکمل خاں اپنے عہد کے نامی گرامی طبیب تھے، حکیم شریف خاں علم و فضل اور شہرت و ناموری میں باپ سے سبقت لے گئے، شاہ عالم بادشاہ (۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء تا ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) کے عہد میں شاہی طبیب رہے، اشرف الحکماء کا خطاب ملا، سر سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:۔ "اپنے عصر میں سرآمد حکماء اور سرحلقۂ اطباء تھے آج تک ان کے کمالات کا شہرہ گنبد دوار میں از بس بلند ہے، جالینوس و ارسطو کا غلغلہ اس کے سامنے ایسا ہے جیسا طوطی کی آواز نقار خانے میں اور فی الحقیقت اس روزگار کے اکثر اطباء نامی انہیں کی نسبت شاگردی سے سرمایہ اعتبار کا رکھتے ہیں"۔

حکیم شریف خاں تصنیف و تالیف کا بھی شوق رکھتے تھے، مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ کاشف المشکوٰۃ کے

بندہ کی نظر سے نہیں گزرا، مفردات میں بھی ایک کتاب وہ تالیف شریفی بخواص ادویہ ہندی ہے، اس سے لوگوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ ہندی دواؤں کی خاصیت بھی معلوم ہوگئی، بعض ہندی، یونانی، فارسی اور عربی دواؤں کے ناموں کی مطابقت بھی کی ہے۔

بعض لوگوں سے میں نے سنا کہ حکیم شریف خاں فرماتے تھے کہ قطب فلک الافلاک کا سکون محال ہے، بلکہ اس دعویٰ کو قلم بند بھی کر دیا ہے، مگر بندہ نے نہ خود دیکھا نہ سنا، یا انہوں نے ستارہ جدی (؟) کے متعلق لکھ دیا ہو جو قطب شمالی میں ہے اس لئے کہ نقطہ بھی اسی میں مشہور ہو گیا ہے، نقل کرنے والوں نے ان کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے اس طرح ظاہر کر دیا یا بڑھاپے میں ان کے خیال میں اسی طرح آگیا ہو ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ محوری خط کے کنارہ کو قطب کہتے ہیں اور محور اس خط

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نام سے گیا حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب، آثار نبوت، علاج الامراض مجار نافعہ۔ دستور الفصد، شرح مبحث حمیات قانون اور تالیف شریفی وغیرہ متعدد عربی و فارسی کی تصانیف ان سے یادگار ہیں، حکیم شریف خاں کا بڑا کارنامہ قرآن شریف کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی سے تقریباً بیس سال پہلے کا ہے، حکیم محمد احمد خاں دہلوی (متوفی ۱۹۳۵ء) کے پاس یہ پورا ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا، تذکرہ علمائے ہند میں حکیم شریف خاں کا انتقال ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء میں لکھا ہے اور یہ قطعہ تاریخ درج ہے:-

دریغا از این دار فانی گزشت	حکیم و طبیب و لطیف و ظریف
خرد گفت سال وفاتش بمن	صد افسوس مرزا محمد شریف ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء

مگر حکیم شریف خاں کے مزار پر جو لوح کندہ ہے اس پر ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء تحریر ہے۔ لوح مزار اس طرح ہے:-

هو الحکیم

هذا مرقد اشرف الحکماء الحکیم محمد شریف خاں الدهلوی دخل الجنة بلاحساب ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء

تفصیل کے لئے دیکھئے۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۳۷ (۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۸۵

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کو کہتے ہیں جو مرکز پر گزرتے ہوئے قطبین کو ملا دے اسی خط پر کرہ کی گردش
ہوتی ہے، اور منطقہ کی جگہ پر کرہ کی حرکت ان سب دائروں سے تیز ہوتی ہے
جو منطقہ کی سیدھ میں ہوں، کیونکہ وہ جتنی مدت میں بقدر قطر مسافت طے
کرے گا، دوسرے دائرے بقدر اتار نمبروار کم ہوتے جائیں گے اور یہ حرکت محور
میں جہاں کرہ کی انتہا ہے ختم ہو جاتی ہے اور محور وہی قطب ہے، غالباً محور یا ایک
ستون اور دائرہ کا قطب بہت چھوٹا خیال میں آگیا۔

اس خیال سے اس بزرگوار کے فن طب کے کمال میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا کیونکہ
بہت سے علماء جن کا ذہن امور عامہ اور طبیعیات کی مشق میں شک کا عادی ہو گیا
ہو، ریاضی کے یقینی تخیل کو بھی ہلا ڈالتے ہیں، چنانچہ محقق دوانی نے شرح مواقف
کے حاشیہ میں ماتن کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان دو دائروں کے محیط کا
انطباق بعد جو درمیان میں ملے ہوئے ہوں دونوں کے مرکز کے فاصلہ کے
برابر ہوگا، اس پر دلائل دئے ہیں اور غصہ میں آکر مقدمات
ہندسیہ کو پوچ کہہ دیا، حالانکہ مشاہدہ اور دلیل میں دوگنا فرق ہوتا ہے، اس کا
مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے، اتنا ذرا سا فرق نہیں جو محسوس نہ ہو سکے اس کی
دلیل یہ ہے کہ اگر ملے ہوئے دائرہ کے ایک مرکز سے ایک اتنا بڑا دائرہ کھینچیں جو
دوسرے دائرہ کے قطر سے مل جائے تو اگر ان دونوں مرکزوں میں ایک انگشت کا
فاصلہ ہوگا تو دائرہ کا قطر بڑے دائرہ کے قطر سے دو انگشت چھوٹا ہوگا
کیونکہ قطر کے دونوں جانب ایک ایک انگشت فاصلہ ہو گیا، اس صورت میں ٹی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) (۳) مختصر سیر ہندوستان ص ۸۱

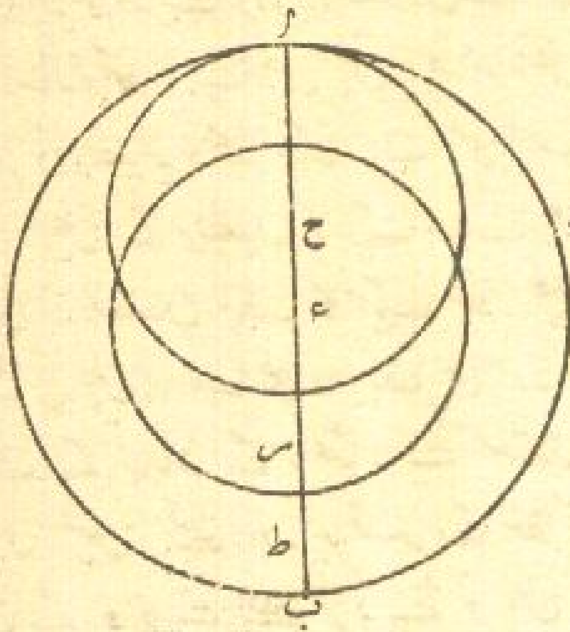
(۴) حیات اجمل از قاضی عبد الغفار ص ۱۰۹ (انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ)

(۵) داستان تاریخ ادب اردو ص ۱۳۴ - ۱۳۵

(۶) LIST OF MUHAMMADAN AND HINDU MONUMENTS, III PP 42 - 43

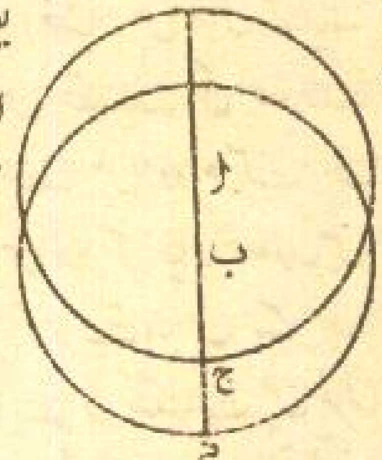
ہوئی جانب میں ایک انگل کا فاصلہ کم ہو گیا اور دوسری جانب بڑھ گیا، ورنہ جز کا کل کی برابر ہونا لازم آجائے گا یعنی ج ط ، ج س

منشاء مولوی عبد القادر



منشاء محقق دوانی

یعنی ج اور د کا فاصلہ اتنا ہی ہو گا جتنا کہ ا اور ب میں ہے



حکیم ذکاء اللہ خاں:۔ حکیم ذکاء اللہ خاں حاذق الملک تشخیص اور علاج میں بہت مشہور تھے، ان کی بھی معالجات میں ایک کتاب ہے بندہ (مولوی عبد القادر) نے معالجات ذکائی اور معالجات شریف خانی دونوں کتابیں دیکھی ہیں، ان دونوں بزرگوں نے دونوں کتابوں میں پہلے لوگوں کی تصانیف پر اپنے مجربات اضافہ کئے ہیں جیسا کہ اس فن کے مصنفوں کا طریقہ ہے، ایک کا تجربہ دوسرے کو یقین کا فائدہ نہیں دیتا اور اپنے تجربہ کی روشنی میں یقین حاصل کرتے ہیں، مگر وہ بھی عام طور پر ہر ملک، ہر شخص اور ہر زمانہ میں مشکل سے مفید ہوتا ہے، جملہ "سقمونیا صفرا کا مسہل ہے" اتنا مشہور ہے کہ منطقی رسالوں میں مثال کے طور پہ لاتے ہیں علا

لہ ایک دوا کا نام ہے، جسے انگریزی میں SACMONY کہتے ہیں۔

قطب الدین درۃ التاج میں لکھتے ہیں کہ ملک صقلاب میں سقمونیا ہرگز اسہال کا فائدہ نہیں دیتا، میری یہ رائے ہے کہ اگر یہ بزرگ (حکیم ذکاء اللہ خاں) اتنی ہمت کر جاتے کہ ایک چھوٹا سا رسالہ ایسا لکھ دیتے جس میں ہر مرض کی خاص خاص علامتیں ہوتیں اور مشترک علامتوں کو چھوڑ دیتے تو بہت مفید ہوتا اور یقیناً وہ اس پر قادر تھے اور دوسروں کے لئے مشتبہ صورت میں نفع دیتا یا کوئی ایسا رسالہ لکھ دیتے جس میں اقسام نبض کی تصویریں ہوتیں تاکہ سیکھنے والا ہر قسم کی تصویر دیکھ سکتا، اب کسی استاد یا شاگرد کے اختیار میں نہیں کہ ایک قسم کی نبض کے مریضوں کو ایک مطب میں جمع کر سکے، اس تصنیف کی صورت یہ ہوتی کہ معتدل نبضہ کا ایک خط کھینچتے، پھر چونکہ ہر نبضہ میں دو حرکت اور دو سکون ہیں، انبساطی و انقباضی اور مرکزی و محیطی، اس خط کو چار حصوں میں ہر ایک کے زمانہ کے اعتبار سے معتدل نبضہ میں تقسیم کر دیتے، اس کے بعد دوسری قسمیں لکھتے اور ہر قسم کے خط کو لکھ کر حرکات و سکنات میں فرق زماں کے لحاظ سے جیسے کر دیتے تو اس قدر درد سری اور دشواری نہ ہوتی جتنی کہ موٹی موٹی کتابوں کی تصنیف میں فرمائی ہے، البتہ غور و فکر کی زیادہ ضرورت پڑتی کیا کیا جائے کہ ایک عرصہ سے تمام فنون کے علماء نے کسی نئی کارآمد اور نئی ایجاد پر ہمت نہیں باندھی اور جان سے زیادہ جسم کو تحصیل علم میں کھپا دیا۔

دہلی کے ہندو فضلاء:۔ دہلی کے ہندوؤں میں علم و فضل کے اعتبار سے یہ لوگ ہیں۔

پنڈت مرلی دھر:۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کے ہندوؤں میں پنڈت مرلی دھر تمام علوم ہندیہ سے واقفیت رکھتے تھے لیکن بندہ نے انہیں نہیں دیکھا۔

پنڈت کتانند(؟)، پنڈت کتانند بہاری لال کی سفارش سے چند روز اجمیر میں عدالتی پنڈت رہے، علوم ریاضیہ کے علاوہ ہندوؤں کے دوسرے علوم سے بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے مطابق فتویٰ جس کو ہندی زبان میں ”بوسنا“ کہتے ہیں اچھا لکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک گود دیا ناکہ، پھکر کے

تالاب میں ایک آدمی کو ڈسے گیا تھا، صاحبان انگریز کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ انسان کو مار ڈالنے والے جانور کو ہلاک کر ڈالنا چاہئے یا نہیں اس سلسلہ میں اس پنڈت نے نہایت زیرکی سے جواب لکھا کہ انسان پر حملہ کرتے وقت یا کسی انسان کو مار ڈالنے کے بعد ضرور ہلاک کر دینا چاہئے لیکن اس مخصوص ذات کو اور نہ اس جنس میں سے ہر ایک کو صرف اس خیال سے کہ یہ جنس، انسان کو ستاتی ہے اس جنس ہی کے پیچھے پڑ جانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں ہے، جیسے کہ بے ارتکاز جسرم و قتل؛ غارت پیشہ قوم کے مار ڈالنے کا کوئی جواز نہیں ہے، سب نے ان کے جواب کو پسند کیا۔

پنڈت گنانند سے بندہ کا میل جول تھا، اسی لئے میں نے اپنے طور سے پوچھا کہ اگر کبھی صاحب علم و عمل پنڈتوں نے ایسا کیا ہو تو سند ہو سکتا ہے یا نہیں جواب دیا سند ہے، میں نے کہا کہ راجہ جنمی جی نے اسی بنا پر کہ راجہ پری چھت کو ایک سانپ نے کاٹ لیا تھا، پنڈتوں سے فرمایا کہ سارے سانپوں کو منتر سے مار ڈالیں، چنانچہ ان لوگوں نے بہت سے سانپ مار ڈالے اس پر پنڈت جی نے جواب دیا کہ راجہ پری چھت کو مارنے والے سانپ کا نام تچھک تھا جو ہندوؤں کے اعتقاد میں تمام سانپوں کا بادشاہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ افسر کے جسرم میں لشکر پٹا کرتا ہے۔

آرتھ رام (۲)، سراوگیوں میں آرتھ رام نامی جے پور کے باشندے سگن چند کی پیٹھی میں رہتے تھے ان کے مذہب کے لوگ کہتے تھے کہ آرتھ رام کوئی بڑے عالم و عامل نہ تھے مگر خوش بیان اور زود فہم تھے، ایک روز ان کے چیلوں میں سے ایک نے بندہ سے پوچھا کہ کسی جاندار کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کو ستائے یا اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، اس کو مارنا اور ستانا برا ہے یا نہیں، میں اس وقت سگن چند کے گھر سے نکلا تھا، میں نے فوراً جواب دیا کہ میں اپنی تحقیق اور عقلی رائے تو کسی سے نہیں کہتا، لیکن آرتھ رام کے اصول کے مطابق اس کا جواب ظاہر ہے کہ کوئی جاندار اگر اپنی زندگی میں اسی لئے تکلیف اٹھاتا ہے کہ اس نے پہلے جنم میں دوسروں کو

ستایا تھا اور اسی بناء پر وہ مارے جاتے ہیں کہ پہلے جنم میں مار چکے ہیں یہ جواب سنکر وہ شخص چلا گیا اور پھر نہ آیا۔

چترنداس:۔ شاہ عالم بادشاہ کے ابتدائی زمانہ میں چترنداس نامی ایک درویش تھا، ہندو مذہب کی کتابوں سے خوب واقف تھا، مسلمانوں کے رسم و رواج بھی جانتا تھا، اس کے چیلے بہت ہیں، یہ لوگ بت نہیں پوجتے اور عبادت فکر سے کرتے ہیں، اس درویش نے ایک کتاب فن سرود (راگ) میں بزبان ہندی لکھی ہے، جو ہندی نظم کی ایک قسم چوبولے کے وزن میں ہے، یہ کتاب بہت رواج پاگئی ہے اور یہ فن سانس کے دائیں اور بائیں نتھنے سے نکلنے پر چند امور کی دلیل بن جاتا ہے اور اس فن میں بہت سی چیزیں ہیں جن میں سے کچھ مجھ کم عقل کی سمجھ میں بھی آتی ہیں یعنی متنفس کی حالت صحت و مرض اور موت و حیات کے دلائل اور دوسرے استدلال مثلاً گذشتہ واقعات دوسرے حالات پر ہیں اور متنفس کی غربت و مالداری اور آرام و تکلیف علیحدہ علیحدہ انداز پر ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی اور اگر سمجھ میں آ بھی جائے تو بھی اس کو علم ہی نہیں سمجھتا بلکہ فال دیکھنے والوں، رمالوں اور ہاتھ دیکھنے والوں کی باتیں سمجھتا ہوں

دہلی کے ارباب موسیقی:۔ دہلی کے ارباب موسیقی میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:۔

نعمت خاں و فیروز خاں:۔ اس شہر میں نعمت خاں سدا رنگ[1] اور فیروز خاں ادا رنگ کا خاندان ہے، یہ خاندان موسیقی جاننے والوں میں مشہور عالم ہے یہ دونوں

---

[1] نعمت خاں کے متعلق درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:۔

بہ در ہندوستان وجودش از نعمت ہائے عظمیٰ است در اختراع نغمات و ایجاد شعبات ید طولیٰ دارد و با نائکان پیشین پہلو می زند و موجد خیالہائے رنگین است، در چندین زبان تصانیف دارد، بالفعل سرجمع مغنیان دہلی است و بمقتضائے تمناے ذاتی غیر از بادشاہ بہ ہیچکس سر فرو نمی آرد در عہد محمد معزالدین طرفہ سازندگی داشت در عرسہائے بزرگان حاضر میشود و خود ہم یازدہم می کند رقاصان و اہل شہر ہر ماہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

محمد شاہ کے زمانہ میں تھے۔

دوسرے (فیروز خاں ادا رنگ) کی ساز زندگی کا تار شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں ٹوٹ گیا[1] اس نے کئی سروں کو ملا کر ایک سُر نکالا اور "سندورا" نام رکھا، جو رواج بھی پا گیا ہے۔ اکثر لوگ بسنت کی راتوں میں ہوری دھولی اسی سُر میں گاتے ہیں اور ستار پر پردے کی بجائے سندری باندھی جس سے عمدگی پیدا ہو گئی اور ہندیوں کے نزدیک اس فن کا گُر یہ تھا کہ تین "سپتک" گلے سے ادا نہیں کئے جا سکتے، مگر فیروز خان نے ادا کئے، لیکن کہتے ہیں کہ وہ مشق سے ایک "سپتک" کو سینہ کی آواز سے ادا کرتا تھا اور اس کے سینے کی آواز بلندی کی وجہ سے گلے کی آواز جیسی ہو جاتی تھی اور یہ ہو سکتا ہے کیونکہ بہت سے بھکاری مشق کرکے بھیک کے لئے سینہ سے کلام کرتے ہیں۔

راگ رس خاں:۔ ہمارے زمانہ میں نور خاں، رس بین خاں اور راگ رس خاں[2]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) روز یازدہم بخانہ اش ہجوم می کنند بمثابہ کثرت میشود کہ جا ہم نمیرسد لہذا از صبح مردم سبقت می کنند و این صحبت تا سفیدہ صبح می کشد......... در نوا ختن بین مہارتے دارد کہ شاید در عرصہ وجود بہتر ازین خلق نشدہ باشد" مرقع دہلی ص ۵۵

[1] فیروز خاں کے متعلق درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:۔

"در تمہید آلات طرفہ دستے دارد تا چہار چہار ساعت بچندین رنگ بہ نغمات مختلف و آہنگہائے بیشی مترنم می شود و بقوت استعداد اعادہ باصل آہنگ می نماید ہوش در تفنع آواز کل مغنیان می پرد و این قسم صنعت قدرت ہیچ کس نیست خواندنش بکیفیت است"

[2] سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں "یہ فن بین نوازی میں یکتائے روزگار اور یگانۂ شہر و دیار، اس کی بین کا سر تار شیرازۂ کتاب معرفت تھا، جیسا ہمت خاں فن نغمہ میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا، یہ صاحب کمال بین نوازی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، ہمت خان کے ساتھ دوسری اور چھ بیوی کو حضرت موصوف (سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ میر درد) کے روبرو صحبت بین نوازی سے گوش شوق کو ممنون اور سامعہ تمنا کو رہون کرتا تھا چند سال گزرے کہ عالم فانی سے عالم باقی کو راہی ہوا" آثار الصنادید باب چہارم ص ۱۲۳ - ۱۲۴

بین بجانے والے سے

ناصر احمد[1]:- جب بندہ (مولوی عبدالقادر) اس شہر میں پہنچا ناصر احمد کی بین اور ہمت خاں کا گانا سنا

ہمت خاں:- ہمت خاں بیشک اس فن (موسیقی) کا ماہر تھا، لیکن سکھانے میں بہت دھوکے دیتا تھا۔ رات میں دیپک، اور ہمیر* دونوں کا گلے سے نکالنا مشکل کام ہے، لیکن میں ایک محفل میں موجود تھا، اس میں ہمت خاں نے خوب ادا کیا[2]

---

[1] سر سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں :-

"چونکہ اس صاحب کمال نے اپنے نانا مرحوم (ہمت خاں) کی صحبت میں رشد و بلوغ بہم پہنچایا۔ اس کی فیض تربیت سے فن موسیقی میں یکتائے عہد ہوگیا، وہ مغفور (ہمت خاں)، فن نغمہ سرائی میں مشہور روزگار تھا، یہ یکتائے زمانہ نغمہ سرائی اور بین نوازی دونوں میں معروف روزگار ہوا اور ان دونوں کاموں کو ایسا کیا کہ نوشش اہل روزگار نے کہن ترانہ ہائے سابقین کو فراموش کیا اور کملائے دہر کو یہ اعتقاد ہے کہ جیسا ان چیزوں کو انہوں نے برتا اساتذۂ سلف کو مجال نہ تھی کہ اس کے عشر عشیر پر بھی قادر ہو سکتے، اپنے نانا (ہمت خاں) کی وفات کے بعد بدستور قدیم حضرت خواجہ محمد نصیر مرحوم (سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ میر درد) کے سامنے یہ بھی نغمہ سرائی اور بین نوازی ان ہی دونوں تاریخوں (دوسری اور چوبیویں) میں کرتے رہے .... اب گردش آسیائے گردوں سے بتقریب تلاش رزق نواح صوبہ اودھ کی جانب روانہ ہوگئے ہیں۔

(۱) آثار الصنادید باب چہارم ص ۲۴۴، (۲) سیرت فریدیہ ص ۴۱، ۴۲

(۳) عین الانسان از قاضی علی احمد محمود اللہ شاہ بدایونی ص ۲۵ (دکٹوریہ پریس بدایوں، قریب ۱۳۱۶ھ، ۱۸۹۹ء)

[2] سر سید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں :-

"یہ بادیہ اس کا شاگرد تھا .... دھرپد کے گانے میں اس کا نظیر نہ تھا، اگر تان سین زندہ ہوتا تو اس کی شاگردی کرتا اور اگر بیجو باورا قید حیات میں ہوتا خط غلامی لکھ دیتا، ہر چند اطراف عالم سے ذوق کے

(بقیہ اگلے صفحہ)

---

* دیپک، اور ہمیر راگوں کے نام ہیں۔

قاسم خاں:۔ قاسم خاں پسر عالم خاں بھی فن موسیقی میں مشہور ہے میں نے رام پور میں نواب نصراللہ خاں[۱] کے زمانہ میں بارہا اس کا گانا سنا ہے وہ ایک عرض پر گاتا تھا اور اس کے تین ساتھی تین تال گاتے تھے اور سم برابر پڑ رہا تھا، بہت سے لوگ اس عجیب صفت پر اس کے کمال کی تعریف کرتے تھے، حالانکہ یہ کوئی بڑی کاریگری نہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر چند تال میدان میں ادا ہوں تو ان کی باہمی نسبت دوگنی، آدھی، تہائی چوتھائی یا برابر کی ہوگی، جیساکہ روپک کہ چوتالہ آرہ کی ادھیائی ہے، اور جھپک ۱۰، میدان میں آرہ چوتالہ کی برابری رکھتا ہے۔ اور سم پر برابر آجاتے ہیں[۲]

وسلسلہ صفیر گذشتہ ذوی الاقتدار اور راجہ ہائے عالی تبار نہایت آرزو سے بطلب خط پر خط لکھ کر تمنا کرتے تھے کہ یہ صاحب کمال قصد ان کی ملازمت کا کرے، باستقامت استغنائے خداداد جو ارباب کمال کے لوازم ذاتیہ سے ہے، تمام عمر ان کی طرف منہ نہ کیا اور دلی سے قدم باہر نہ رکھا، جو نغمہ سرائے ممالک دور دست سے مدعی اس فن کا ہو کر وارد شاہجہاں آباد ہوا، اس کی ایک تان کے سنتے ہی نہ تال کی خبر رہی نہ سر کی اور اس کے قدم کی خاک کو اپنی اپنی آنکھ کا کحل الجواہر بنایا، حضرت بابرکت شاہ محمد نصیر صاحب مرحوم سجادہ نشین خلافت حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے سامنے بنا بر رسم مستمرہ کے دوسری اور چوبیسویں ہر مہینے کو مجلس نغمہ گرم کیا کرتا تھا اور در و دیوار اس کی الحان داؤدی سے مست ہو جاتے تھے۔" آثار الصنادید باب چہارم ص ۱۲۳

[۱] نواب نصراللہ خاں کے لئے ملاحظہ ہو باب اول ص ۲۸۲

[۲] سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں:۔

"دھرپد نوازی میں ایسا کامل تھا کہ مقامات دوازدہ گانہ راگ (بارہ راگ) کو کہ کمال صعوبت سے ہفت خوان رستم کا حال رکھتے ہیں، اس کے انفاس معجزہ اساس نے بآسانی سیر کیا تھا، عہد آدم سے اس دم تک ایسا ماہر پیدا نہیں ہوا اور اس زمانہ سے نفخ صور تک اس کے نظیر کا پیدا ہونا متصور نہیں مگر چند سال سے عالم فانی سے کوچ کیا۔" آثار الصنادید باب چہارم ص ۱۲۸

نظام خاں[۱]:۔ قائم خاں کا لڑکا نظام خاں اپنے باپ کا بہترین جانشین تھا اور مان خاں اس فن میں اتنا کمال رکھتا تھا کہ بعض اس کو ہمت خاں پر ترجیح دیتے تھے، یہ لوگ دھرپت گانے والے تھے۔ زجی اور رجپال مشہور تھا اور اچپل الفاظ کی ترکیب میں مشہور، ٹپہ اور ٹھمری بہت عمدہ گاتے ہیں اور جناب حیثیت لوگوں میں خواجہ میر دردؔ کا خاندان اس فن کو خوب جانتا ہے، شاہ نظام الدین عرف بڑے صاحب کا بھتیجا بین بجاتے ہیں اور غلام حسین خاں پسر فیض اللہ بیگ خاں کا لڑکا ستار بجانے میں سب سے بہتر شمار ہوتا ہے

موسیقی کی اصطلاحات:۔ اب اس فن کے اصطلاحی الفاظ کی کچھ تشریح کرتا ہوں جو ذہن میں آگئے ہیں۔

دھرپد:۔ بھاشا زبان کا لفظ ہے، چار تک رکھتا ہے، پہلی تک کو استھائی دوسری کو انترا، تیسری کو بھوگ اور چوتھی کو ابھوگ کہتے ہیں اس میں حسن وعشق کا بیان ہوتا ہے، اگر مہادیو کی تعریف ہو تو اِستُتِ، وشنو کی تعریف ہو تو شبد بادشاہی دبدبہ کے بیان کو سارا، بہادری اور لڑائی کے بیان کو کڑکا کہتے ہیں حقیقت سب کی ایک ہے، اور وہ ساز جس پر یہ گایا جاتا ہے، بین، رباب، تجانون پکھاوج، منڈلی اور مردنگ ہیں اور وہ تالیں جو اس میں اچھی معلوم ہوتی ہیں، چوتالہ، سور بجاکتا جس کو سور فاختہ کہتے ہیں اور دھیمالہ تتالہ ہیں اور راگ روانی کے قریب ہو اس کا اس میں گانا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس میں آواز کی نیچی اونچی ہلکی بھاری لوٹ پھیر کرنے کی تانیں مقرر ہیں[۲]

---

[۱] سرسید احمد خاں بہادر لکھتے ہیں: "دھرپد سرائی میں بے مثل و مانند ادنیٰ شاگرد ان کا بیجو باؤرا کو خیال میں نہیں لاتا تھا۔ عرصہ قلیل ہوا کہ شبستان عالم بغیر اس کے وجود عشرت آمود ماتم سرا ہو گئی" آثار الصنادید باب چہارم ۱۲۵

[۲]: ملاحظہ ہو مطلع العلوم مجمع الفنون از واجد علی ساکن ہوگلی (کلکتہ) ص ۲۶۵ مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۰ء

ہوری:۔ ہوری بھی اسی طرح ہے، مگر اس کی تکیں دھرپد کی تکوں سے چھوٹی ہیں پرانی ہوری کی تال دھمال ہے اس کے بعد دیپ چندی بھی پیدا ہو گئی اس میں موسم بہار اور عورتوں کی عیش پرستی کا بیان ہوتا ہے۔

دھرپد کا موجد مان سنگھ گوالیاری کو بتایا جاتا ہے اور خیال سلطان حسین شرقی کی ایجاد ہے، کتاب تحفۃ الہند سلطان کی یادگار ہے، اس سے قبل اس (خیال) کو استاد کے تجویز کردہ نام سے گاتے تھے نعمت خاں اور فیروز خاں نے اس میں اپج شروع کی اس میں آواز کی طاقت اور ورزش کا اظہار ہوتا ہے اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اپجوں کی زیادتی سے راگ اور تال دونوں جاتے رہے۔

اس فن کا اصلی مقصد پریشان دل کو سکون بخشنا تھا، مگر اب اس کے خلاف کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور موسیقی کا اصل منشاء تناسب، فوت ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر علم و فن میں خود نما مدعی پیدا ہو گئے ہیں، زہد کا مقصد آزادی اور بے تکلفی حاصل کرنا تھا، مگر اب نام نہاد زہاد، بادشاہوں اور امیروں سے زیادہ تکلفات کے عادی ہیں، منطق کا مطلب معلومات کی ترتیب میں غلطی سے بچنا تھا، اب جس قدر زیادہ مغالطے کوئی جمع کر دے، یہانتک کہ خود بھی ان سے نہ نکل سکے بس وہی اس فن میں نامور ہے، فلسفہ کا منشاء عقل سے چیزوں کا معلوم کرنا تھا، آج فلسفی کا بس یہ کمال ہے کہ مصطلحات کو رٹ کر دوسروں کے سامنے کہہ دے جس کو نہ خود سمجھے اور نہ اس کا مخاطب سمجھے، متکلم کا یہ مقصد ہوتا تھا کہ شریعت کی باتوں کو عقلی طور سے صحیح کر دکھائے اور جو بات عقلاً محال ہو وہاں شرعی قول کی تاویل کر دی جائے لیکن اس زمانہ میں متکلم کا یہ کام ہے کہ خواہ مخواہ اپنے ملک کے گذشتہ متکلمین کی آراء کو کلام الٰہی کی طرح تسلیم کروائے اور اگر کسی کے دل میں نہ اترے تو برا بھلا کہنے لگے۔

ٹپہ:۔ ٹپہ میں چھوٹی سی دو تکیں ہیں، پہلے پنجابی زبان میں اور اس کے بعد مارواڑی اور دوسری زبانوں میں جاری ہو گیا، اس میں اپج کا رواج بہت

ہے، مگر اچھا کم لگتا ہے اور ٹھمری اس سے زیادہ مختصر ہے۔ کہروا، اور دادرا بندیل کھنڈ میں نکلا اور ساری بنگالہ میں ٹھمریاں ہی ہیں، ٹپہ اور ٹھمری وغیرہ بچوں اور عورتوں کی نرم آواز کے مناسب ہیں اور دھرپد بھاری آواز کے لئے موزوں ہے۔ الفاظ کو وزن سے گانے کا نام تال ہے، راگ اس پر موقوف نہیں کیونکہ الاپ میں راگ ہے تال نہیں اور پکھاوج، ڈھولک، مردنگ اور دف میں تال ہے راگ نہیں۔

بین:۔ بین ایک ساز ہے کہ ایک لکڑی میں دو کدو باندھ دیتے ہیں اور اس لکڑی پر بہت سے تار باندھتے ہیں اور ان تاروں کے نیچے اکیس جگہ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتے ہیں، جن کو سار کہتے ہیں اور اس کو دونوں ہاتھوں سے بجاتے ہیں کبھی مضراب سے اور کبھی ناخن سے اور ستار، بین کا مختصر ہے جو ایک کدو تین تار اور چودہ لکڑیوں کا ہوتا ہے اس کو سندری بھی کہتے ہیں۔

آواز کی پستی و بلندی کے سات درجے مقرر کئے ہیں، پہلے درجہ کو کھرج اور سُر بھی کہتے ہیں، دوسرے کو رکھب، تیسرے کو گندھار، چوتھے کو مدھم، پانچویں کو پنچم، چھٹے کو دھیوت اور ساتویں کو نکھاد کہتے ہیں اور جب نکھاد سے اوپر کو جائیں تو کھرج ہو جاتا ہے، جو پہلے کھرج سے بہت اونچا ہوتا ہے کیونکہ ان سروں کا فرق مدارج کی تیزی اور سستی پر ہے، نہ کہ آواز کی پستی و بلندی پر، اور ایک تار کے جب دونوں سرے (کھینچکر) باندھ دیں اور ایک جانب انگلی سے ماریں تو ایک آواز نکلے گی پھر اس کے قریب تر اس سے تیز یہاں تک کہ آدھے تار تک آواز تیز ہوتی جائے گی اور آدھے کے بعد پھر وہی پہلی سی ہو جائے گی، لیکن صدا (گونج) بڑھ جائے گی[1]

---

[1] فن ستار پر اردو میں ایک مفصل رسالہ مرزا رحیم بیگ ولد مرزا باقر بیگ نے ۱۸۸۵ء میں بمقام لاہور اور بانس بریلی تسہیل الستار کے نام سے مرتب کیا، اس میں مؤلف نے اس فن کو نہایت آسان کر کے بیان کیا ہے۔ مطبع نولکشور سے یہ رسالہ ۱۹۱۳ء میں (بار ششم) شائع ہوا ہے۔

اس سلسلے میں بیان کو اگر طول دیا جائے تو ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے اور اس کتاب کے مطالعہ سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ راگ، سر اور تال کی کونسی قسم ہے، اس سلسلہ میں دو تین باتیں ذہن نشین رکھنی چاہئیں کہ جب کوئی گندھار والا شر گا رہا ہوگا تو یقیناً اس کے دونوں نتھنے پھیلے ہوئے ہوں گے اور دھیوت کے ادا کرنے میں ناف ہلتی ہے، اسی طرح ہر ایک کی ایک خاصیت ہے، دوسرے راگوں کے بھی پہچاننے کا بھی طریقہ ہے، لیکن چونکہ آج کل کے بہت سے لوگ ہمہ دانی کے مدعی ہیں حالانکہ جانتے کچھ نہیں ہیں، اس لئے ان اسرار و رموز کو بیکار نہیں کہنا چاہئے، موسیقاروں نے راگوں کے لئے جو صورتیں اور اوقات مقرر کئے ہیں، وہ ہندوؤں کے اعتقاد کی بنا پر ہیں۔

شہر دہلی میں چرنے والوں کی عورتیں شادیوں میں ناچنے گانے کے لئے خود بخود (بغیر بلائے) چلی جاتی ہیں اور مزدوری لیتی ہیں۔

(٭)

باب ششم

دہلی کی رزیڈنسی - دہلی کی رزیڈنسی کا تعلق جودھپور، جےپور، کوٹہ، بوندی، سروہی، اودےپور، جیسلمیر، بیکانیر، الور، بھرت پور، پٹیالہ، جیند، کپتھل، لاہور اور کشن گڑھ سے ہے۔ کشن گڑھ بیکانیر اور جودھپور میں راٹھور، جےپور اور الور میں ہاڈہ، کچھواہہ، اودےپور میں سیسودیہ، کوٹہ اور بوندی میں ہاڈہ، سروہی میں دیوڑہ، جیسلمیر میں بھاٹی، بھرت پور میں جاٹ، پٹیالہ، جیند، کپتھل اور لاہور میں سکھ حکمراں ہیں۔

سکھ - سکھوں کے مذہب کے بانی گرو نانک[1] تھے۔ اور آخری گرو، گوبند سنگھ تھے۔ سکھ مرید کو

---

[1] بانی سکھ گرو نانک قوم کے کھتری تھے سنہ ۱۴۶۹ء میں بمقام تلونڈی صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں سید حسین شاہ درویش کی خدمت میں رہ کر اُنھوں نے کچھ لیاقت حاصل کی پھر تارک الدنیا ہوکر عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ اور ایک نئے مذہب کے بانی ہوئے۔ گرو نانک کی وفات کے بعد گرو انگد گدی پر بیٹھا۔ وہ سنہ ۱۵۵۲ء میں مرگیا۔ اور امرداس کھتری اُس کا قائم مقام ہوا۔ امرداس کھتری کا انتقال سنہ ۱۵۷۴ء میں ہوا۔ اس کے بعد رام داس گدی نشین ہوا۔ اس نے شہر "چاک" کو بڑی رونق دی اور ایک تالاب تعمیر کرایا جو کہ "امرتسر" کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض لوگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ اس نے شہر امرتسر کی بنیاد ڈالی ہے یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ سابق میں یہ شہر "چاک" کے نام سے مشہور تھا۔ البتہ رام داس نے اس شہر کو رونق ضرور دی رام داس سنہ ۱۵۸۱ء میں مرگیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ارجن مل جانشین ہوا اس نے آدگرنتھ یعنی سکھوں کی مذہبی کتاب کی پہلی جلد مرتب کی اور چند قواعد مذہب کے انتظام اور ترتیب کے لئے مقرر کئے یہ شخص سنہ ۱۶۰۶ء میں فوت ہوا اس کی بجائے اس کا لڑکا ہرگوبند گدی پر بیٹھا۔ یہ شخص سپاہی تھا اس نے ہی سب سے پہلے سکھوں کو گائے کے سوائے دوسرے جانوروں کے گوشت کھانے کی اجازت دی۔ یہ شخص سنہ ۱۶۴۴ء میں مرگیا۔ اور اس کا پوتا ہررائے اس کا قائم مقام ہوا سنہ ۱۶۶۱ء میں ہررائے کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہری کرشن اُس کا جانشین ہوا جو سنہ ۱۶۶۳ء میں

(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

اور سنگھ شیر کو کہتے ہیں، اگانٹھ میں کوڑی نہ تھی تو سکھ تھے اور روپئے والے ہوئے پوئے تو سنگھ ہو گئے۔ سکھ بُت پرستی کو بُرا جانتے ہیں بدن کے بال نہ لینے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ خدا کی یاد اور نانک کے کلام کو اچھا سمجھتے ہیں نانک کے کلام کا نام گرنتھ ہے اور یہ کلام عقل کے مطابق اور بہت اعلیٰ ہے۔ سکھ تمباکو سے بے حد پرہیز کرتے ہیں چوری کو ناجائز اور لوٹ مار کو اچھا سمجھتے ہیں۔ مُردے پر ماتم نہیں کرتے بلکہ گاتے بجاتے ہوئے لاش کو لے جاتے ہیں۔ گائے کا گوشت نہیں کھاتے، بلکہ بکری کا گوشت کھاتے ہیں غیر عورت سے بہت بچتے ہیں بلکہ لوٹ مار کے ہنگامہ میں بھی اُس کے زر و زیور پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ بول چال میں اُس کو مائی کہتے ہیں جو لوگ مذہب کے پابند ہیں وہ ان اصولوں پر چلتے ہیں۔ البتہ من مانی کرنے والے ہر مذہب میں ہیں، جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ اور مذہب کی چنداں پابندی نہیں کرتے۔ برہمنوں کے گھروں میں مسلمان نفریاں ہیں اور اسلام کے مدعی شراب پیتے ہیں، جمعرات کو قبروں پر ناچ گانے میں شریک ہوتے ہیں، البتہ عاشق مزاج عیسائیوں کو اپنے مجمع سے دور رکھتے ہیں۔ جبلپور میں اتوار کے دن گیند بلے کے کھیل میں کچھ لوگ جوا کھیلتے تھے، یہ کھیل انگریزی طریقے پر کھیلا جاتا تھا۔ اس کھیل میں بعض لوگ کنگال ہو گئے اور کچھ لوگ اپنے ورثاء کے لئے مال و دولت چھوڑ گئے، یہ سب کچھ لارڈ لیک کی سپہ سالاری اور سر جان مالکم صاحب بہادر کی مہربانی سے رواج پذیر ہوا۔

نواح دہلی کے رؤسا و جاگیردار —— بخشی بھوانی شنکر۔ بھوانی شنکر جسونت راؤ ہلکر کے لشکر سے جدا ہو کر انگریزوں کے فتحمند لشکر میں آملا تھا۔ اسی کے بدلہ میں بھوانی شنکر کو نجف گڑھ انگریزوں کی طرف سے مل گیا تھا، یہ شخص متواضع، سخی اور درویش دوست تھا اکثر مسلمانوں کی سی رسمیں اور عبادت کرتا تھا۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ نوٹ) دہلی میں فوت ہوا اس کے بعد تیغ بہادر گدی نشین ہوا جو ۱۶۷۵ء میں ختم ہوا اور اس کے بجائے اُس کا بیٹا گرو گوبند سنگھ گدی نشین ہوا۔ اُس نے سکھوں کے اصول و ضوابط بالکل بدل ڈالے اور سکھوں کو سپاہی پیشہ بنا دیا۔ سکھ سے ان کا نام سنگھ کر دیا۔ اس نے سکھوں کو سر کے بال اور ڈاڑھی مونڈ والنے سے کلی ممانعت کی یہ شخص عہد اورنگزیب میں مسلمانوں سے بہت لڑا، شہر لاہور سے اس کا اخراج ہوا شہر نادو، دکن میں ۱۷۰۸ء میں فوت ہوا، یہ سکھوں کا آخری گرو تھا۔ اس کے بعد سکھوں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے ان کی قیادت کی۔

" تاریخ پنجاب مسمّیٰ بہ گلشنِ پنجاب مؤلفہ پنڈت دیبی پرشاد طالب علم اعلیٰ سابق، مدرسہ سرکاری بریلی، ۵-۱-۳ (مطبع عمدۃ الاخبار بریلی، ۱۸۵۰ء)

ایک نائی کے ہاتھ سے بھوانی شنکر مارا گیا جس کی بھوانی شنکر نے بے عزتی کی تھی، واقعہ یہ تھا کہ ایک نائی اپنی بہن اور بہنوئی کو لا رہا تھا، راستہ میں نجف گڑھ سے گزرا، بہنوئی نے ایک کاشتکار کے کھیت میں سے جوکی ایک بال توڑلی محافظ اُس شخص کو پکڑ کر بخشی کے پاس لے گیا۔ اس نائی نے جو اس وقت آگے یا پیچھے رہ گیا تھا اور شاہجہاں آباد کا باشندہ تھا، بخشی کے سامنے آکر بہت کچھ منت سماجت کی اور کہا کہ تاوان یا جرمانہ لے کر مجھ پر احسان کریں یا میرے بہنوئی کے بدلے میں مجھے سزا دیں کیونکہ میں اس کو مہمان لایا ہوں اس کی ذلت میں میری بڑی بے عزتی ہے، بخشی بھوانی شنکر نے غصہ میں اس کے کہنے پر توجہ نہ کی بلکہ اس کی بہن اور بہنوئی کو سر محفل جوتوں

سلہ منشی بھوانی شنکر ذات کا کھتری تھا مرہٹہ گردی میں یہ شخص بڑا سر برآوردہ رئیس اور دولتمند تھا۔ یہ منشی پہلے ریاست گوالیار میں بخشی تھا، جب مرہٹوں نے دلّی پر تسلّط کیا تو اس کو ایک بڑی ذمہ داری کی خدمت پر دلّی بھجوایا لیکن بھوانی شنکر انگریزوں سے مل گیا۔ مرہٹوں نے اس سازش کے الزام میں اسے موقوف کر دیا۔ لیکن انگریزوں نے منشی کو پنشن دی جو اس کی اولاد پر بھی جاری رہی چونکہ منشی بھوانی شنکر انگریزوں سے مل گیا تھا اس لئے مرہٹے اسے نمک حرام کہنے لگے اور دلّی میں اس کا مکان "نمک حرام کی حویلی" مشہور ہوگیا۔ منشی بھوانی شنکر کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اس نے انگریزوں سے شکایت کی جو اس زمانہ میں دلّی پر قابض تھے۔ چنانچہ انگریزی حکام کی طرف سے احکام جاری ہوئے اور عام منادی کی گئی کہ نہ تو کوئی منشی جی کو نمک حرام کہے اور نہ ان کے مکان کو نمک حرام کی حویلی۔ لیکن یہ منادی بمصداق " الانسان حریص علی ما منع " اور زیادہ شہرت کا سبب ہوئی، اور ہر شخص کی زبان پر یہی لفظ چڑھ گیا۔ یہ نہایت عالی شان حویلی ہے جس کے دو پھاٹک جنوب و مغرب رویہ ہیں۔ مغرب کی طرف کا پھاٹک بہت بلند اور شاندار ہے۔ جس پر سنگین نشیمن بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بھوانی شنکر کی کچہری کی عمارت بھی نہایت عمدہ، شاندار اور دو منزلہ ہے جس میں متعدد دالان اور کمرے ہیں اسٹیشن کی طرف سے جو سڑک ملکہ کے باغ کے برابر فتحپوری کو آتی ہے اسی پر یہ حویلی واقع ہے۔ دو منزلے کوٹھے کے بیچ میں ایک برآمدہ نشیمن کی طرح کا آگے کو نکلا ہوا بہت خوشنما سنگین ہے جس میں پچیکاری کا کام بھی ہے۔

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۲۴۷-۲۴۸

(۲) اخبار رنگین از سعادت یار خاں رنگین ورق ۱۳
(قلمی - مملوکہ محمد ایوب قادری)

سے پٹوایا۔ نائی نے کہا کہ بھوانی شنکر بہتر یہ ہے کہ مجھے اب تو قتل کر دے ورنہ ایک روز تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔

بخشی نے تینوں کو باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ وہ نائی اُس وقت سے ایک کٹار اپنے ساتھ رکھنے لگا۔ اور موقعہ کی تلاش میں رہا، دسہرہ کے دن بخشی نے اپنی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کی عام اجازت دی وہ نائی بھی حویلی دیکھنے پہونچا اور اس نے دیکھا کہ بھوانی شنکر ایک طرف بیٹھا ہے فوراً نائی اس کے قریب گیا اور کہا کہ آج تیرا کام تمام کرتا ہوں اور یہ کہتے ہی اس پر حملہ کیا اور کٹار کے زخم سے بخشی بھوانی شنکر کو ملکِ عدم پہونچا دیا۔ بخشی نے غل مچایا، لوگ نائی کے پکڑنے کو دوڑے، اس نے خود کو چھت سے نیچے گرا دیا۔ گرتے ہی اس کے دونوں پیر بیکار ہو گئے، پکڑ کر کوتوالی لے گئے اس نے قتل کا اقرار کر لیا اور قصاص میں مارا گیا۔ بخشی کی جاگیر سرکار میں شامل ہو گئی کچھ تھوڑی سی رقم چارلس مٹکاف صاحب رزیڈنٹ کی مہربانی سے اس کے پس ماندوں کے لئے مقرر ہو گئی۔

نواب مرتضیٰ خاں بنگش رئیس پلول ۔ نواب[1] مرتضیٰ خاں شکستہ حال مگر قسمت کے دھنی تھے۔ ہلکر کے لشکر میں سرو سامانی حاصل کر لی۔ ایک لڑائی میں انگریزی سپہ سالار کی فوج میں شامل ہو گئے نوابی کا خطاب اور تاحین حیات علاقہ پلول خرچ کے لئے مل گیا۔ شاہجہاں آباد میں ایک حویلی بنوائی ایک شب

---

[1] نواب ولی داد خاں بنگش پٹھان تھے اُنھوں نے اپنے صاحب زادے نواب مرتضیٰ خاں کی شادی اس زمانہ کے مشہور سپہ سالار اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی نواب اکبری بیگم سے کی۔ نواب مرتضیٰ خاں انگریزوں کی اس فوج میں جو مرہٹوں سے برسرِ پیکار تھی عہدہ دار ہوئے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں لارڈ لیک نے دہلی کے قریب ہوڈل پلول کا علاقہ نواب مرتضیٰ خاں کو بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے ان میں نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک مرتضیٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ بھی تھے۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں نواب مرتضیٰ خاں نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا خرید لیا کیونکہ یہ علاقہ بعلت عدم ادائے مال گزاری نیلام ہوا تھا۔ اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب مرتضیٰ خاں کی وفات کے بعد گورنمنٹ نے ہوڈل پلول کے علاقہ کو واپس لے لیا اور اس کے بدلہ میں اراکین خاندان کی پنشن مقرر کر دی جو جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔ نواب مرتضیٰ خاں کے نامور فرزند نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ (المتوفی سنہ ۱۸۶۹ء) تھے۔

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۳۰۵ م

بالاخانہ کے صحن میں سو رہے تھے آندھی کے جھونکے سے آنکھ کھلی چاہا کہ اندر جائیں۔ اندھیرے اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے باہر کو بھاگے اور بازار میں گر پڑے۔ سخت چوٹ آئی ہر چند تدبیریں کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر راہی ملک عدم ہوئے، علاقہ پلول خالصہ شریف میں شامل ہو گیا اور ان کے فرزندوں کے لئے بطور قوت لایموت کچھ نقد رقم صاحب رزیڈنٹ دہلی کی نوازش سے مقرر ہو گئی۔

فیض اللہ بیگ خاں رئیس ہتن:۔ احمد بخش خاں کے چچازاد بھائی تھے۔ پرگنہ ہتن زندگی بھر کے خرچ کے لئے سرکار انگریزی سے مل گیا تھا۔ بیمار ہوئے اور مر گئے، علاقہ سرکار میں ضبط ہو گیا بیٹوں کی بسراوقات کے لئے کچھ نقد رقم ملتی ہے۔[1]

احمد بخش خاں رئیس فیروزپور جھرکہ:۔ ان کے بزرگوں کا وطن سمرقند محلہ زرگراں ہے۔ ان کے باپ اور چچا عارف جان اور قاسم جان نے نجف خاں کے دور میں جمعداری حاصل کر لی مگر دانشمندی سے بادشاہ کے دربار میں بھی رسوخ رکھا۔ اکثر شاہی لشکری۔ سردار کی اطاعت، سرتابی اور مستعدی میں ان دونوں کے مشورہ سے کام کرتے تھے۔ اس وجہ سے ایرانی گروہ کے لوگوں میں ان کا بہت وقار تھا اس ریاست کی بربادی (سقوط دہلی) کے بعد سب لشکریوں کی طرح یہ بھی مشکل سے دن گزار رہے تھے فیض اللہ بیگ خاں جنرل پیرون کے زمانہ میں ٹھیک کے کام میں کبھی فائدہ اٹھا لیتے اور کبھی رقم کے مطالبہ کی وجہ سے مشکلات

---

[1] چھٹی صدی عیسوی میں خاندان علوی کے ایک بزرگ باب ارسلان (ترکستان) میں نقشبندی سلسلہ کے مشہور شیخ تھے ان کی اولاد میں خواجہ عبدالرحمٰن بڑے صاحب حیثیت شخص ہوئے۔ جن کے قاسم جان عالم جان اور عارف جان تین بیٹے تھے۔ قاسم جان کے بیٹے شرف الدولہ فیض اللہ بیگ خاں تھے۔ ان کے نام سے گلی قاسم خاں دہلی میں مشہور ہے۔ نواب فیض اللہ خاں کے دو بیٹے تھے (۱) غلام حسین خاں مسرور جو اسداللہ خاں غالب کے ہم زلف اور زین العابدین خاں عارف کے باپ تھے۔ دوسرے غلام حسن خاں تحو۔ (۱)۔ (خطوط غالب حصہ اول مرتبہ غلام رسول مہر ص ۲ (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۱ء) (۲) غدر کی صبح و شام، (شائع کردہ خواجہ حسن نظامی) ۲۹۳۔۰۔۴ (ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۲ء) (۳) دلی کی سزا ص ۶۔۷۔

[2] قاسم جان کے بھائی عارف جان کو صوبیدار اٹک مرزا محمد بیگ نے اپنی دامادی میں لیا۔ عارف جان کی شہرت دور دور پہونچی، مرزا عارف جان کے چار بیٹے۔ احمد بخش خاں، الٰہی بخش خاں، نبی بخش خاں اور محمد علی خاں تھے۔ ان میں احمد بخش خاں اور الٰہی بخش خاں نے شہرت دوام حاصل کی۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف حضرت شاہ فخرالدین کے مرید و خلیفہ اور غالب

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

میں مبتلا ہو جاتے۔ احمد بخش خاں کی سوائی بختاور سنگھ راجہ الور کی سرکار میں رسائی ہو گئی تھی یہاں
تک کہ ارکین ریاست میں شمار ہونے لگے۔ جب انگریزوں نے جمنا کی جانب راجہ الور کے ملک پر قبضہ
کرنے کے لیے ہنگامہ کیا تو احمد بخش جان وکیل بن کر انگریزی افواج کے سپہ سالار لارڈ لیک بہادر کی
خدمت میں پہنچے، ان کے ذریعہ سے سرکار انگریزی اور راجہ الور کے درمیان عہد نامہ مستحکم ہو گیا مشہور
سپہ سالار سر جان مالکم بہادر کی نظر عنایت سے نواب احمد بخش خاں نے الور کی ریاست کے علاقہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ کا) دہلوی کے خسر تھے۔ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں انتقال ہوا۔ احمد بخش خاں اٹک میں ۱۷۶۵ء
میں پیدا ہوئے دہلی میں نشو و نما ہوئی۔ گوالیار میں سواروں میں ملازم ہوئے۔ لیکن کسی وجہ سے یہ روزگار ہاتھ سے جاتا رہا تو
گھوڑوں کی تجارت شروع کی اس کے بعد ریاست الور میں ملازمت کر لی۔ مہاراجہ بختاور سنگھ راجہ الور نے احمد بخش خاں کو
دہلی میں لارڈ لیک کے یہاں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ انھوں نے اپنے فرائض منصبی کو اس خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ ایک طرف
انگریزوں کی معاملہ فہمی کے مداح تھے تو دوسری طرف راجہ الور ان کی وفاداری سے ہر طرح مطمئن تھے ۱۸۰۱ء میں
بھرت پور میں قلعہ ڈیگ پر انگریزوں نے چڑھائی کی۔ احمد بخش خاں کی درخواست پر راجہ الور نے انگریزوں کا ساتھ دیا
بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی ایک موقع پر انگریز جرنل فریزر کی جان کے لالے پڑ گئے۔ احمد بخش خاں اپنی جان پر کھیل کر
اسے دشمنوں کے نرغے میں سے نکال لائے۔ میدان تو انگریزوں کے ہاتھ رہا لیکن جنرل فریزر کے زخم مہلک ثابت ہوئے۔
مرنے سے پہلے انہوں نے احمد بخش خاں کو ایک سند خوشنودی لکھ دی جس میں حکومت انگریزی سے سفارش کی کہ احمد بخش خاں
کی خدمات کا مناسب صلہ دیا جائے۔ چنانچہ جب دہلی میں فتح کا دربار ہوا تو لارڈ لیک نے انھیں فیروز پور جھرکہ، سانگرس،
پونا ہانہ، بچھور اور نگینہ کا علاقہ استمراری جاگیر میں عطا کیا اور فرمان میں ان کا نام لکھوایا "فخر الدولہ دلاور الملک نواب
احمد بخش خاں بہادر رستم جنگ" مہاراجہ بختاور سنگھ نے اس پر اپنی طرف سے پرگنہ لوہارو کا اضافہ کر دیا۔
نواب احمد بخش خاں ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء میں فوت ہوئے۔ نواب احمد خاں نے چار بیٹے چھوڑے۔ پہلی بیوی سے نواب
شمس الدین احمد خاں اور ابراہیم علی خاں اور دوسری بیوی سے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب
ضیاء الدین احمد خاں تھے۔

(۱) تلامذہ غالب ص ۲۸۵ - ۲۸۹

(۲) دیوان معروف (نواب الٰہی بخش خاں معروف) مرتبہ مولوی عبدالحامد قادری بدایونی ص ب - ر - (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۵ء) (۳) اخبار رنگین ورق ۱۱ ب -

فیروزپور کی سند نسلاً بعد نسلٍ حاصل کرلی نیز سجانی جاگیر وعہدہ کا دوام بھی عہدنامہ میں شامل ہوگیا۔ اور دونوں" چچازاد بھائیوں نے نوابی کا خطاب پایا۔ نواب فیض اللہ بیگ خاں مرد سادہ، مسکین اور باہمت تھا، اور نواب احمد بخش خاں دانشمند، زمانہ ساز مدبر اور منتظم شخص تھا۔ تمام رزیڈنٹوں سے شیر وشکر کی طرح مل جاتا اور اس کی بات منظور ہو جاتی تھی۔

حالات ریاستِ الور۔ سوامی بختاور سنگھ۔ راجہ الور کے کوئی لڑکا نہ تھا، اس لیے اُس کا بھتیجا، ہندو مسلمان اور اہل کتاب ہر ایک کے مذہب کی رو سے ریاستِ الور کا وارث تھا۔ لیکن چارلس مٹکاف صاحب بہادر نے ریزیڈنسی کے زمانہ میں ایک رنڈی بچے کو ریاست میں شریک کر دیا۔ جس کی شرکت راجپوت قوم اپنے دسترخوان پر بھی پسند نہیں کرتی تھی اُس وقت سے اب تک ریاست الور میں ہنگامے برپا ہیں۔ [1]

جنرل آکٹرلونی کو رزیڈنٹی کے زمانہ میں ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۴ء تک نواب (احمد بخش خاں) سے بے انتہا موافقت تھی حتیٰ کہ اجمیر، جے پور اور بیچ میں ہر جگہ جنرل صاحب راستہ میں ایک گاڑی میں نواب کے ساتھ ہوتے تھے۔ رات کو جب تک نواب میز پر آکر نہ بیٹھ جاتے کھانا بھی نہ کھاتے تھے اور

---

[1] الور کا راجہ بختاور سنگھ ۱۵ر صفر ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء کو فوت ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں اس کی داشتہ موسیٰ نام طوائف سے جو اس کے ساتھ ستی ہوگئی تھی ایک بیٹا بلونت سنگھ اور ایک لڑکی چاند کنور باقی رہے اور راجہ کا ایک بھتیجا بنے سنگھ تھا۔ ٹھاکروں نے بلونت سنگھ کی سند نشینی ناجائز قرار دے کر بنے سنگھ برادر زادہ بختاور سنگھ کو مسند نشین کرنا چاہا لیکن مسلمان اس بارے میں ان سے متفق نہ ہوئے اور اُنھوں نے بلونت سنگھ کی حمایت کی، بالآخر دونوں سند نشین ہوئے۔ نواب احمد بخش خاں نے سب سے اقرار نامہ تحریر کرایا کہ بعد بلوغ نصف نصف مال وملک ان کو تقسیم کیا جاوے۔ اس کے تین برس کے بعد نواب احمد بخش خاں نے پرگنہ تجارا و ٹپوکڑہ ٹھیکے میں لے لیے۔ جس پر ۱۲ر ربیع الاول ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں نواب کا دخل ہوگیا۔ کالے خاں منتظم مقرر ہوا۔ جب دونوں راجے سن بلوغ کو پہنچے تو آپس میں جھگڑنے لگے۔ اب ریاست کے اہلکاروں کے دو فریق ہوگئے۔ نواب احمد بخش خاں کُھلّم کُھلّا بلونت سنگھ کے طرفدار تھے۔

(۱) تاریخ راجگان ہند موسوم بہ وقائع راجستھان از مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری ص ۲۶۸۳ (ہمدم برقی پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء)

(۲) کارنامہ راجپوتاں از مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری ص ۵۷۳ (کارخانہ روزنامہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی)

نواب کی قد آدم تصویر نیچ کے نوتعمیر مکان میں سامنے لگا رکھی تھی۔ آکٹر لونی جب دہلی واپس
آئے تو نواب سے اس درجہ رنجش ہوئی کہ صاحب کے حکم سے ان کی تصویر جلادی گئی اور
صاحب کے سامنے نواب کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔[1]

نواب احمد بخش خاں کے قتل کی سازش:- میں نے سُنا ہے کہ میعہ قوم کے دو آدمیوں نے
جو الور کے رہنے والے تھے دو شریر گھوڑوں کو نواب کے اصطبل کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔
ان دونوں گھوڑوں کی باہمی جنگ سے طویلے کے گھوڑے رسّیاں تڑاکر آزاد ہو گئے
اور ہنگامہ ہو گیا۔ نواب نے اپنے پاس کے لوگوں کو طویلے بھیج دیا تاکہ گھوڑوں کو باندھ
دیں اور خود بستر پر لیٹ گیا۔ ان دونوں میعنوں میں سے ایک نے آکر نواب کے سر پر
تلوار ماردی اتفاق سے نواب کا ہاتھ سر پر تھا اس لئے انگلیوں پر زد پڑی نواب فوراً اٹھا
تلوار ڈھال سنبھالی اور شور مچایا تاکہ لوگ آجائیں۔ اُنھوں نے گھوڑوں کے ہنگامہ میں
یا تو سُنا نہیں اور اگر سُنا ہو تو یہ سمجھا ہوگا کہ گھوڑے پکڑنے کی تاکید ہے۔ چنانچہ یہ لوگ
دیر کے بعد پہونچے میعنے بھاگ چکے تھے۔ نواب کو زخمی دیکھا زخم علاج سے اچھا ہو گیا۔ فسادیوں

۱ے راؤ راجہ بنے سنگھ اور راجہ بلونت سنگھ الور کے مالک مانے گئے راج کا سب کام اہل کار کرتے تھے۔ لیکن سمبت ۱۸۸۰
مطابق ۱۸۲۳ء میں سرداروں نے بنے سنگھ کی طرف داری کی اور نواب احمد بخش خاں نے بلونت سنگھ وغیرہ
کی حمایت کی اس سے نزاع کی عملی صورت پیدا ہو گئی۔ اس معاملہ میں جنرل آکٹرلونی رزیڈنٹ نے راؤ راجہ
بنے سنگھ کو جائز حقدار سمجھ کر صدر کو رپورٹ کی لیکن نواب احمد بخش خاں نے آکٹرلونی کے خلاف بلونت سنگھ
کی طرفداری میں گورنر جنرل کی خدمت میں تحریر بھیجی۔ گورنر جنرل کے یہاں سے رزیڈنٹ کو ہدایت پہونچی کہ نواب
احمد بخش خاں کی رائے کے مطابق کام کیا جائے۔ مجبوراً رزیڈنٹ کو گورنر جنرل کے یہاں کی ہدایات کے مطابق
کام کرنا پڑا اور آکٹرلونی بنے سنگھ کی پوری حمایت نہ کرسکا۔ بلونت سنگھ کے متعلق یہ قرار پایا کہ چار لاکھ روپئے سالانہ
کی جاگیر جو اُس وقت الور کی تہائی آمدنی تھی راجہ بلونت سنگھ کو دی جائے۔ چونکہ اس معاملہ میں آکٹرلونی کی
مرضی کے خلاف کام ہوا اس لئے وہ نواب احمد بخش خاں سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو گیا۔

(۱) کارنامہ راجپوتاں ص ۲۵۲-۲۵۳

(۲) تاریخ راجگانِ ہند ص ۲۶۹

کی الور تک تلاش ہوئی مگر اس تلاش کا انجام معلوم نہ ہوا[1]۔ نواب کسی طبعی موت میں فوت ہوا[2]۔ ریاست اور ولیعہدی بڑے بیٹے کو نہ دی جو بیگم کے بطن سے تھا بلکہ چھوٹے بیٹے کو اپنا ولی عہد اور جانشین بنایا جس کی ماں طوائف تھی۔[3]

---

[1] چونکہ نواب احمد بخش خاں بلونت سنگھ کے طرفدار تھے۔ اس لیے بنیے سنگھ کے جانب دار نواب کے دشمن ہو گئے۔ ملا، خوشحال، اور جھاڑ چیلوں اور نند رام دیوان نے ایک میو سے کہا کہ اگر تو نواب کو مار ڈالے تو چھ ہزار روپیہ نقد اور ایک گاؤں تجھ کو دیا جائے گا اس نے اس کام پر آمادگی ظاہر کی۔ آٹھ ماہ تک داؤں گھات میں رہا موقع نہ پایا۔ آخر کار ۱۰ شعبان المعظم ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۲ء کو دہلی میں قابو پا کر رات کو خواب گاہ میں جا گھسا اور سوتے میں نواب پر تلوار کے تین وار کیے، تیسری ضرب میں تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ اپنی دانست میں وہ کام تمام کر چکا تھا۔ لیکن نواب کی زندگی باقی تھی کوئی زخم کاری نہ لگا اور پنجۂ قضا سے نجات پائی۔ تھوڑے عرصہ میں شفا پائی غسل صحت کیا۔ میو مجرم فرار ہو کر الور پہنچا اور انعام مقررہ کا خواستگار ہوا ترغیب دہندے انعام دینے میں حیلہ و حوالہ کرنے لگے۔ آخر راز کھل گیا۔ میو کو بلونت سنگھ نے گرفتار کرا دیا۔ اس نے مفصل ماجرا بیان کر دیا۔ اس کے بیان پر ملا، خوشحال اور جھاڑ چیلے اور نند رام دیوان قید کیے گئے۔ رامون خاص فرار ہو کر دہلی پہونچا۔ اول اس نے نواب احمد بخش خاں سے معاملہ کرنا چاہا۔ نواب نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے منشی کرم احمد سررشتہ دار جنرل اکٹرلونی رزیڈنٹ کو کئی لاکھ روپیہ دے کر اپنا ممد و معاون بنا لیا اور جنرل صاحب سے دوستی کی شکل نکال لی۔ وہ اس پر توجہ کرنے لگے یہاں تک کہ جنرل آکٹرلونی بنے سنگھ کا معاون بن گیا۔ اس صورت حال سے بنے سنگھ نے فائدہ اٹھایا اور بلونت کے ساتھیوں کو محل میں ختم کر کے بلونت سنگھ کو نظر بند کر دیا ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء میں وہ لوگ جو نواب احمد بخش خاں کے قتل کے محرک و ساعی تھے قید سے رہا ہو گئے۔ لیکن جلد ہی یہ لوگ دوبارہ گرفتار کر کے قید میں ڈال دیے گئے۔

تاریخ راجگان ہند ص ۳۶۸ - ۳۶۹

[2] ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء میں نواب احمد بخش خاں فوت ہوئے۔

[3] نواب احمد بخش خاں کی دو بیگمیں تھیں ایک میواتی الاصل اور دوسری ہم قوم، پہلی کے بطن سے نواب شمس الدین احمد خاں اور ابراہیم علی خاں تھے۔ دوسری کے بطن سے نواب امین الدین احمد خاں والی لوہارو اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر۔ اہل خاندان شمس الدین احمد خاں کو اپنا ہم مرتبہ نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے خاندان میں مناقشت پیدا ہوئی جس نے انجام کار یہ شکل اختیار کر لی کہ شمس الدین احمد خاں ایک فریق بن گئے۔ باقی سارے خاندان نے ان کے خلاف جتھا بنا لیا۔"

(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

نواب فرخ نگر:- اس ملک کے پرانے رئیسوں میں فرخ نگر کا نواب ہے جو قوم کا بلوچ ہے۔ پہلے اس کے بزرگوں نے تلوار کے زور سے بہت سے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب نواب اسی آبادی اور چند چھوٹے چھوٹے گاؤں کا مالک ہے۔ فرخ نگر کی شہر پناہ خوشنما ہے اور اندر بھی خوش اسلوبی سے ہے۔ ؎۵

(بقیہ فوٹ صفحہ گذشتہ) (خطوط غالب حصہ اول ص ۳۳) "نواب احمد خاں نے سرکار انگریزی اور مہاراجہ الور کی اجازت سے نواب شمس الدین کو تمام جائداد کا وارث قرار دیا تھا لیکن اس فیصلہ سے دوسرے بھائی خوش نہ تھے۔ اس لئے اس میں بعد کو ترمیم ہوئی اور ۱۸۲۵ء فروری میں اپنے والد (نواب احمد بخش خاں) کے ایما پر نواب شمس الدین نے پرگنہ لوہارو چند شرطوں کے ماتحت اپنے دو بھائیوں کے نام منتقل کر دیا اور بالآخر اکتوبر ۱۸۲۶ء میں باقی جائداد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔"

(حیات غالب ص ۶۷)

"نواب احمد بخش خاں کی وفات کے بعد شمس الدین احمد خاں نے اس تقسیم کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا کہ سب سے بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے تمام جائداد کا قبضہ مجھے ملنا چاہئے۔ دوسری اولاد کو زیادہ سے زیادہ وظیفہ دلایا جا سکتا ہے۔ بالآخر پانچ چھ سال کی کوششوں کے بعد ستمبر ۱۸۳۳ء میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور لوہارو کا نظم و نسق بھی اس شرط پر ان کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں کے لئے چھبیس ہزار روپیہ سالانہ ادا کرتے رہیں گے۔

"اس زمانہ میں مسٹر ولیم فریزر ریذیڈنٹ تھے۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ انگریزی حکومت نواب کے اس مطالبہ کو رد کر دے لیکن اس کے باوجود جب یہ فیصلہ ہو گیا تو انہوں نے دوبارہ صدر میں اس کے خلاف لکھا اور خود نواب امین الدین خاں کو کلکتہ جانے کا مشورہ دیا تاکہ وہاں کوشش کر کے یہ فیصلہ تبدیل کرایا جائے۔ چنانچہ نواب امین الدین خاں ستمبر ۱۸۳۳ء میں کلکتہ گئے اور وہاں تگ و دو کرتے رہے آخر کار پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور لوہارو دونوں بھائیوں کو واپس مل گیا۔"

(ذکر غالب از مالک رام ص ۱۷ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۱۹۵۵ء))

؎۵ فرخ نگر کے نواب مظفر علی خاں تھے۔ جب نواب مظفر خاں کا انتقال ہو گیا تو ان کی بجائے ان کے بیٹے یعقوب علی خاں اور ان کے چچا غلام محمد خاں میں موافقت نہ ہو سکی۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ غلام محمد خاں کو دہلی ایجنسی سے دہلی میں قیام کرنے کا حکم ملا اور تیرہ سو روپے سالانہ ریاست سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ چند سال کے بعد یعقوب علی خاں کا دبل کے مرض میں انتقال ہو گیا اس کے بعد ان کے چھوٹے بھائی احمد علی خاں جانشین ہوئے۔ احمد خاں ہمت جری، بہادر اور غیور نواب تھا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں نواب نے بہادر شاہ ظفر کی حکومت کا ساتھ دیا اس جرم میں نواب کو پھانسی دے دی گئی۔

(۱) دلی کی سزا ص ۲۴۴ (۲) قیصر التواریخ ۴۵۶-۴۵۷

راؤ پورن سنگھ رئیس ریواڑی۔ ریواڑی کے اہیر بھی قابلِ ذکر ہیں۔ سلطنت دہلی کی کمزوری سے اس قوم نے بھی بہت زور پکڑ لیا تھا۔ اب راؤ تیج سنگھ کا بیٹا راؤ پورن سنگھ مدت سے پدری علاقہ پر بسر کر رہا ہے۔ جاٹوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ ریواڑی میں راؤ تیج سنگھ نے ایک عمدہ تالاب تعمیر کرایا جو اُن کی یادگار ہے۔

نواب غلام محی الدین رئیس کنجپورہ :۔ نواب غلام محی الدین خاں اور نواب رحمت خاں، ان دونوں بھائیوں میں ہمیشہ تکرار رہتی ہے اور نواب گلشیر خاں انگریزی سرکار پر اپنا حق خدمت ظاہر کرتا تھا جب جنرل اسٹور صاحب بہادر سکھوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا نواب گلشیر خاں نے رہائی کی کوشش کی تھی۔ [1]

---

[1] کنج پورہ کی ریاست کی بنا نواب نجابت خاں نے اٹھارویں صدی میں ڈالی تھی نواب نجابت خاں "غور غشت" کے رہنے والے کاکڑ زئی پٹھان تھے ۱۷۲۵ء میں ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ تک لاہور اور ملتان میں شاہی صوبہ دار کی فوجی ملازمت میں رہے۔ اس کے بعد تین سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ کرنال آئے۔ اس زمانہ میں مغلیہ خاندان کے بادشاہ محمد شاہ کی فرماں روائی تھی دربار عیش و عشرت میں مصروف تھا، ملک میں شاہی انتظام بگڑ چکا تھا۔ ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر نجابت خاں نے کرنال کے قرب وجوار کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر کے کرنال کے قریب دریائے جمنا کے کنارے نجابت گڑھ کی بنیاد ڈالی۔ اس نجابت گڑھ کا نام بعد کو کنج پورہ ہوا۔ یہ نئی بستی مضبوط فصیلوں اور خندق سے محفوظ کر کے پٹھانوں اور دوسرے مسلمانوں سے آباد کر دی گئی۔ اس کے بعد دہلی دربار سے صوبہ سہارن پور کے فوجدار کو نجابت خاں پر فوج کشی کرنے کا حکم پہونچا۔ جنگ کی نوبت آئی۔ نجابت خاں کی فتح ہوئی۔ آخر میں دہلی دربار نے نجابت خاں کو باقاعدہ نواب تسلیم کر لیا اور جس قدر ملک کا حصہ نواب نجابت خاں کے پاس تھا بدستور ان کے قبضہ میں رہا۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد مرہٹوں سے سخت جنگ ہوئی نجابت خاں کو شکست ہوئی اور وہ مرہٹوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ اسی اسیری میں ان کا انتقال ہوا۔

۱۷۶۱ء میں احمد شاہ درانی اور مرہٹوں میں پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں، نواب نجابت خاں کے بیٹے دلیر خاں نے احمد شاہ کی طرف سے مرہٹوں کے خلاف ایسی جاں بازی سے جنگ کی تھی کہ احمد شاہ نے اس کے صلہ میں دلیر خاں کو کنجپورہ کا نواب کر دیا اور اس طرح یہ ریاست نواب نجابت خاں کے خاندان میں بارِ دگر واپس آگئی۔ پنجاب کی بڑی چھ ریاستوں میں کنجپورہ کی

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

رؤسائے کرنال ۔ محمد علی خاں مندل کی اولاد ہے جن کی جاگیر پہلے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان تھی پھر ان لوگوں نے اس کے عیوض کرنال کے قریب جاگیر لے لی ہے۔[۱]

نواب فیض محمد خاں رئیس پاٹودی :۔ نواب[۲] فیض محمد خاں پسر نواب نجابت علی خاں بھڑیچ ہیں۔ تین پشتوں سے ان لوگوں کو سرکار میں عزت و اعتبار حاصل ہے فن سپہ گری میں خوب دسترس حاصل ہے سرجان مالکم بہادر کی نوازش سے نجابت علی خاں، اسمٰعیل خاں اور فیض طلب خاں نے معاشی امداد میں نسلاً بعد نسلٍ ملک حاصل کر لیا ہے۔ یہ علاقہ کچھ تو معاشی سلسلہ میں اور کچھ ان سواروں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ریاست بھی شمار ہوتی تھی۔ قدرت کے قاعدہ کے موافق جب امن و راحت کا زمانہ نصیب ہوا تو خاندان کنج پورہ کے رئیس آرام طلب ہو گئے۔ سپہ گری اور جفاکشی کی جگہ کاہلی اور عیش طلبی نے لے لی۔ آخر سکھوں نے ریاست کا ایک بڑا حصہ نواب نجابت خاں کے جانشینوں سے چھین لیا۔

حیات آفتاب از حبیب اللہ خاں ص ۱-۲ (اولڈ بوائز ایسوسی ایشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۴۶ء)

[۱] محمد علی مندل کے تین بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عشرت علی خاں تھا ان کا ذکر باب سوم میں موجود ہے۔

[۲] فیض محمد خاں کے والد نواب نجابت علی کو لارڈ لیک کے زمانہ میں جاگیر عطا ہوئی۔ نواب فیض محمد خاں کا انتقال ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں ہوا۔ ان کی قبر "نوابان جھجر کی ہڑواڑہ" میں ہے لوح مزار پر یہ کتبہ نصب ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

نواب چوں گذشت ازیں ایراں سرائے	از جوش درد و غم ہمہ عالم بہم زدم
تاریخ رحلتش سر لوح مزار او	آرام گاہ فیض محمد الم زدم

سنہ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء

نواب فیض محمد خاں کی قبر کے داہنی طرف فیض علی خاں کی قبر ہے جو جھجر کے آخری نواب عبدالرحمن خاں کے والد تھے۔ نواب عبدالرحمن خاں کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں پھانسی دی گئی تھی۔

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ سوم ص ۲۶۳-۲۶۴

(۲) اخبار رنگین ورق ۱۳ ب و ۳۲ ل

(۳) دلی کی سیر ص ۶۲-۶۳

کی تنخواہوں کے لئے جن کی بحالی اور برطرفی کا اختیار ان کو حاصل ہے۔ ملا ہے۔ اسمٰعیل خاں کے لڑکوں نے بد اعمالیوں سے اپنی جاگیر برباد کر دی جس کو قرضہ میں فیض محمد خاں نے حاصل کر لیا فیض طلب خاں بھی علاقہ باٹودی کے علاوہ سواروں میں دخل نہیں رکھتا۔

فیض محمد خاں کا ملک آباد اور فوج و سامان درست ہے، اس کو شکار کا بے حد شوق ہے۔ اس کے بچپن کا ایک ہندو ساتھی ریاست کا مختار کل ہے۔ فیض محمد خاں کبھی شاہجہاں آباد میں اور کبھی اپنے علاقہ میں رہتا ہے۔

فیض طلب خاں مرد جہاں دیدہ اور زمانہ کا گرم و سرد چکھے ہوئے ہے۔ فوج اور ملک کے کام میں ہوشیار مہمان نواز اور نہایت کفایت شعار ہے۔ لیکن اس میں اور فیض محمد خاں میں رنجش رہتی ہے۔

شہر دہلی کے انگریز حکام۔ اس شہر میں سیٹن صاحب عدالت فوجداری اور دیوانی میں چھوٹے سکندر کے قصے نیز بھوانی شنکر اور ایک بڑھیا کے چند گز زمین کے جھگڑے میں بہت کچھ نیک نام ہے۔ اور رزیڈنسی میں چارلس مٹکاف صاحب رزیڈنسی کے متعلق امرا میں بہت نامور ہے۔ فارسکو صاحب اور ولیم ایور صاحب بے رو رعایت و انصاف میں مشہور ہیں۔ شان و شوکت میں جنرل آکٹر لونی صاحب شہرۂ آفاق رعایا کی آسائش میں گارنر صاحب، زود فہمی اور واقفیت میں ولیم فریزر صاحب، تحقیقات اور ثبوت ستانی کی روک تھام میں۔ ہنری کو مدلس صاحب سلامت روی، چوری اور غارت گری کے انتظام میں ویلڈر صاحب اور نیک مزاجی میں طامس مٹکاف صاحب مشہور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ طامس مٹکاف صاحب، خوش طبع، سیر چشم، رفیق پرور اور پاک دل ہے چونکہ ملک میں نہ کوئی قانون رہا نہ بڑے صاحب (رزیڈنٹ) نے کبھی اس کو یہاں کا سررشتہ سکھایا نہ کوئی ہوشیار اور خیر خواہ ملازم اس کی پیشی میں رہا۔ اس لئے جو کچھ اس کی سمجھ میں آتا ہے کر گزرتا ہے دیدہ و دانستہ نہ کسی کی ایذا رسانی اور نہ کسی کی بے جا حمایت کا روادار ہے البتہ ساتھیوں کی دھوکہ بازیوں کا شکار رہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس بات سے کون محفوظ ہے۔

کرامت علی دہلوی۔ اس شہر میں کرامت علی نامی ایک شخص ہے۔ اس کا باپ ہاتھی اور پالکی کا ظاہری مرتبہ رکھتا تھا۔ کرامت علی کا حال شہر کے دوسرے شریف زادوں جیسا ہے۔ شطرنج بازی میں بڑی مہارت ہے۔ اس کھیل میں کوئی شخص اس کے مقابلہ میں

بہت کم کامیاب ہو سکتا ہے۔ ؎۱

دھلی سے روانگی۔ الغرض اس شہر (دہلی) سے ہم آقا کے ساتھ روانہ ہو کر لشکر میں پہنچے اور گوہانہ میں داخل ہو گئے۔ خلیل اللہ خاں نے منشی فیض الحسن ساکن سراوہ ضلع میرٹھ کی آقا سے تقریب کر دی آقا نے فرمایا بلا لو خلیل اللہ خاں نے آقا کے قول پر عمل کیا اور منشی فیض الحسن راستہ میں رہزنوں کے ہاتھ سے مصیبت برداشت کرتا ہوا پہونچا۔ اسی دوران میں میر جلال الدین شاہجہاں آباد کے باشندے نے علی محمد خاں جمعدار سواران اسکنر صاحب کی سفارش سے ملازمت کر لی اور سونی پت کا تھانیدار ہو گیا۔ ویلدر صاحب نے منشی فیض الحسن کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ یہ شخص کیسا ہے میں نے کہا کہ اس شخص سے سابقہ ملاقات اور واقفیت نہیں ہے اس لئے میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر ان دو تین روز میں جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے عرض کئے دیتا ہوں کہ خود بدولت اس کی کارگزاری سے ہمیشہ خوش دل رہیں گے اور اس کے طرز عادات سے جو آنجناب کے مزاج وہاج سے موافقت نہیں رکھتا ہے ہمیشہ رنجیدہ رہیں گے۔ صاحب ممدوح نے فرمایا کہ پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی، میں نے کہا کہ اس وقت جو کچھ میں نے عرض کیا ہے یہ میرا گمان ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور پہلے یہ بات بھی نہ تھی۔

ہنگامہ بھوانی۔ ان ہی ایام میں بھوانی میں ایک ہنگامہ ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں نے نائب تحصیلدار کو مار ڈالا۔ تھانے پر حملہ آور ہوئے۔ اس لئے تھانہ کے لوگ بھاگ گئے۔ صاحب نے گوہانہ سے بھوانی کی طرف کوچ کیا۔ بندہ (مولوی عبدالقادر) ساتھ گیا۔ صاحب نے بھوانی پہنچتے ہی تھانے کے سب آدمیوں کو جیل خانے بھیج دیا۔ صرف ایک جمعدار اس حکم سے مستثنٰی رہا کیونکہ وہ اس ہنگامہ کے وقت تھانے میں موجود رہا۔ اسکنر صاحب نے کہا کہ یہ ہنگامہ نند امہاجن کے لڑکے ڈونگر مل وغیرہ کے بہکانے سے رونما ہوا ہے اور اسکنر صاحب کے چند سواروں نے بھی اسی طرح کہا۔ صاحب نے ڈونگر مل اور اس کے بھائی کو بلا کر ان کے اظہار لئے اور بندہ (مولوی عبدالقادر) نے تحریر کئے۔ مہاجن کے بیٹے وغیرہ نے مطلقاً انکار کیا۔ سواروں نے بھی اظہار لکھاتے وقت بیانات میں بہت کچھ اختلاف کیا۔ جس سے بناوٹ ظاہر ہوتی تھی۔ اسی روز مہاجن کے گھر لڑکی کا بیاہ تھا۔ دولہا اور

؎۱ مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔

دوسرے رشتے دار دور سے آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آج ہم کو ضمانت پر چھوڑ دو آئندہ آپ حاکم ہیں۔ آقا نے یہ تمام بے سروپا قصہ سمجھ لیا کیونکہ ہنگامہ کا سبب کچھ اور ہی تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ تحصیل کا ایک چپراسی ان لوگوں کی عورتوں میں جاتا اور یہ کہتا کہ اپنے چہرے مجھے دکھاؤ جو خوبصورت ہوگی اس کو فلاں صاحب کے لئے (جس کا نام لیتا تھا) لے جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے حکم ملا ہے۔ ان لوگوں نے چپراسی کی شکایت تحصیل میں کی وہاں شنوائی نہ ہوئی بلکہ ان لوگوں ہی کو اُلٹا ڈانٹا گیا۔ ان لوگوں نے پولیس میں اپنا دکھڑا رویا وہاں بھی کوئی فریاد رس نہ ہوا۔ کیونکہ وہ نام کا چپراسی اتنی زور آوری کرتا تھا کہ سب اس سے ڈرتے تھے۔ ناچار وہ لوگ مرنے مارنے پر آمادہ ہو کر یہ کارروائی کر بیٹھے۔ اوّل اس چپراسی کو مارا اس کے بعد اس شخص کو جو تحصیل کی کچہری میں رہتا تھا اور نائب تحصیلدار سمجھا جاتا تھا۔

صاحب نے تھانے میں آکر ان سب لوگوں کو رخصت کیا اور فرمایا کہ گوہانہ میں آجاؤ وہاں آخری حکم سنایا جائے گا اور جب یہ سمجھ لیا کہ فساد کے مرتکب صرف محلہ کالوداس کے لوگ ہیں۔ دوسرے لوگ پکڑ دھکڑ کے خوف سے بھاگ گئے ہیں تو فرمایا کہ محلہ کالوداس کے لوگوں کے لئے گرفتاری کا حکم ہے۔ دوسرے لوگ آکر آباد ہو جائیں یہ حکم سُن کر لوگ واپس چلے گئے۔

دیگر واقعات۔ اسی زمانہ میں ہانسی کا تحصیلدار اصالت خاں چوروں اور ڈاکوؤں سے سازش کرنے کے اتہام میں جیل خانہ جا چکا تھا اس پر یہ الزام ہمدانی میواتی نے لگایا تھا جس پر اسکنر صاحب کی خاص عنایات تھیں۔ ان ہی ایام میں بیری کا تھانیدار اور جمعدار رشوت ستانی کی بہت سے نالشوں کے جرم میں جیل خانہ میں تھے۔ بندہ کا چھوٹا بھائی غلام باسط رخصت لے کر وطن گیا ہوا تھا وہ واپس آیا۔

بہاری لال سونی پت میں اپنے ٹھیکہ پر تھا وہ وہاں سے گوہانہ میں مجھے دیکھنے آیا۔ ویلڈر صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص اب گارڈنر صاحب کا معتوب نہیں ہے اگر یہ ملازمت کرنی چاہے تو سررشتہ میں جگہ مل جائے گی۔ میں بہاری لال کو اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ لکھنے پڑھنے کا کام کرنے لگا۔

اس عرصہ میں میں نے دیکھا کہ باہمی کینہ پروری سے محکمہ کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ چند مالداروں کی سرپرستی ضروری سمجھی گئی۔ اسی تجویز سے محکمہ میں یہ رنگ پیدا ہوا اور اب آقا کو میری چنداں ضرورت بھی نہیں رہی۔ میں نے رخصت چاہی مگر رخصت نہ دی۔ ایک دن انتظام علی نے جو حرف شناس ہونے کی وجہ سے اکثر در دولت پر حاضر رہتا تھا۔ دفتر میں آکر کہا کہ صاحب نے فرمایا ہے کہ فتح آباد کے چپراسی نے

نے رخصت لی ہے مگر ابھی نہیں ہے۔ اس قسم کی بدانتظامی تمہاری برخاستگی کا سبب ہوگی مجھے اس بات کا علم نہیں کہ انتظام علی نے یہ بات خود کہی یا کسی کے بہکانے سے کہی۔ میں نے اُس سے کہا کہ چپراسیوں کا تعلق ناظر سے ہے یہ بات ناظر کے لئے کہی ہے یا میرے لئے۔ انتظام نے کہا کہ آپ کے لئے فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ صاحب سے عرض کر دو کہ میں از خود نہیں آیا تھا حسبِ طلب وطن سے آیا تھا جیسے پہلے چلا گیا تھا اب بھی چلا جاؤں گا اور اس بات کی مجھے قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ نیک نامی کا پروانہ عنایت ہو یا استعفاء منظور ہو یا برطرفی کا حکم صادر ہو۔

راہم پور کو روانگی :- میں فوراً دفتر سے اُٹھا باغپت کے گھاٹ تک باربرداری کا انتظام کیا اور سامان درست کر کے طلوعِ آفتاب سے پیشتر روانہ ہوگیا اور ایک اطلاعی عرضی لکھ دی کہ اگرچہ حضور والا کے مجھ سے بہتر ہزاروں غلام ہیں۔ اور میرے لئے حضور جیسا کوئی حاکم نہیں لیکن چونکہ میں چپراسیوں کی وجہ سے عتاب کا مخاطب ہوگیا اس لئے حضور والا کے خطاب کے لائق نہیں رہا۔

گو ہانہ سے منزل بہ منزل میرٹھ پہونچا۔ کارٹن صاحب بہادر وہاں کے کلکٹر تھے۔ کوتوال کے ذریعے اُنھوں نے مسافر خانہ میں میرے پہونچنے کی خبر سنی فوراً چپراسی کو بھیجکر یاد فرمایا کہ کل حاضر ہو۔ دوسرے دن سفر ملتوی کر کے حاضرِ خدمت ہوا مختلف قسم کی گفتگو ہوئی۔ لیکن دورانِ گفتگو میں نہ آقا نے حاضر باشی کے لئے ارشاد فرمایا نہ بندہ نے بطورِ حسنِ طلب ملازمت کی آرزو ظاہر کی دوسرے روز میں چل دیا۔ بارش کی وجہ سے گڈھ مکٹیشر تک نہ پہنچ سکا بلکہ پلکوے۔ ۔ ۔ فقیر کے مکان کے قریب رات گزارنے کے لئے ٹھیر گیا۔ وہ شخص بے آزار شکم پرور اور زردار ہے۔

گڈھ مکٹیشر :- دوسرے روز گڈھ مکٹیشر پہنچا وہاں ایک مزار ہے۔ ان بزرگ کو گنج بخش کہتے ہیں[1]۔ مقبرہ میں

---

[1] گڈھ مکٹیشر گنگا کے کنارے ایک قصبہ ہے یہاں دورِ اکبری کے ایک بزرگ "الہ بخش" کا مزار ہے۔ شیخ الہ بخش گڈھ مکٹیشری چالیس سال تک ارشاد و ہدایات میں مشغول رہے، بڑے متوکل بزرگ تھے، اُن کی صحبت میں خدا یاد آتا تھا، ستر برس کی عمر میں سنبھل کی سیر کے لئے گئے تھے وہاں ایک بڑھیا بڑی عابدہ اور زاہدہ تھی شیخ نجوم مرحوم سنبھلی کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ہمیشہ روزے رکھا کرتی تھی پینتیس ۳۵ سال سے بے شوہر تھی اور دودھ کے سوا اور کچھ نہ کھاتی تھی وہ غائبانہ شیخ الہ بخش کی بڑی معتقد تھی۔ اُس نے درخواست کی مجھے بھی خدا کا راستہ بتایئے، حضرت نے فرمایا

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

گھڑیال اور نقارہ بلکہ پورا امیرانہ ٹھاٹ ہے جس وقت کسی کے کان میں گھڑیال کی آواز پہنچتی ہے تو سر جھکا کر تین بار "داتا گنج بخش" کہتا ہے۔

ورود رام پور۔ میں گڑھ مکتیشر سے امروہہ میں آیا۔ اور امروہہ سے مراد آباد اور مراد آباد سے رام پور پہونچا۔ میرے والد نے میرا سر اور میں نے ان کے قدم چومے، گو ہانہ سے روانگی کی تاریخ ۷ جون ۱۸۱۵ء تھی، دو تین روز کے بعد بزرگوں کی قدمبوسی اور امیروں کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔

نواب عنایت اللہ خاں بہادر جنھوں نے ہمیشہ سے مجھے شریک دولت سمجھ رکھا ہے میری شکستہ حالی کی وجہ سے میرے کفیل ہو گئے کتاب شافیہ پڑھنی شروع کر دی۔ میں عرصہ تک سیر و سفر میں ان کے ساتھ رہا اکثر ان کا سفر نواب احمد علی خاں کے ہمراہ ہوتا تھا۔

محمد یوسف خاں جنگی رئیس گکرالہ ۔ایک مرتبہ نواب احمد علی خاں ایک دن پہلے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور عنایت اللہ خاں، عباد اللہ خاں، جعفر علی خاں محمد سعید خاں اور عبد العلی خاں ایک روز بعد چلے۔ راستہ میں موضع گکرالہ میں محمد یوسف جنگی ملنے آگیا اور سب کو اپنے گھر لے گیا۔ محمد یوسف خاں جنگی کو یہ موضع سر جان مالکم بہادر کی مہربانی سے تاحیات جاگیر میں ملا ہے اور محمد یوسف اس خاندان (نوابان رام پور) کا نمک پروردہ ہے۔ بقیہ دن اور رات ہم نے گکرالہ میں محمد یوسف خاں کے یہاں گزاری۔

محمد یوسف خاں جنگی ہاتھ کا کھلا ہوا تھا۔ آمدنی سے زیادہ خرچ کر ڈالتا تھا۔ اس لئے ہمیشہ قرضدار رہتا تھا، داد و دہش، بے موقع ہو یا باموقع اس کے لئے دونوں برابر تھیں بلکہ بے موقع زیادہ۔ وہ محمد عمر خاں کا بیٹا ہے اور یہ خاندان نواب فیض اللہ خاں کی فوج میں فنون سپہ گری یعنی سواری، نیزہ بازی اور جنگی چالوں میں ممتاز رہا ہے۔ اگر نواب محمد خاں نے خونِ ناحق میں شریک نہ ہوتے تو ہمیشہ اس خاندان

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ کا) جب تک تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کر کے کسی کے نکاح میں نہ آئے گی یہ بات کہنی فضول ہے۔ فوراً وہ محفہ میں سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت کے نکاح میں آگئی۔ ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں بھی اپنے ایک دوست محمد قاسم دہلوی کے ہمراہ شیخ الہ بخش کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میں نے ان کو خوش مجلس اور خوش تقریر پایا۔

منتخب التواریخ (اردو ترجمہ) ص ۲۲۴

(سرکار رام پور) میں رونق کے شریک رہتے۔ اب تو وہ زمانہ گذر گیا۔ اب محمد یوسف خاں کا بیٹا، جلال الدین حیدر خاں تین سو روپے تنخواہ انگریزی سرکار سے پاتا ہے اور جاگیر واپس ہوگئی۔ اس کے بھائی اسداللہ خاں اور عرب خاں سپہ گری کا کام اور سواروں کی ترتیب و تربیت خوب جانتے ہیں مگر اس زمانہ میں کون پوچھتا ہے آج کل سرکاری نوکری ملنا کمینوں کی خوشامد پر موقوف ہے اور شریف زادوں کو خوشامد کرنی آتی نہیں۔ [1]

---

[1] محمد یوسف خاں عرف جنگی خاں رام پور کے مشہور روہیلہ سردار عمر خاں بڑمونچھے (ابن شہامت خاں ابن دراز خاں) کے بیٹے تھے۔ عمر خاں نے ۱۷۹۴ء میں نواب غلام محمد خاں رئیس رام پور کی مسند نشینی کے سلسلہ میں بڑی جدو جہد کی، جب آصف الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے ۱۷۹۴ء میں رام پور پر فوج کشی کی تو عمر خاں اور ان کے تینوں بیٹے عبدالصمد خاں عرف صمند خاں، سر بلند خاں عرف بلند خاں اور محمد یوسف خاں عرف جنگی خاں نے نواب غلام محمد خاں کی طرف سے دشمن کے مقابلہ میں خوب دادِ شجاعت دی۔ بلند خاں مارا گیا۔ خود عمر خاں کا انگوٹھا اڑ گیا اور ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ انگریزوں نے جب دھوکہ سے نواب غلام محمد خاں کو اپنے لشکر میں قید کر لیا تو پھر عمر خاں نے انگریزوں سے ایک جھڑپ لی اور نواب کی رہائی کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے بعد عمر خاں کے بیٹے محمد یوسف خاں عرف جنگی خاں کو ہلکر نے اپنے یہاں بلا لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یوسف خاں نے ہلکر کی ملازمت چھوڑ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی ۱۸۰۳ء میں انگریزوں اور مرہٹوں میں دلی پر جو لڑائی ہوئی اس میں یوسف خاں نے انگریزوں کی طرف سے خوب دادِ شجاعت دی۔ اس خدمت کے صلہ میں یوسف خاں کو موضع گکرالہ (ضلع بدایوں) جاگیر میں ملا۔ ۱۸۲۹ء میں یوسف خاں کا انتقال ہوا اولاد کی پنشن ہوگئی۔ گزیٹر بدایوں میں یوسف خاں اور جنگی خاں کو دو علیحدہ شخصیتیں بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ نواب وزیر اودھ کی طرف سے گکرالہ یوسف خاں کو جاگیر میں ملا۔ گزیٹر بدایوں کا یہ بیان صریحاً غلط ہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۸ء میں گکرالہ خاص شہرت کا مالک ہوا۔ اس مقام پر مجاہدین نے انگریزی فوج سے سخت مقابلہ کیا تحریک آزادی کے قائدین شہزادہ فیروز شاہ، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں، حکیم سعید اللہ (ولد حکیم عظیم اللہ ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی) اس مقابلہ میں موجود تھے، انگریزوں کا مشہور جنرل پنی مارا گیا۔ قصبہ گکرالہ بدایوں سے مشرق کی طرف قریب ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے قصبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) اخبار الصنادید جلد دوم ص ۶۱۵، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۸، ۶۶۱۔

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

مولوی عبدالقادر کے والد کا انتقال :- میں نے رام پور میں کافی دن گزار دیے کہ ناگہاں باپ (مرزا محمد اکرم) نے سل کے عارضے میں بتاریخ ۱۰ ربیع ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء شنبہ کی آخر شب میں انتقال کیا۔ مرض ان کو ایک سال سے تھا۔ والد کے انتقال کی شب اتنی مشکل تھی کہ دن پڑنا دشوار تھا۔

پدر تا بود مرد برنا بود — بہ ہر کار مشکل توانا بود
اگر ناگہت پائے در گل رود — بہ غمخوارئی دے غم از دل رود
بہ از خود نہ خواہد ترا جز پدر — برومند بختے، بزر و زیور
پشیزے بہ چشمش بود گنج تو — فراواں بود پیش او رنج تو
شبے کاندراں روزِ من شد سیاہ — .... دراں تا سپیدہ
سیوم بخش آں بُد نہ چنداں دراز — کہ تا نیمۂ آں رسد تیر آز
تو گوئی بشد روزگارم دراں — بسر بردم آں را بہ سختت جاں
سپیدی اداں تیرگی شد نمود — بدانساں کہ آتش نماید ز دود
ویا ہیچو دنداں پیل دماں — کہ خو کردہ باشد بخوں کساں
ویا زنگئے را بکیں کہن — برآید گہے خشم کف از دہن
بہ ہر گونہ با ایں و آں ساختم — بہ سامان مرگش بہ پرداختم
تنم خستہ بود و دلم دردناک — کہ کردیم آں گنج پنہاں بہ خاک
بچشم دریں غم کہ آبے نماند — ندانم کہ بر آتش دل نشاند

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ کا) (۲) مولانا فیض احمد بدایونی از محمد ایوب قادری ص ۲۶ - ۲۹ (پاک اکیڈمی، کراچی ۱۹۵۷ء)

(۳) DISTRICT GAGETTEER OF THE UNITED PROVINCES , VOL XV, P 217-218

(۴) THE HISTORY OF THE REIGN OF SHAH AULUM BY W. FRENCKLIN PP. 220-245 (ALLAHABAD, 1934)

لہ مولوی عبدالقادر کے والد مرزا محمد اکرم کا حال باب اول صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ ہو۔

گر خونانہ دیدہ گردد چہ خشک — بہ زخم جگر می کند کار مشک

ازاں داشتم دردِ دل را نہاں

کہ بودم بہ غمخواری دیگراں

اس زمانہ میں غلّہ گراں اور قرضہ بہت تھا۔ باپ نے زر، زیور، باغ اور زمین کچھ نہ چھوڑا۔ سارے شہر سے شناسائی تھی۔ چند روز تک چھوٹے بڑے تعزیت کے لئے آتے رہے اور اس سے زخم پر نمک پاشی ہوئی۔ روزانہ گزارہ کی دلخراش فکر علٰحدہ تھی بالآخر ولی نعمت (نواب عنایت اللہ خاں) کی امداد سے سبکدوشی ہوئی۔ خدایا یہ خاندان ہمیشہ آسودہ خاطر اور ہر مسافر و مقیم کے زخمی دلوں پر مرہم بنا رہے۔

سفر کوہستان کی تقریب:۔ چند روز کے بعد ہاتھی پکڑنے والوں اور محصول کے ٹھیکداروں میں محصول فیل پر جھگڑا ہوگیا۔ اس گروہ کے کچھ لوگ نواب عنایت اللہ خاں بہادر کے دامن دولت سے وابستہ تھے نواب صاحب نے فرمایا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ کسی شخص کے کوہستان جائے بغیر نہیں ہو سکتا اور کوہستان کے سفر سے ہر شخص پہلو تہی کرتا ہے چونکہ میں (مولوی عبدالقادر) ہمیشہ سے بے محنت کی اُجرت لے رہا تھا۔ اس لئے میں نے کوہستان جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ نواب صاحب کی والدہ ماجدہ عالیہ بیگم صاحبہ اپنے ملازموں اور نمک خواروں پر مادرانہ شفقت رکھتی تھیں، وہ بہت بلند ہمت، غریب نواز، دور اندیش اور نظم و نسق میں درست رائے رکھنے والی تھیں جیسے کہ نامور اور زمانہ کے گرم و سرد آزما لوگ اور امراء و سلاطین میں بیشتر ہوتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتی کہ اس ناز پروردہ بچے کا سر پہاڑوں اور جنگلوں میں پھڑواؤں۔

میں نے عرض کیا کہ باپ کے انتقال کی وجہ سے جب گھر والوں کو ماتم زدہ دیکھتا ہوں تو افسوس ہوتا ہے ممکن ہے اس سفر میں پریشانی کم ہوجائے اس کے بعد سفر کا حکم دے دیا پہاڑی سفر کے لئے گھوڑے کی سواری نہایت مناسب تھی۔ لیکن خداوند نعمت (نواب عنایت اللہ خاں) نے پالکی کی سواری کو عزت افزا سمجھا، بیس کہار، آٹھ فوجی جوان اور چند خدمت گار ساتھ گئے۔

بلاس پور:۔ رام پور سے روانہ ہوکر میں بلاس پور پہونچا۔ یہ قصبہ رام پور سے بارہ کوس ہے، وہاں

دھان اور گنے کی پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے۔ مدت سے اس نواح میں پٹھان بھی کاشتکاری کرتے
ہیں اور دنیا گردی کی مصیبت سے آرام میں ہیں۔ یہ مقام نواب احمد علی خاں کے زیرِ حکومت
ہے۔[1] یہاں سے ہم رودر پور گئے یہ اس علاقہ کا ایک حصہ ہے جو اودھ کے بادشاہ نے انگریزی
سرکار کے حوالے کیا ہے۔

---

[1] یہ قصبہ رام پور سے شمال اور مشرق کی طرف ۱۶ میل کے فاصلہ پر رام پور اور رودر پور کی سڑک پر آباد
ہے اور تحصیل بلاسپور کا صدر مقام ہے۔ اس علاقہ میں ٹھکار کثرت سے ملتا ہے۔ یہ مقام رامپور سے پرانا ہے
کھیڑیا راجہ بلاس رائے نے آباد کیا۔ نواب فیض اللہ خاں بانی ریاست رام پور کے عہد میں یہاں تحصیل قائم ہوئی۔
یہاں کے پہلے تحصیل دار عالم خاں ہوئے تھے۔ رام پور کے بعد اسلامی آثار کا سب سے زیادہ حصہ بلاسپور کو ملا۔
سید ابدال شاہ بونیر سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ بلاسپور میں محلہ سادات، سید ابدال کے قیام کی وجہ سے مشہور ہوا۔ ان کو
علوم عربیہ و فارسی میں دستگاہ کامل تھی پشتو مادری زبان تھی۔ نہایت متقی اور مرتاض بزرگ تھے۔ ان کا مزار
تراب علی شاہ کے مزار کے قریب ہے۔ ان کے علاوہ شاہ عبدالواحد، شیدی میاں، مولوی حکیم عبدالرزاق اور عبداللہ اخوند بھی
قصبہ بلاسپور میں قابل ذکر حضرات گزرے ہیں۔ قصبہ بلاسپور کی آبادی قریب چھ ہزار کے ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی
ہے۔ یہاں گیارہ مسجدیں ہیں جو نہایت خوبصورت اور مستحکم ہیں جامع مسجد خاص طور سے قابل ذکر ہے جو نواب احمد علی خاں
کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۱۲۳۵ھ / ۱۸۳۷ء میں نواب احمد علی خاں کا بلاسپور میں قیام ہوا۔ ہندوؤں نے مندر میں سنکھ
بجایا۔ بلاسپور کے مسلمان مزاحمت کے لئے جمع ہوگئے، نواب صاحب کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو خود مندر میں پہونچکر
جھگڑے کو رفع دفع کیا اور مسلمانوں کے لئے مسجد بنوادی یہ مسجد بھگڑاندی کے کنارے واقع ہے۔

مولوی حفیظ اللہ ولد شیخ کرامت اللہ بدایونی نے مسجد کی تاریخ اس طرح لکھی ہے ؎

لب دریا دراں مسجد چو دیدم — بہ بحر فکر خوردم غوطہ چنداں
کہ آوردم دُر تاریخ سالش — منور تر ز خورشید درخشاں
رواں گفتم زہے بر روئے دریا — بناشد سجدہ گاہِ نیک بختاں

۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

بلاسپور میں بشارت خاں کا مقبرہ نہایت خوبصورت اور قابل دید ہے۔ بشارت خاں روہیلہ سردار نواب نجیب الدولہ کے چچا تھے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرتب کا مقالہ "ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا" روہیل کھنڈ کی تاریخی عمارات (۲)، "العلم" کراچی
جلد ۳ شمارہ ۲ ص ۱۰۱-۱۰۳ (جنوری تا مارچ ۱۹۵۴ء)

بھینسوڑی:۔ رودرپور سے چل کر بھینسوڑی میں قیام کیا یہ موضع دامن کوہ میں واقع ہے[1]۔ وہاں داروغہ رسد رہتا ہے۔ انگریزی سرکار نے بھینسوڑی سے المورہ تک ہر منزل پر مسافروں اور مویشیوں کی خورونوش کی ضروریات فراہم کر رکھی ہیں یہ راستہ چار دن کا ہے المورہ سے محکمہ رسد کے مہتمم کا تجویز کردہ نرخنامہ اجناس ہر ایک داروغہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ کبھی دو نرخنامے، ایک سرکاری ملازموں کے لئے اور دوسرا عام لوگوں کے لئے پہنچتا ہے۔ وہاں پلٹن کے چند سپاہی بھی رہتے ہیں۔ اُس وقت تمام چوکیوں کا مہتمم بلاس رائے کا بھائی، ہلاس رائے سکسینہ کایستھ تھا یہ شخص امروہہ کے محلہ کاٹھ منڈی کا رہنے والا تھا۔ اور قیام اودھ کے زمانہ میں بلاس رائے میرے ماتحت محرری کا کام کر چکا تھا، یہاں ہلاس رائے کو اپنے انگریز آقا کے حضور میں اس قدر رسائی تھی کہ دوسرے مہتمموں کے متعلق کوشش اور سفارش میں پورا اثر رکھتا تھا۔ اُسے شاید میرے متعلق اطلاع پہنچ گئی تو بڑی خاطر سے پیش آیا جس چیز کی ضرورت ہوتی واجبی قیمت سے پہنچاتا تھا۔

بھیم تال: بھینسوڑی سے ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا کبھی پیادہ اور کبھی سواری میں چلتے، بہزار دشواری شام تک کہاروں نے بھیم تال کے مقام پر پہنچایا اور کہنے لگے کہ اب آگے چلنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے میں نے کہا کہ خالی پالکی لے چلو کہاروں نے یہ بھی قبول نہ کیا میں نے کہا کہ پالکی لے جاؤ

---

[1] بھینسوڑی تحصیل ملاب (رامپور) میں واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے۔ اس چھوٹی سی بستی میں بعض ممتاز صاحب علم وفضل اور درویش گزرے ہیں جن میں حب علی شاہ، رسالدار محمد الف خاں، مولوی محمد حسن رضا خاں، مولوی ضامن شاہ خاں، مولوی کلن خاں، شیخ محمد، شاہ جی نیاز احمد، مولانا کریم بخش، شیخ غلام غوث، حاجی محمد حسن، حافظ حبیب اللہ، محمد عبدالعزیز خاں اور محمد واصل وغیرہ قابل ذکر ہیں آخری دور میں شاہ نبی رضا خاں۔ اور شاہ جی عنایت حسین صاحب سلسلہ بزرگ ہوئے ہیں۔ شاہ جی عنایت حسین کے خلیفہ وسجادہ نشین حضرت شاہ صوفی محمد حسن (ف ۸ نومبر ۱۹۵۹ء) فریدپوری تھے جن کا سلسلہ ہند وپاکستان میں بڑی ترقی پر ہے۔ شہر کراچی میں حضرت شاہ صوفی محمد حسن کے خلفاء میں صوفی شاہ محمد یعقوب صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرتب کا مقالہ "ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا۔"

(۱) روہیل کھنڈ کی تاریخی عمارات (۲) "العلم" کراچی جلد ۳ شمارہ ۲ ص ۱۰۲

(۲) اعجاز جہانگیری مولفہ حاجی محمد عنایت حسین ص ۱۰۔ محمود المطابع۔ بریلی)

بھنگیوں کے لئے صرف چھ آدمی رہیں اس میں بھی گڑ بڑ کرنے لگے تو میں نے کہدیا کہ تمھیں اختیار ہے۔ چنانچہ کمہار چلے گئے۔

رسد خانہ سے میں نے اپنی ضروریات خرید لی تھیں۔ بہاری لال ماتھر کایستھ باشندہ دہلی وہاں کا تھانے دار تھا اور پہاڑ پر اس کا قیام تھا وہ کہنے لگا کہ یہاں تکلیف ہوگی اوپر چلنے کا ارادہ کیجئے اور سواری و بار برداری کا انتظام میں کردوں گا۔ میں نے اس کی رائے پر عمل کیا۔ بھیم تال میں شاہ دین محمد درویش کے نواسے سے ملاقات ہوئی جس سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس سے سابقہ شناسائی تھی۔ رات وہاں آرام سے گزاری۔

بار برداری کے مزدور کرایہ پر الموڑہ تک کے لئے مل گئے، سواری نہ مل سکی۔ نول سنگھ مہرا قوم برہمن اپنی سواری کا گھوڑا الموڑہ تک مستعار دے رہا تھا، یہ شخص پہاڑی علاقہ کے بہترین سرداروں میں سے ہے اور اس نے یہ گھوڑا گارنر صاحب سے چار سو روپے میں خریدا تھا لیکن مآل اندیشی کی وجہ سے میں نے یہ بات منظور نہ کی کیونکہ معمولی شناسائی کی بنا پر دوسرے کا قیمتی جانور (گھوڑا) دو تین منزل تک لے جانا خود کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ ساتھیوں کی رائے ہوئی کہ واپس جا کر گھوڑا لے آئیں یہ رائے بھی کچھ مناسب نہ تھی کیونکہ اگر کسی ایک سے میں کہتا کہ جا کر گھوڑا لے آئے تو دوسرا کہتا کہ مجھے جانا زیادہ ضروری ہے اور چند روز تک اتنے آدمیوں کے لئے سرکاری رسد خانہ سے غلہ بھی میسر نہ ہوتا، میں نے دل میں یہ طے ارادہ کرلیا کہ جہاں تک ہو سکے پیدل چلوں اور اطمینان یہ تھا کہ راستہ اینٹ، پتھر، غار، گڑھے اور خس و خاشاک سے پاک ہے۔ پیروں کو تکلیف کا اندیشہ نہیں۔ ساتھ والے سب شریف زادے اور قوم کے رئیس ہیں۔ پیدل چل رہے ہیں، میں نے سوچا کہ میں عام رعایا کا ایک انجان شخص ہوں اور اس سرزمین کے مالداروں (روساءِ رام پور) کی مہربانی سے دو نشست سے آرام سے روٹی کھا رہا ہوں اس لئے نخرے دکھانا مناسب نہیں اور شہر کے رئیس شکار میں خود کوسوں پیدل چلتے ہیں۔ میں کمر مضبوط باندھ کر چل دیا چار گھڑی دن رہا ہوگا کہ رام گاوہ پہنچے۔ وہاں کے داروغہ رسد نے بتایا کہ اتنے آدمیوں کے لئے غلہ فراہم نہ ہو سکے گا نیز کوس بھر کے فاصلے کے بعد آگ نہیں جلا سکتے۔ مجبوراً آگے بڑھے اور پہاڑ کے اوپر ایک موضع "پاتر گاؤں" میں جا کر قیام کیا۔

قیام پاتر گاؤں:- پاتر گاؤں کے رہنے والے ڈومرہ قوم کے لوگ ہیں جن کے کھانے پینے سے چمار بھی پرہیز کرتے ہیں اس گاؤں میں "سگیا" نامی اس قوم کا سردار تھا جو کتھے کی تجارت کے سلسلہ میں

ہمیشہ شہر (رام پور) میں آتا تھا اور ہماری سرکار میں بھی اُس کی آمد ورفت تھی مجھ کو دیکھ کر دوڑا اور میرے پیروں پر آپڑا۔ گاؤں والے یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ کون شخص ہے کہ جس کے سامنے ہمارا سردار جھکا، سر رکھا اور ادب سے کھڑا ہوگیا، گویا سمجھ رہے تھے کہ دنیا میں اس (رنگیا) سے بڑا کوئی شخص نہیں ہے۔ کیونکہ گاؤں سے کبھی باہر نہ نکلے تھے اور نہ کسی دوسرے کو دیکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی حال پابندانِ حِس کا ہوتا ہے جو عقل کو حواس باختہ کر دیتا ہے۔ جب وہ ایسے عجوبہ کو دیکھتے ہیں جس سے بڑھ کر انہیں نظر نہ آئے تو اس کو اپنا سردار سمجھ لیتے ہیں اور اس کی پرستش کرنے لگتے ہیں یہ چاہے پہاڑ ہو یا دریا، آگ ہو یا ہوا کا جھونکا، ہاتھی ہو یا سور، کتا ہو یا گینڈا، زبردست بادشاہ ہو یا جادوگر، فال نکالنے والا ہو یا فقیر، یا کوئی شخص صالح الاعمال و صادق الاقوال ہو کہ بہت سے مشکل کام اس کے ہاتھ سے پورے ہو جائیں۔

اس زمرہ میں جو لوگ اپنے آپ کو عقل کا تابع سمجھتے ہیں وہ سورج کے قائل ہو جاتے ہیں، جو لوگ اس سے ذرا آگے بڑھتے ہیں وہ رات دن کے چکّر کو کہ حِس اس سے آگے نہیں بڑھتی، سب کا کارفرما سمجھتے ہیں اور اس سے بالاتر کا انکار کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے نہ جاننے سے چیز نابید نہیں ہو سکتی اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ اور اس کی ہستی ایک نہیں ہے لامحالہ اس چیز کو دیکھتے ہوئے ہست اور نیست ایک ہو جائے گا۔ اگر دوسروں کو وہ وجود میں لا سکے لیکن وہ چیز خود کیونکر وجود میں آئی اور کیوں نیست نہ ہو لہٰذا کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جس کی ہستی کے سوا ہم کچھ نہ سمجھ سکیں ہستی خود طرح طرح کی حرکت کرتی ہے۔ ان میں سے جو حرکت محسوس ہو جائے وہ صورت اختیار کر لیتی ہے اور کوئی صورت ایسی نہیں جس کے مقابل دوسری صورت نہ ہو لامحالہ جس ہستی کو بھی ہم دیکھیں یا نہیں اس کے مقابلہ کی دوسری ہستی کے بھی محتاج ہوں گے۔ اگرچہ اس کو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کیونکہ بسا اوقات انسان یقین کر لیتا ہے کہ یہ چیز بے سبب نہیں ہے گو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سبب کیا ہے البتہ جو شے اس کا سبب بننے کے مناسب نہ ہو اس سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص گھڑی دیکھے تو یقین کرے گا کہ اس کی سوئیوں کے چلنے کا کوئی سبب ہے گو یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا سبب ہے لیکن اس کا یقین ہرگز نہیں کرے گا کہ روم یا اُس کے بادشاہ کی ہستی یا ساتوں ولایت کا بادشاہ یا سورج یا زمین کی گردش اس کو ہلا رہی ہے۔ دیدی کہ فلک گوی و زماں چوگان است ✽ وز گردش گوی ایں ہمہ سامان است

ایں چوگاں را بدست اگر نیست نیاز ✽ گیہاں بدتر ز بازی طفلان است

پاتر گاؤں میں بقیہ دن اور تمام رات گزاری۔ گاؤں سے کھانے کا سامان آگیا۔ مگر قیمت اُنھوں نے نہ لی۔ گاؤں والے مرد و عورت سب خوبصورت خصوصاً عورتیں پری پیکر ہیں اس گاؤں کے رہنے والی رنڈیاں ہندو مذہب کی اور گویے ڈومرہ قوم کے ہیں یہ گویے ہڑکھ کہلاتے ہیں اس قوم کا حسن ہر پیر و جوان کے لئے بلائے جان اور ہر گبر و مسلمان کے مذہب کا لٹیرا ہے، اس وقت اس قوم (گوتیوں) میں کلو نامی شخص سربرآوردہ تھا سب حسین اس کے تابع تھے اور وہ سگیا کی رعیت تھا۔

صبح کو سگیا تھوڑی دور خود میرے ساتھ آیا۔ پھر بڑی سڑک تک اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ کیا، تاکہ میری واقفیت ہو جائے۔ جب میں راستہ پر پڑ گیا تو میں نے سگیا کے بھائی کو رخصت کر دیا۔ دوپہر کو ہیورہ نامی مقام پر ٹھیر گئے۔ یہاں سے لال منڈی المورڑہ میں دھوبیوں نے جو کپڑے دھوپ میں الگنی پر ڈال رکھے تھے دکھائی دیتے تھے، حسین شاہ فقیر اور کرنیل صاحب کے مکانات بھی نظر آتے تھے، جو آبادی کے کنارے پر ہیں، اگلے دن الموڑے پہنچ گئے جو ہیورہ سے آٹھ کوس تھا۔

کوائف المورڑہ:۔ تھوڑی دیر میں ہم المورڑہ کی کوتوالی میں پہنچ گئے۔ یہاں کے کوتوال کا نام تحسین تھا۔ اور اس شخص کو نواب فیض اللہ خاں کے بیٹے یعقوب علی خاں نے اسی کوہستان سے خرد سالی میں خرید کر تعلیم و تربیت دلائی تھی اور خزانہ کا مہتمم بنایا تھا احتیاط یہ رکھی کہ ہر کس و ناکس کے پاس نہ بیٹھے۔ تاکہ بُری عادت اس میں پیدا نہ ہو۔ مگر ایسا ہی ہوا ایک رات موقع پاکر روپے کی جس قدر تھیلیاں خود اُٹھا سکا، لے گیا اور المورڑہ پہنچ گیا اس وقت کوہستان میں نیپالیوں کی حکومت تھی ملک کھیڑ کے لوگوں سے کوئی راہ و رسم نہ تھی جن لوگوں نے اس کے پاس بہت سی رقم دیکھی زبردستی چھین لی کچھ اس نے چھپا بھی لی۔ ٹریل صاحب بہادر کے زمانہ میں اس نے اپنے آپ کو نواب (رام پور) کے خاندان کا ظاہر کر کے کوتوالی کا عہدہ حاصل کر لیا پہاڑی علاقہ میں لوگ ابھی تک اس کو نواب تحسین علی خاں کہتے تھے۔ تحسین علی خاں کوتوال نے جیسے ہی مجھے دیکھا فوراً پہچان لیا اور ٹھیرنے کی جگہ بتائی، ہم وہیں جا ٹھیرے معلوم ہوا کہ وہاں کے مہتمم جارج ڈبیم صاحب سیر و تفریح میں گئے ہوئے ہیں دو تین روز میں واپس آئیں گے۔

اس علاقہ میں پہلے نیپالی حکام نے بھی ایک شاہراہ بنائی تھی جو اس راستہ سے کم ہے۔ لیکن بہت ہی کٹھن ہے ایک تو یہ کہ صاف نہیں ہے دوسرے چوڑائی کم، تیسرے یہ کہ کوئی قدم اونچا، کوئی نیچا، کوئی لمبا کوئی چھوٹا رکھنا پڑتا ہے۔ انگریزی حکومت نے جو شاہراہ نکالی ہے وہ صاف ہے اور اتنی چوڑی ہے کہ ایک پالکی اور دو گھوڑے برابر چل سکیں راستہ نشیب و فراز میں ماہی پشت ہے شاید پچاس گز کا فاصلہ ہے۔ گز بھر کا فرق ہو مگر سانپ سی لہریں بہت ہیں جن کا پہاڑ میں ہونا ضروری ہے۔ چار جگہ فراہمی غلہ کی وجہ سے ایک ایک داروغہ اور کئی کئی سپاہی موجود رہتے ہیں وہ چار مقامات (۱) بھینسوڑی (۲) بھیم تال (۳)، رام کاوہ (۴) بیورہ تھے۔

جس زمانہ میں نیا نیا انگریزی عمل دخل تھا تو یقیناً اس انتظام پر جو خرچ ہوتا تھا وہ فضول نہ تھا، مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اس کی کیا ضرورت ہے کیونکہ دکاندار با آرام رہ سکتا ہے اور گاؤں کے لوگ نگہبان مقرر کئے جاسکتے ہیں رات دن سڑک چلتی ہے، غبن، چوہوں، گھن اور پانی وغیرہ سے سرکاری غلہ میں بے حد نقصان ہوتا ہے انگریزی شاہراہ میں ندی نالے کثرت سے تھے اور ان کو عبور کرنے کی کوئی چیز نہ تھی اگرچہ ندی نالوں کا چوڑان بہت کم ہے مگر پانی کا زور اتنا زیادہ ہے کہ ہر جگہ سے گزر بھی نہیں سکتے۔ گھاٹ پر پتھر برابر کرکے ڈال دیتے ہیں برسات میں وہ گڑبڑ ہو جاتے ہیں، غالباً اب وہاں پر لوہے کا پل بنا رہے ہیں جو کم خرچ بالانشین ہے کیونکہ ہر سال جو خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں اگر ایک مرتبہ زیادہ خرچ ہو جائے تو اوسطاً کم ہی خرچ ہوگا۔

بھیم تال کے پانی کی گہرائی بہت ہے چونکہ ہندوؤں کی عادت ہے کہ ہر عجوبہ کو متقدمین میں سے کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں، لہٰذا کہتے ہیں کہ یہاں پر جدہشٹر کے بھائی بھیم نے نیزہ گاڑا جو زمین کے اس پار نکل گیا لہٰذا اس پانی کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ پانی کے نیچے زمین ہونی چاہیے کیونکہ اینٹ پتھر جو کچھ بھی پانی میں ڈالتے ہیں نیچے چلا جاتا ہے، زمین پانی کے اوپر کیسے رہے گی اور اس راستہ میں بہت سے مقامات پر پہاڑ سے پانی ٹپکتا ہے، کہیں قطرہ قطرہ اور کہیں زیادہ، وہاں لوگوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا رکھے ہیں۔

بھینسوڑی اور بھیم تال کے راستہ میں ایک چھوٹا سا قلعہ "برو کھیڑی" ہے۔ پہلے جب راستہ دشوار گزار تھا تو وہ دروں میں شمار ہوتا ہوگا ورنہ بظاہر یہی ہے کہ پتھر پر پتھر رکھ کر قد آدم بلند کر دیا ہے، اس ملک کی آب و ہوا ہندوستان کے تمام علاقوں سے اچھی ہے حالانکہ پہاڑ کی ترائی میں آب و ہوا سب جگہ سے بدتر ہے۔ نیشکر کی اتنی کثرت میں نے دوسری جگہ اب تک نہیں دیکھی - رعایا مالگزاری کی سرکاری رقم ادا کرنے میں اتنی پختہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بھی بیچ ڈالتی ہے اور اس پر فخر کرتی ہے اس علاقہ میں ہندوؤں کی اعلیٰ اقوام میں برہمن ہیں اور یہی آسودہ ہیں ان کے بعد راجپوت ہیں یہ لوگ مختلف الحال ہیں ہر قسم کی مزدوری کر لیتے ہیں لالچی نہیں ہیں صبح سویرے مسلمان کا منہ دیکھنا نحوست سمجھتے ہیں رقم لے کر شادی کے نام سے لڑکی دے دینا عیب نہیں سمجھتے ہیں دہاں پر شیر کوٹ علاقہ۔ مراد آباد[1] کے چوڑی فروش ایک عرصہ سے آکر آباد ہو گئے ہیں۔

المورہ پہاڑ کے سب لوگ اپنے قدیم راجاؤں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ آج کل راجہ لال سنگھ کاشی پور میں ہے، جان و مال، عزت و آبرو میں اس سے دریغ نہیں کرتے جب پہاڑ کے نیچے جاتے ہیں تو راجہ کے لئے کچھ ہدیہ لے جاتے ہیں اور اس کے سامنے سرزمین پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر جب برہمن قوم اس سے برگشتہ ہوگئی تو نیپال کی فوج لے آئی اور جب نیپالیوں سے ناراض ہوئی تو انگریزی حکومت کی خواہاں ہوگئی، یہاں کے ہندو بھینس کا گوشت کھاتے ہیں۔

یہاں راجہ کے کارکن کو کمین، آٹے کو پسیان، ٹھیرنے کے مقام کو باسا، میل کو لاٹھی، اور فرسنگ کو بچھونا کہتے ہیں۔ تقریباً ایک میل کے بعد جو کچھ وزن کندھے پر ہو، لاٹھی کے سہارے رکھ کر اور کمر پہاڑ سے لگا کر دم لیتے ہیں اور فرسنگ یعنی تین میل چل کر وزن رکھ دیتے ہیں اور کمبل بچھا کر بیٹھتے ہیں، کھیں اور چنے وغیرہ کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں، بھنگ کے بھنے ہوئے بیج برتن میں رکھتے ہیں، بہت ہی نادار لوگ بھوک میں یہ بیج کھاتے ہیں اور روٹی چوکے میں کھانا ضروری نہیں سمجھتے، جب روٹی پر گھی لگا لیتے ہیں تو جہاں

---

[1] آج کل قصبہ شیر کوٹ ضلع بجنور سے متعلق ہے۔

جا ہیں کھا سکتے ہیں اور نہ جا سکتے ہیں انگریزی سرکار کی طرف سے عورتوں اور بچوں کے بیچنے کی سخت ممانعت ہے اور بھیم تال سے پلٹن کی روانگی کے وقت خوب دیکھ بھال کر لی جاتی ہے اگر کوئی بچہ ملتا ہے تو اس کے والدین کے پاس واپس پہنچا دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جہاں تک ہو سکتا ہے پہاڑی ہر حیلہ سے لڑکا لڑکی دے دیتے ہیں۔ اور رقم لے لیتے ہیں۔

ایک درویش سے ملاقات:۔ میں نے سنا کہ المولڑہ میں ایک عالم باعمل اور بے ریا درویش ہے۔ وہ "شاہ" کے نام سے معروف ہے حالانکہ اس کے لقب سے ہی ریا ظاہر ہو رہی تھی۔ مگر میں نے خیال کیا کہ شاید دوسروں نے اس نام سے مشہور کر دیا ہو، میں نے المولڑہ پہنچتے ہی ساتھیوں کو کھانے کے انتظام میں چھوڑا اور ایک صاحب کو ساتھ لے کر درویش کو دیکھنے چلا گیا، جب حجرے کے قریب پہونچا تو اس کے ایک خادم نے کہا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ پھر کسی وقت آیئے میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کے پاس ایک کمبل اور کھاروے کی ایک لنگی ہے، میں فوراً بلند آواز سے کہنے لگا کہ اب میں کیا کروں، ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ کمبل اور لنگی پہنچتے ہی شاہ صاحب کو دے دینا، اب چونکہ ملاقات نہیں ہوئی کل یہ مالک کو واپس کر دوں گا۔ یہ سنتے ہی خادم دوڑا ہوا آیا کہ شاہ صاحب یاد فرماتے ہیں، میں گیا وہ کمبل اور لنگی دے دی، وہ درویش کہنے لگا کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ تو آ رہا ہے، پھر میرا نام پوچھا، میں نے بتایا، کہنے لگا میں تیری ہی وجہ سے لوگوں کو رخصت کر کے تنہا بیٹھا تھا۔ چونکہ میں نے اس شخص کو مرد ناداں اور خودنما پایا اس لئے واپس چلا آیا۔ دوسرے دن اس نے خواہ مخواہ مجھے بلایا اور بے ہودہ لغویات بکتا رہا بہزار دشواری اس سے چھٹکارا پایا۔ جب اس نے بلایا تھا تو میں نے دیکھا کہ آفتاب کی طرف ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ اس سے لگائے ہوئے ہاتھ سے تسبیح پھرا رہا ہے۔ جب اس سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا تھا، کہنے لگا کہ یہ آفتاب کا شغل ہے۔ فقرا اس کو کرتے ہیں، میں نے کہا کہ اس کا نتیجہ سوائے آنکھ جاتے رہنے اور روسیاہی کے اور بھی کچھ ہے کہنے لگا آفتاب کو قبلہ دعا بنا کر مطلب خدا سے مانگتے ہیں اس کا اثر تسخیر خلق ہے، کیا تو نے نہیں سنا کہ اکبر بادشاہ نے برسوں یہ کام کیا ہے، جیسا کہ شاعروں نے کہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا مطلب

اس مشہور قطعہ سے تھا۔

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہرے عطاست | آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب
او می کند مشاہدہٴ خود در آئینہ |ویں می کند معائنہ حق در آفتاب

پھر اس درویش نے کہا کہ تجھ کو نہ علم ہے نہ خدا پرستوں کو دیکھا ہے، کعبہ اینٹ پتھر کا بنا ہوا ہے کیا وہ قبلہ نماز نہیں ہے؟ اور دعا مانگنے وقت ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں کیا وہ قبلہ دعا نہیں ہے؟ پس آفتاب کو قبلہ دعا بنانے میں کیا قباحت ہے میں نے کہا کہ یہ بات کہ مجھے علم نہیں ہے صحیح ہے عقل صرف تصور صفات کمال کے سوا کسی کو قبلہ تسلیم نہیں کرتی اور شرعی قیود کے ساتھ حکم شرع پر اکتفا کرتی ہے اور آفتاب کو قبلہ دعا بنانا اسلامی شریعت میں نہیں ہے کعبہ ایک مکان ہے جس میں نہ کسی انسان کامل کی تصویر ہے نہ کسی حیوانِ عجیب کی نہ کسی چمکتے ہوئے ستارے کی۔ البتہ سالکانِ طریقت میں بہت سے رہزن ایسے شامل ہو گئے ہیں جو قبلہ کو معبود سمجھ کر سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ متعدد قبلوں کی تعریف کرتے ہیں اور ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ ہماری نماز، حج، دعائیں، اوّل سے آخر تک خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا اور طلب حاجات کے سوا کچھ نہیں ہیں ستارہ، آسمان، خانہ کعبہ، پیغمبر اور فرشتوں میں سے کسی کی بھی مدح و تعریف نہیں کی جاتی ہے اور نہ ان سے کسی کام کی خواہش کی جاتی ہے اور آسمان کا ستاروں کے بغیر زمین میں کوئی نمایاں اثر نہیں ہے دعا کے وقت ان کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا ہے یہی سبب ہے کہ مسجد کی دیوار، زمین، نیز جائے نماز میں نقش و نگار کا ہونا پسند نہیں کرتے تاکہ خیالات یکسو رہیں۔ ہمارے مذہب میں کام دل سے پڑتا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی سے دل کو مطمئن کرنے کی عادت ڈالتے ہیں۔ کھڑے ہونا، بیٹھنا، جھکنا، اُٹھنا، گر پڑنا، بھوکا رہنا، خیرات کرنا، سفر میں جانا، دوڑنا، رفتار میں خود کو طاقتور اور بے پرواہ ظاہر کرنا، پتھر مارنا، ذبح کرنا، یہ سب خدا کے لئے کرنا چاہئے نہ کہ اپنے لئے اگرچہ اس درویش نے میری گفتگو میں چوں و چرا کی گرہ دو جو ہندو مسلمان جو اس کے گرد بیٹھے تھے ہر ایک نے کان لگا کر سُنا اور پسند کیا میں با آواز بلند "خیر باد" کہہ کر چلا آیا پھر نہ گیا۔

حاکم المورہ کے پاس خط بھیجنا۔ ان ہی ایام میں وہاں کا حاکم بھی واپس آگیا، میں نے جواہرلال کے چچا جس کا نام اس وقت یاد نہیں ملاقات کی جواہرلال کا ذکر اجمیر کی سرگزشت میں لکھونگا

اس کے سوا کسی اور سے ملاقات نہ کی تمام اہلکاران، دہلی کے باشندے ہیں اور جیسے سکھ کے ساختہ پرداختہ ہیں جس کا حال گارنر بہادر کے ہمراہیوں میں لکھ چکا ہوں اہلکاروں کو یہ خیال تھا کہ میں خود اُن سے ملنے جاؤں گا۔ مگر میں کارگزاروں سے التجا کرنا سخت ناپسند کرتا ہوں اور اب تک میں اس بیجا ذلت سے محفوظ رہا ہوں۔

آقا نواب عنایت خاں کا ایک خط اپنے ایک ساتھی کے ہاتھ حاکم الموڑہ کے پاس بھیجدیا۔ دوسرے دن اسی شخص کے ذریعہ سے شافی جواب مل گیا۔ صاحب ممدوح سے ملاقات کی نوبت بھی نہ آئی کیونکہ وہ عدیم الفرصت تھا اور میں غیوری اور خودداری کی وجہ سے ملنے نہ گیا خط کی عبارت غالباً یہ تھی۔

صاحب مشفق و مہربان کرم فرمائے مخلصاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ از آنجاکہ اولاد و احفاد نواب فیض اللہ خاں مرحوم را بہ ارکان دولت خداداد سرکار نصفت مدار کمپنی انگریز بہادر از عرصہ پنجاہ سال تا زمان حال ربط خاص و کمال اختصاص حاصل، لاجرم فیما بین اعیان آں سلطنت وہر یکے ازیں دودمان سزاوار رافت، تعارف بہ عنوان کلی، گو معرفت شخصی نبود ثابت، ازیں روا عانت و امداد آں گروہ با شکوہ واستعانت و استمداد ایں فرقہ اخلاص پژوہ پابند سبقت مراسم ظاہری و ملاقات صورت نہ باشد۔ بنا بر آں دریں آواں کہ بعضے متوسلاں ایں خاندان را ارادہ ٔ نیل گیری و تجارت گشتہ بہ مقتضائے وقت بخاطر افتادہ۔ تحقیق تمنائے سرکاری

صاحب مشفق و مہربان کرم فرمائے مخلصاں سلمہ اللہ تعالےٰ۔ چونکہ نواب فیض اللہ خاں مرحوم کی اولاد و احفاد کو ارکانِ دولت خداداد سرکار نصفت مدار کمپنی انگریز بہادر سے عرصہ پچاس سال سے اس وقت تک خاص ربط اور کمال خصوصیت حاصل ہے، لازمی طور پر اس سلطنت کے امراء اور اس خاندان کے ہر اُس فرد سے جو لطف و مہربانی کا سزاوار ہے پوری طور سے تعارف حاصل ہے اگرچہ شخصی طور پر جان پہچان نہیں ہے، اسی لئے اس پرشکوہ جماعت کی اعانت و امداد اور اس پرخلوص گروہ کی استعانت و استمداد کے لئے ظاہری مراسم اور ملاقات کی ضرورت نہیں ہے چونکہ اس زمانہ میں اقتضائے وقت کے پیش نظر اس خاندان کے بعض متوسلین کے دل میں ہاتھیوں اور گھیے کی تجارت کا ارادہ پیدا ہوا ہے اس لئے ان چیزوں کے بھرکاری

بریں چیزہا لازم و چوں باشندگانِ دامن کوہ
بہایم سیرت اند گفتار پریشان آناں مانند
صدائے کوہ بپاسخ پرسش دل نشین نمی گردد
وازینکہ جلب منفعت و دفع مضرت در آب و
گل انساں سرشتہ اند مستاجراں اظہار اختیار
خود در کم و بیش رقم معمول کردہ زیادہ طلبی
از تاجراں کنند و تاجراں جاری نشدن اشتہار را
قرینہ معافی ساختہ ادائے پشیزے ہم بر خود
جبر دانند، گاہے مستاجر زر بے اندازہ بہ سرہنگی
می گیرد و گاہے تاجر بجز چیزے دست برداشتہ
ہیچ نہ دہد، لہٰذا چند استفسار بر فرد
علاحدہ نوشتہ بہ امید جواب دستخطی
ہر یکے محاذی آں ملفوف رقیمہ نیاز
کردہ و نیز مکلف اوقات شریف
است کہ حکم عام بہ تاکید تمام امتثال
احکام مثبتہ فرد بکار گزاراں سرکار
از مستاجر و پولدار و گزریاں و زمیندار
و حاکم تحصیل صدور یابد تا احدے
ازاں سر نتابد و التماس از الطاف
سامی آنست کہ ہر گاہ کدام کار ایں دیار
قابلِ ابرام مخلص رو دہد بلا تکلف
ایماء فرمایند۔

محصول کی تحقیقات ضروری ہے چونکہ دامن کوہ کے
رہنے والے غیر تربیت یافتہ ہیں۔ اس لئے ان کی پہاڑ
کی آواز کی طرح پریشان گفتگو سوال کے جواب
میں دل نشین نہیں ہوتی چونکہ نفع اندوزی اور
دفع مضرت کی صفت انسان کے خمیر میں جاگزیں
ہے اس لئے مستاجر کسی قدر اپنے اختیار کا
اظہار کرتے ہوئے مقررہ رقم سے زیادہ تاجروں
سے طلب کرتے ہیں اور تاجر اشتہار جاری نہ
ہونے کو معافی کا قرینہ سمجھتے ہوئے ایک پیسہ کی
ادائیگی کو بھی اپنے لئے جبر سمجھتے ہیں، کبھی مستاجر
اندازہ سے زیادہ رقم سپاہیانہ پن سے لیتا ہے اور
کبھی تاجر ایک چیز کے علاوہ کچھ اور نہیں دیتا ہے
لہٰذا چند استفسار علیحدہ کاغذ پر اس امید میں لکھ دئے
ہیں کہ آپ ان کے محاذی اپنے دستخطی جوابات تحریر
فرمائیں گے اور آپ کے اوقات شریف میں مخل ہو کر تکلیف
دینی چاہتا ہوں کہ ایک عام حکم کامل تاکید کے
ساتھ ان احکام کی تعمیل کے لئے جو فرد پر
لکھے گئے ہیں عمال سرکار، مستاجر، پولدار،
گزریاں، زمیندار اور حاکم تحصیل کو صادر فرما دیا
جائے تاکہ کوئی شخص تعمیل سے سرتابی نہ کرے
اور جناب کے الطاف کے مد نظر امید ہے کہ
جب کبھی کوئی کام اس شہر سے متعلق اس مخلص
کے لائق متصور ہو تو بلا تکلف ایما فرمایا جائے

غرض کہ دامنِ کوہ میں گارنر بہادر کی نیک نامی و شہرت خوب

پھیلی ہوئی ہے [1]

چہ کالائے نیکوست خوئے نکو | بہ ہر جا ہمہ کس خریدار او[2]
چہ شہر و چہ لشکر گہ و روستا | چہ در آشتیہا چہ در جنگہا
چہ بازارگان و چہ شہ چہ گدا | چہ رند جہاں سوز و چہ پارسا

علاقہ الموڑہ کا کچھ حصہ انگریزی حکومت میں اور باقی چینیوں کے قبضہ میں ہے۔ اس علاقہ سے چھوٹے چھوٹے گھوڑے جنہیں ٹانگن کہتے ہیں لاتے ہیں، مشک، جدوار اور گائے کے دُم کے بال بھی لاتے ہیں جن سے چونری اور گھوڑوں کی زیبائش کے لئے چنور بناتے ہیں۔ برف کا پہاڑ صاف نظر آتا ہے جس کا شیریں پانی ہر جگہ رواں ہے ہندو کہتے ہیں کہ اس پر راجہ اندر کا شہر ہے، بارش برسانا اندر ہی کا کام سمجھتے ہیں لیکن بھگوت میں کرشن کی زبانی اندر کے اختیار سے انکار اور اس کو روک دینا مذکور ہے۔ اور اس نے اندر کی پوجا کی ممانعت کی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس واسطہ کی تعبیر ہو جو پہلی علت اور آخری معلول کے درمیان ہے جس کو ہندو اندر اہل کتاب فرشتہ اور اشراقی رب النوع کہتا ہے۔

حاکم الموڑہ کا انداز عدالت: حاکم الموڑہ جارج ولیم باوجودیکہ قانون داں نہ تھا مگر کام ڈھنگ سے کرتا تھا، ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے جس کو صاحب عدالت (جارج ولیم) نے عدالت دورہ کے سپرد کر دیا اور چار روز تک محرر لوگ اس کا مسودہ بھی کرتے رہے مگر درست نہ ہوا۔ ہوا یہ کہ ایک شخص جا رہا تھا دو آدمیوں نے کہا کہ یہ شخص محصول کا مال لئے جا رہا ہے اس کو پکڑنا چاہیئے وہ ڈر کر بھاگا پیر پھسلا پہاڑ کے نیچے جا پڑا اور مر گیا۔ اس کے بدن پر نہ کسی انسان کے ہاتھ کا اور نہ کسی درندے کے پنجے یا دانت کا زخم تھا تاہم خون کا مقدمہ عدالت دورہ کے سپرد ہے

---

[1] گارنر بہادر دہلی میں تعیناتی سے قبل الموڑہ کے پہاڑی علاقہ میں حاکم رہ چکا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[2] "او" نظم میں غیر ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے۔ مولانا جامی نے نثر میں بھی استعمال کیا ہے۔

دیکھئے کیا حکم ہو۔

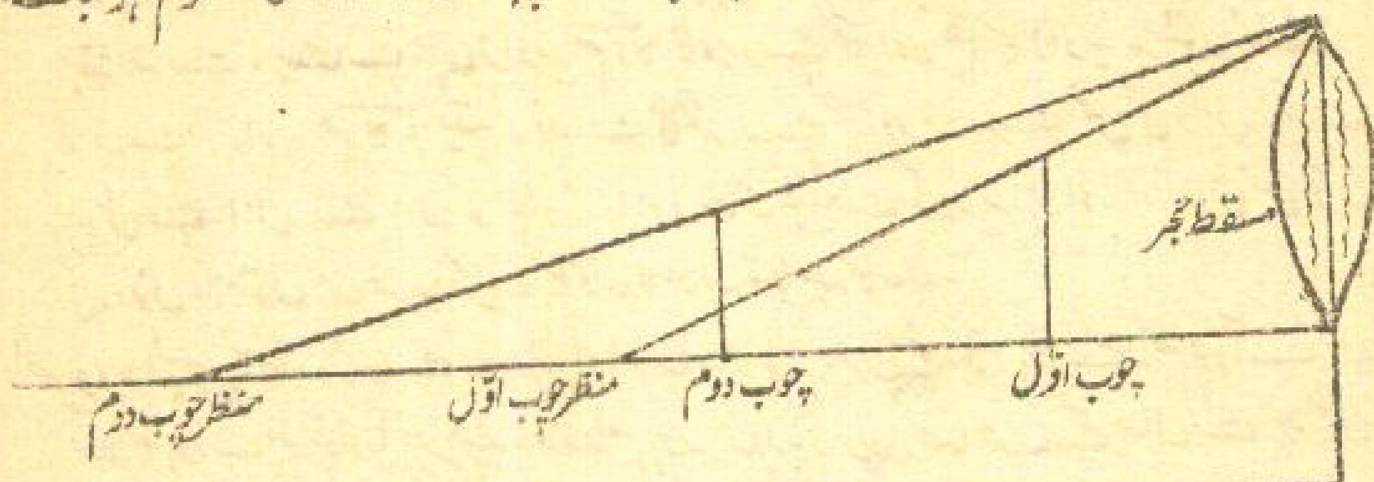
الموڑہ واپس ہو کر دوپہر تک ہم بیورہ آ گئے، یہاں رات گزاری اگلے دن رام کاڑ پہونچے، یہاں جھگڑا یاد تھا، اس لئے ٹھہرنے کا خیال نہ کیا، ناشتہ کیا قہوہ پیا اور آگے کو چل دئے، مغرب تک ہم بھیم تال پہنچ گئے اور پہاڑی پر تھانہ میں قیام کیا۔ صبح کو میں اس گھوڑے پر سوار ہو گیا جو سرکار (نواب عنایت اللہ خاں) نے بھیجا تھا۔ یہ گھوڑا ابھی تک شائستہ نہیں ہوا تھا مگر دن بھر کی مشقت برداشت کر کے اور نشیب و فراز دیکھ کر درست ہو گیا۔ حقیقت ہے کہ دنیا کی پستی و بلندی دیکھ کر انسان ہو یا حیوان سب سیدھے راستے کے خواہاں ہو جاتے ہیں اور خراب راستہ سے بچ کر کنارے پر چلتے ہیں۔

چو بے رنج تن کام یابد کسے ۔۔۔ رود راہ کورانہ دیدم بسے
اگر بشنود پند و اندازِ کس ۔۔۔ بگوشش بود چوں طنینِ مگس
ولیکن چو مالش دہد روزگار ۔۔۔ نیابد اُورا دیگر آموزگار

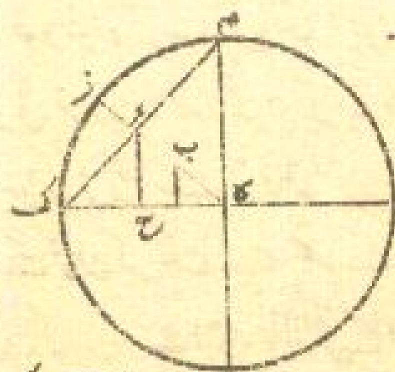
دوپہر بعد ہم بھنسوڑی پہنچ گئے۔

پہاڑی کی بلندی معلوم کرنے کا طریقہ:۔ اب میں پہاڑ کی بلندی معلوم کرنے کا طریقہ لکھتا ہوں۔ اگر اصطرلاب موجود ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ شظیہ ارتفاع کو ۴۵ درجہ کے نشان پر رکھے اور ہموار جگہ پر کھڑا ہو کر نگاہ کے دونوں سوراخوں کو پہاڑ کی چوٹی سے ملائے۔ جب نگاہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے تو وہ مقام مسقط حجر تک کے فاصلہ ارتفاع کے برابر ہوگا۔ اب اپنے کھڑے ہونے کی جگہ پر ایک نشان کرے اور پھر اصطرلاب کی پشت پر نگاہ کرے اگر سایہ کے برابر سات حصّے کئے ہوں جن کو قدم کہتے ہیں، تو ایک قدم کے برابر اور اگر بارہ حصّے کئے ہوں جن کو ظل اصابع کہتے ہیں تو ایک انگلی کے اندازہ سے عضادہ کو نیچے یا اوپر کرے پھر دونوں سوراخوں سے سرِ کوہ کو دیکھے جس مقام سے نظر آ جائے نشان کر دے، پھر دونوں نشانوں کے درمیان پیمائش کرے جس قدر بھی ہو اُس کو ظل ارتفاع اوّل میں یعنی نقش ظل کے ان عددوں میں جن پر پہلی مرتبہ سرِ کوہ دیکھتے ہوئے شظیہ ارتفاع پڑے۔ ضرب دیں۔ حاصل ضرب جائے قیام اوّل اور مسقط حجر کوہ کا درمیانی فاصلہ ہے۔

اگر اصطرلاب نہ ہو تو یہ عمل برابر کی دو لکڑیوں پر بھی کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک لکڑی کھڑی کریں پھر جس مقام پر پہاڑ کی چوٹی اور لکڑی کا سراغ نظر میں مل جائے وہاں نشان کر دیں۔ پھر دوسری لکڑی کھڑی کریں اس کو بھی اسی طرح نظر میں ملا کر نشان کریں اب ان دونوں نشانوں کے فاصلہ کو دونوں لکڑیوں کے فاصلہ میں ضرب دیں۔ لیکن اس عمل میں اپنے قد کی مقدار بڑھانی چاہئے تاکہ پہاڑ کی بلندی معلوم ہو جائے۔



پہلی صورت میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ مقام اوّل اور پہاڑ کے نیچے بلندی کی تعداد موجود ہے اور ۴۵ درجہ پر جہاں اصطرلاب میں شظیہ رکھتے ہیں موقف اور مسقط حجر کا درمیان ارتفاع کے برابر ہوتا ہے کیونکہ تین سو ساٹھ درجوں کا آٹھواں حصہ پینتالیس درجہ ہوتا ہے اور تین سو ساٹھ درجے پر دائرہ کی تقسیم کرتے ہیں۔



خط ہ ز کو شعاع بصر تصور کریں اور اب یا ر ز کو بلندی وغیرہ بس ہ و برابر ہے اب کے اور ہ ح برابر ح ر کے کیونکہ ۷ ا ہ ب نصف قائمہ نیز ۷ ح ہ ر و ا و ہ قائم رہے گا کیونکہ خطوط مستقیمہ کا مثلث دو قائموں سے زیادہ نہیں ہوتا اور

چونکہ ہ ز ب متساوی ہیں تو ہر ایک کا وتر بھی کہ ہ ز اور اب ہے آپس میں برابر ہیں
اور چونکہ ب ا ہ ب نصف قائمہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زاویہ ک ہ م قائمہ
اور ہ ث اور ہ م متساویہ برابر ہیں زاویہ م د ث کے پس جس وقت ہ ز والا خط مرکز
سے نکل کر قوس کو آدھا کرے گا تو لامحالہ ک م کے وتر کو بھی کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیگا۔
اور جو خط کے مرکز سے نصف وتر تک پہنچے گا وہ وتر پہ عمود ہو جائے گا جیسا کہ علم
ہندسہ سے ثابت ہے پس زاویہ م د ہ قائمہ رہے گا اور ہ م کا زاویہ بدستور نصف
قائمہ ہے تو زاویہ م ہ ر یقینی نصف قائمہ رہے گا اور دوسرے عمل کی دلیل بہت
طویل ہے۔ اس لئے اس کو چھوڑتا ہوں تاکہ طبیعت مکدر نہ ہو اور ارتفاعی ظل اول
کی دونوں علامتوں میں ضرب کرنے کا قاعدہ اربعہ متناسبہ کا ہے۔

رام پور واپسی بھینسوڑی سے رودرپور اور وہاں سے بلاس پور پہنچے۔ بلاس پور سے رام پور آئے اور
خط کا جواب پہونچا دیا پھر چند روز رام پور میں رہا کہ ویلدر صاحب کے یہاں سے پھر طلبی
ہوئی۔

مولوی عبدالقادر کو ویلدر صاحب کا طلب کرنا۔ چند روز رام پور میں رہنا ہوا کہ میر
جلال الدین کی تحریر پہنچی اس میں لکھا تھا کہ خداوند نعمت (ویلدر صاحب) تجھ پر بے حد
مہربان ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر ہم یاد کریں تو وہ حاضر ہو جائے گا یا نہیں میں
(میر جلال الدین) اور دوسرے دوست بھی چاہتے ہیں کہ یہاں آجاؤ، میں نے جواب میں
لکھا کہ آقا کی نوازش بجائے خود خواہ قرب ہو یا بعد ایسی میرے دل نشین ہے کہ تمھاری
تحریر سے پیشتر بھی اس میں کوئی تردد نہ تھا مگر چونکہ بندہ کی دیوانہ مزاجی ابھی تک کم نہیں
ہوئی ہے بلکہ اور ترقی پر ہے کیونکہ زر مست تو فاقہ کشی سے سیدھا ہو جاتا ہے مگر فاقہ مست
کا علاج سوائے موت کے کون کر سکتا ہے۔ تم نے یہ نہیں لکھا کہ سابق کے بہ نسبت
نوازشیں ترقی پذیر ہیں یا نہیں تاکہ ان سے اپنی نالائقی کا اندازہ کرکے جواب لکھتا۔ میرا خیال
ہے کہ نوازشیں کم ہیں کیونکہ اس احتیاط سے خط آقا نے خود نہیں لکھا کہ اگر نہ آیا تو میرا لکھنا
بیکار جائے گا، امراء اپنے نیاز مندوں کو گھر بیٹھے کی تنخواہ دیتے ہیں اور کام کرنے کی معافی
دیدیتے ہیں یہ طریقہ انگریزی سرکار میں بھی جاری ہے البتہ رقم کا ضائع ہو جانا تحریر

کے ضائع ہونے سے زیادہ برا ہے۔

آقا نے دسمبر ۱۸۱۶ء میں ایک بند لفافہ بھیجا جس میں ایک پروانہ، صاحب کا انگریزی خط اور سو روپئے کی ہنڈی تھی۔ انگریزی خط اور پروانہ کا مضمون کچھ اس نوعیت کا تھا کہ مجھے جانا ضروری ہوگیا۔ یہاں پر والد مرحوم کی تنخواہ کا اضافہ میرے نام رام پور سے ہوگیا تھا مگر میں اپنی زندگی اس پر بسر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ نواب عنایت اللہ خان بہادر اور جناب عالیہ والدہ نواب صاحب سے میں نے اجازت چاہی انہوں نے میری فلاح مدنظر رکھتے ہوئے اجازت دے دی بلکہ سامان سفر کی اعانت بھی فرمائی۔

ویلڈر صاحب کی خدمت میں حاضری - میں رام پور سے روانہ ہوکر دہلی پہنچا وہاں معلوم ہوا کہ آقا (ویلڈر صاحب) مقام ونجھل میں عدالت دورہ اور کلکٹری دونوں کام کر رہا ہے کیونکہ ولیم فریزر صاحب اس وقت کہیں تشریف لے گئے ہیں، میں وہیں پہنچا اور گاؤں میں ٹھہر گیا۔ جب آقا کو معلوم ہوا تو اس نے میر جلال الدین کو حکم دیا کہ میرے ٹھہرنے کا انتظام کرے اس نے علیحدہ خیمہ میں لے جاکر مجھے جگہ بتائی۔ میں اپنا تمام سامان لے گیا۔ اور رات گذاری صبح کو صاحب نے بلایا اور تنہائی میں فرمایا کہ تو ہمیشہ مجھے چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور بے پروائی کرتا ہے کیا کروں میرا دل تیرا جیسا پتھر نہیں خواہ مخواہ تجھ کو پھر کھینچ بلاتا ہوں۔ آئندہ اتنا ضرور توقف کرنا چاہئے کہ میں جواب دیدوں، تاکہ سب لوگ تجھے خوش خلق اور مجھے بدخو کہنے لگیں۔ میں نے کہا کہ جب تک جناب کی بے پروائی نہ دیکھوں گا نہ جاؤں گا اس کے بعد فرمایا کہ کلکٹری میں پیشکاری کی جگہ ہے جس کی تنخواہ اسی روپئے ماہوار ہے میں نے منظور کرلی اور کہا کہ میں نے نہیں سے انکار کیا نہ پہچان سے۔ اب دو تنخواہیں جمع ہوگئیں تو کیا عذر ہوسکتا ہے اور پہلے جب بندہ چلا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میرا مشاہرہ خاطر مبارک میں بطور مراعات بغیر خدمت کے تھا یہ بات اس دستخطی روبکار سے واضح ہوئی جو بندہ کے چلے جانے کے بعد پہنچا تھا۔ فرمایا کہ اب پچھلی باتیں چھوڑو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارا رہنا تمہارے آقا کے حق میں بہتری کا باعث ہے گو آقا اس کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ اس کے بعد میں رخصت ہوا۔ پھر ایک روبکار لکھا کہ مولوی عبدالقادر کام پر مستقل طور پر مقرر کیا جائے اور فرمایا کچہری جاکر کاغذات ملاحظہ کرو۔

کچہری میں عجیب واقعہ :- جب میں کچہری میں پہونچا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا آنا ان لوگوں کو ناگوار ہوا جو خود اس عہدہ کے خواہش مند تھے چونکہ میں ایک زمانہ تک حسابی مد کی طرح باکار و بے کار رہ چکا تھا، اس لئے یاران سررشتہ طے شدہ کاغذات مجھے اس طرح دکھا رہے تھے گویا کسی نومشق کو تعلیم فرما رہے ہیں۔

چند چالاک اہلکاروں نے اپنی خود غرضی کی بناء پر بطور خیر خواہی یہ آقا کے ذہن نشین کر دیا تھا کہ فریزر صاحب نے جمع بندی اس قدر سنگین کی ہے جو ہرگز وصول ہونے والی نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ بتائی کہ چونکہ فریزر صاحب دوسرے کام پر جا رہا ہے اس لئے دانستہ طور سے اتنا اضافہ کیا ہے کہ وصول نہ ہو سکے اور اس سے اس کی ہوشیاری اور دوسروں کی نالائقی ظاہر ہو جائے۔

میرا یہ خیال تھا کہ فریزر صاحب کا ارادہ دہلی سے جانے کا ہرگز نہیں ہے اس لئے وہ ایسا کام کیسے کر سکتا ہے کہ جس کو پورا نہ کر سکے اس کے بعد صاحب رزیڈنٹ کی اطلاع پر ناآزمودہ کاروں نے اوسط جمع تجویز کر لی اور اس کا نام تجویز وصول رکھا تاکہ بندوبست کی شکست کا نام ہو جائے اور حکام تحصیل کو حکم تھا کہ وہ پندرہ روزہ کاغذات بھی بھیج دیا کریں جن میں منجملہ تجویز وصول باقی بھی رکھی ہو یہ ایک اور آفت تھی کہ رعایا کو تجویز وصول سے معافی کی اُمید ہو گئی تھی۔

میں علاقہ ستھہ اور نوح کے کاغذات دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایسے نیک آقا کو بد ذاتوں نے کیا دھوکا دیا ہے کہ کاغذات میں جمع بندی کی سنگینی لکھ دی گئی کیونکہ بقدر چوتھائی، پانچویں یا آٹھویں حصہ کے تخم سوختہ یا برباد ہو گیا تھا میں نے کہا کہ اس سال کی پیداوار کا گوشوارہ دیکھوں تو معلوم ہوا کہ جمع بندی سے پیداوار زیادہ ہے اور اس بربادی سے ان مستاجروں کی منفعت میں کمی ہو گئی جو خود کاشت تھے نہ یہ کہ سرکاری جمعبندی کے ادا کرنے کی گنجائش نہ رہی ہو۔ میں نے آقا کی خدمت میں عرض کیا کہ یا تو پیداوار کا کاغذ غلط ہے یا جمعبندی کی سنگینی کا۔ آقا نے بھی دونوں کاغذوں کو دیکھا اور سمجھا گر گندم نما جو فروش اہلکاروں نے چاروں طرف سے ایسے ایسے غیر مفہوم الفاظ بولنے شروع کئے جن سے آقا کو ان کی واقفیت اور تحصیل کے کام

میں مہارت معلوم ہونے لگی۔ اور میری مثال نقار خانہ میں طوطی کی آواز کے مصداق ہوگئی اور آقا نے بھی فرمایا کہ تم نے جو چیز اپنی ذہانت سے بتائی اس کو یہ آزمودہ کار اہلکار تسلیم نہیں کرتے اس سلسلہ میں سازش کا احتمال نہیں ہے کیونکہ اکثر باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ اور ان ہی کی رائے حق و درست معلوم ہوتی ہے۔ جی میں آیا کہ اپنی یہ طبع زاد رباعی پڑھ دوں لیکن مآل اندیشی کی وجہ سے باز رہا۔

گر خورد و بزرگ ست و گر نرم و درشت	در پنجۂ دست از لشمر یکمشت
گر چھوٹا بڑا ہو کوئی یا نرم و درشت	ہے حرص کے پنجہ میں شمار ایک مشت
بنگر کہ بجز لقمہ برابر نشود	زیں پست و بلند ہر یک از پنج انگشت
ہر چند ہیں ساتھ بظاہر پانچوں	ہرگز نہ ہوں جز لقمہ برابر انگشت

اس کے بعد آقا نے فرمایا کہ اب جو تیرے دل میں آئے کہو، وہ بھی فائدہ مند ہوگا۔

اہلکاران کچہری - کچہری کے پرانے ملازموں میں ایک شخص موہن لال تھا جو فریزر صاحب کی طرح اس علاقہ کے مواضع تخصیں کے متعلق زبانی معلومات رکھتا تھا۔ اور لکھن لال بہت عمدہ سیاق نویس تھا زور آور چند حساب کتاب کے تمام جزئیات میں اچھی مہارت رکھتا تھا۔ اور وہ صاحب کلکٹر کے زیر فرمان تھا۔ جنرل آکٹرلونی سے ایسا ہی تعلق تھا جیسا کہ دوسروں کا تھا۔ اس کے سوا وہ کوئی استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ آکٹرلونی دہلی کی کرور گیری کا کام خود انجام دے رہا تھا۔ القصہ فریزر صاحب واپس آگیا اور ویلڈر صاحب سے دورہ کی عدالت کا کام متعلق رہ گیا۔ مولوی حمد اللہ عرف رسول بخش ساکن تھانہ بھون، محکمے کے سررشتہ داروں میں تھے۔ لیکن وہ نقل مطابق اصل کے علاوہ سررشتہ کی نوشت و خواند میں کچھ دستگاہ نہیں رکھتے تھے اور مولوی حمد اللہ اس عرصہ میں مستعفی ہوگئے آقا نے بندہ کو ان کے کام پر مامور فرمایا اور تنخواہ ستر روپئے ماہوار مقرر کر دی اگرچہ اس عہدہ کا مشاہرہ پچاس روپیہ ماہانہ تھا۔

اجمیر کو تبادلہ - ابھی چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ اجمیر سرکار انگریزی کے قبضہ میں آگیا

اور دلیدر صاحب اس پر تعینات ہوئے بندہ (مولوی عبدالقادر) بہاری لال، مومن خاں،
الکی بیگ اور عبداللطیف صاحب کے ہمراہ اجمیر روانہ ہو گئے۔ مومن خاں کا اجمیر
میں انتقال ہو گیا۔ الکی بیگ دہلی میں ہے اور عبداللطیف کے متعلق معلوم نہیں کہ کہاں
ہے۔ دلیدر صاحب کی جگہ طامس شکاف صاحب آگئے اُنھوں نے منشی شیر علی اپنے
ساتھی کو سررشتہ دار بنالیا۔

ضمیمہ نمبر ۱

نوابانِ رامپور

(۱) نواب فیض اللہ خاں (ابنِ نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ ف ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء) ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء تا ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء

(۲) نواب محمد علی خاں (ابنِ نواب فیض اللہ خاں) ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء تا ۱۴ محرم ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء

(۳) نواب غلام محمد خاں (ابنِ نواب فیض اللہ خاں) ۱۴ محرم ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء تا یکم ربیع الثانی ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء

(۴) نواب احمد علی خاں (ابنِ نواب محمد علی خاں) ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء تا ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء

(۵) نواب محمد سعید خاں (ابنِ نواب غلام محمد خاں) ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء تا ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء

(۶) نواب یوسف علی خاں (ابنِ نواب محمد سعید خاں) ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء تا ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

(۷) نواب کلب علی خاں (ابنِ نواب یوسف علی خاں) ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء تا ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء

(۸) نواب مشتاق علی خاں (ابنِ نواب کلب علی خاں) ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء تا ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء

(۹) نواب حامد علی خاں (ابنِ نواب مشتاق علی خاں) ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء تا ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

(۱۰) نواب رضا علی خاں (ابنِ نواب حامد علی خاں) ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء تا ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

ضمیمہ نمبر ۲

دہلی کے رزیڈنٹ اور ایجنٹ

نام	مدت	کیفیت
(۱) ڈیوڈ آکٹر لونی	۱۸۰۳ء تا ۱۸۰۶ء	
(۲) سیٹن	۱۸۰۶ء تا ۱۸۱۱ء	
(۳) چارلس مٹکاف	۱۸۱۱ء تا ۱۸۱۸ء	
(۴) ڈیوڈ آکٹر لونی	۱۸۱۸ء تا ۱۸۲۵ء	(دوبارہ)
(۵) چارلس مٹکاف	۱۸۲۵ء تا ۱۸۲۷ء	(دوبارہ)
(۶) ایڈورڈ کولبرک	جولائی ۱۸۲۷ء تا جولائی ۱۸۲۹ء	(معطل ہوا)
(۷) ولیم فریزر	جولائی ۱۸۲۹ء تا ستمبر ۱۸۲۹ء	(قائم مقام)
(۸) فرانسس ہاکنس	ستمبر ۱۸۲۹ء تا ۱۸۳۰ء	(قائم مقام)
(۹) مارٹن	۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۲ء	
(۱۰) ولیم فریزر	۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۵ء	(ایجنٹ)[1]
(۱۱) سر ٹامس مٹکاف	۱۸۳۵ء تا ۱۸۵۳ء	(ایجنٹ)
(۱۲) سائمن فریزر	۱۸۵۳ء تا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء	(ایجنٹ و کمشنر)

---

[1] ۱۸۳۲ء میں دہلی کا تعلق لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ شمالی و مغربی (یوپی) سے ہو گیا اس وقت سے رزیڈنٹ کے بجائے ایجنٹ کہلانے لگے۔

کتابیات

(۱) ابجد العلوم :- نواب صدیق حسن خاں (مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء)

(۲) آبِ حیات :- شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد (لاہور سنہ ۱۹۵۰ء)

(۳) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین :-
نواب صدیق حسن خاں (مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء)

(۴) آثار احمدی :- (قلمی) شیخ عنایت حسین کمبوہ مارہروی (مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۵) آثار الصنادید :- سر سید احمد خاں بہادر (نول کشور پریس ۱۸۷۶ء)

(۶) احسن التواریخ :- حکیم غلام احمد سنبھلی (اہل سنت برقی پریس مرادآباد ۱۹۳۵ء)

(۷) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار :- شیخ عبد الحق محدث دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی ـــ ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۳ء)

(۸) اخبار الصنادید (جلد اول و دوم) مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رام پوری۔ (طبع اول۔ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۴ء۔ طبع دوم۔ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

(۹) اخبار رنگین (قلمی) سعادت یار خاں رنگین ـــ (مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۰) اختصار الصیانۃ (قلمی) مولوی محبوب علی دہلوی (مخزونہ کتب خانہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی)

(۱۱) اربع انہار :- مولانا شاہ ابو سعید مجددی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۳ء)

(۱۲) اسرار الاولیاء :- مولانا بدر اسحاق دہلوی (مطبع نول کشور، کانپور)

(۱۳) اعجاز جہانگیری :- حاجی محمد عنایت حسین (محمود المطابع، بریلی)

(۱۴) الجزو اللطیف فی ترجمۃ الضعیف :- شاہ ولی اللہ دہلوی (مطبوعہ)

(۱۵) الدر الثمین :- شاہ ولی اللہ دہلوی ـــ (مطبوعہ)

(۱۶) الحیاۃ بعد المماۃ :- (سوانحعمری میاں نذیر حسین دہلوی) فضل حسین (مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء)

(۱۷) الفرقان (بریلی) کا شاہ ولی اللہ نمبر :- (مرتبہ) مولانا منظور احمد نعمانی (بریلی سنہ ۱۹۴۰ء)

(۱۸) المکاتیب :- (مجموعہ خطوط مولانا رشید الدین خاں و شیخ احمد یمنی شروانی) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء)

(۱۹) الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی :- (بر حاشیہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار) محمد محسن ترہتی (شائع کردہ مفتی محمد شفیع دیوبندی - جید برقی پریس دہلی ۱۳۴۹ھ)

(۲۰) امداد فی مآثر الاجداد :- شاہ ولی اللہ دہلوی (مطبوعہ مطبع احمدی، دھلوی)

(۲۱) انتخاب یادگار :- منشی امیر احمد مینائی — (تاج المطابع لکھنو ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء)

(۲۲) انسان العین فی مشائخ الحرمین :- شاہ ولی اللہ دہلوی (مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی)

(۲۳) انفاس العارفین :- شاہ ولی اللہ دھلوی - (مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء)

(۲۴) انوار الرحمٰن لتنویر الجنان :- (حالات و ملفوظات مولوی عبد الرحمان لکھنوی) مولوی نور اللہ بحیرالوی (مطبع کالی پرشاد، لکھنو ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء)

(۲۵) انوار العارفین :- مولوی محمد حسین مرادآبادی (مطبع صدیقی، بریلی ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)

(۲۶) انوار صداقت :- (جلد اول) قاضی فضل احمد (ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ۱۹۳۵ء)

(۲۷) بادشاہ نامہ :- عبد الحمید لاہوری مطبوعہ کلکتہ

(۲۸) باغی ہندوستان :- مرتبہ مولانا محمد عبد الشاہد خاں شروانی (مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء)

(۲۹) بحث و نظر :- ڈاکٹر سید عبد اللہ - (گیلانی پریس لاہور ۱۹۵۲ء)

(۳۰) برکات الاولیاء :- مولوی امام الدین گلشن آبادی (افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء)

(۳۱) برکات مارہرہ :- مولوی طفیل احمد بدایونی (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو)

(۳۲) بزم تیموریہ :- صباح الدین عبد الرحمٰن - (مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

(۳۳) بزم صوفیہ :- صباح الدین عبد الرحمٰن (مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء)

(۳۴) بستان المحدثین :- شاہ عبد العزیز دہلوی، اردو ترجمہ مولوی سمیع الدین دیوبندی (کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(۳۵) بوستان اودھ :- راجہ درگا پرشاد سندیلوی — (مطبوعہ ۱۸۸۶ء)

(۳۶) پاک جغرافیہ :- قاضی سعید الدین — (تعلیمی پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۵۱ء)

(۳۷) پرتھی راج راسا :- پروفیسر محمود خاں شیرانی (مفید عام پریس - لاہور ۱۹۴۳ء)

(۳۸) تاریخ ادب اردو :- رام بابو سکسینہ (اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری) (نول کشور پریس لکھنو ۱۹۱۹ء)

(۳۹) تاریخ اودھ :- (جلد اول تا پنجم) مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری (نول کشور پریس لکھنو ۱۹۱۹ء)

(۴۰) تاریخ امروہہ :- مولوی محمود احمد عباسی (مطبوعہ دہلی ۱۹۳۰ء)

(۴۱) تاریخ بادشاہان دہلی:۔ مولوی مقبول احمد ابن مولوی قدرت احمد گوپاموی (مطبع حسنی، لکھنؤ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء)

(۴۲) تاریخ بدیع (منظوم) منشی امیر اللہ تسلیم (مطبوعہ)

(۴۳) تاریخ پانی پت:۔ شیخ اسمٰعیل پانی پت (مشمولہ "حیات نو" جولائی ۱۹۳۶ء)

(۴۴) تاریخ پنجاب مسمّی بہ گلشن پنجاب:۔ پنڈت دیبی پرشاد (مطبع عمدۃ الاخبار، بریلی ۱۸۵۰ء)

(۴۵) تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار:۔ اولاد حیدر فوقی (مطبع اکبری، پٹنہ ۱۹۱۵ء)

(۴۶) تاریخ داستان اردو:۔ پروفیسر حامد حسن قادری (عزیزی پریس آگرہ ۱۹۵۷ء)

(۴۷) تاریخ راجگان ہند موسوم بہ وقائع راجستھان:۔ مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رام پوری (ہمدم برقی پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء)

(۴۸) تاریخ سادات امروہہ:۔ جمال احمد نقوی۔ (اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۳۴ء)

(۴۹) تاریخ ضلع فرخ آباد:۔ پنڈت دیبی پرشاد (گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۵۹ء)

(۵۰) تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ:۔ خاں بہادر شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی (مطبوعہ دہلی)

(۵۱) تاریخ فرخ آباد (قلمی) مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن)

(۵۲) تاریخ فرشتہ (جلد اوّل و دوم):۔ محمد قاسم ہندو فرشتہ اردو ترجمہ (نول کشور پریس لکھنؤ)

(۵۳) تاریخ فیروز شاہی:۔ شمس سراج عفیف (مطبوعہ کلکتہ)

(۵۴) تاریخ فیروز شاہی:۔ ضیاء الدین برنی (بہ تصحیح سر سید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء)

(۵۵) تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت (جلد اوّل و دوم) سید ہاشمی فرید آبادی۔ (انجمن ترقی اردو، کراچی۔)

(۵۶) تاریخ ہندی قرون وسطیٰ (حصہ دوم) قاری بشیر الدین پنڈت (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۹ء)

(۵۷) تاریخ ہندوستان (جلد نہم) خان بہادر شمس العلماء ذکاء اللہ دھلوی۔
(مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ ۱۹۱۹ء)

(۵۸) تحفہ اثنا عشریہ:۔ شاہ عبد العزیز دھلوی (ترجمہ مولوی سعد حسن خاں یوسفی
(کارخانہ تجارت کتب، کراچی ۱۹۵۶ء)

(۵۹) تالیف الالیف بکتابہ فہرس التوالیف:۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

(۶۰) تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق:۔ مولانا مرزا حسن علی محدث لکھنوی
(مطبع محمدی، لکھنؤ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء)

(۶۱) تحقیق الرویا:۔ شاہ عبد العزیز دہلوی (مطبع جید برقی پریس، دہلی ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء)

(۶۲) تذکرۃ الشعراء :۔ دولت شاہ سمرقندی۔ (مطبوعہ)
(۶۳) تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین :۔ مولوی زین العابدین (مطبوعہ ۱۸۹۰ء)
(۶۴) تذکرۃ الواصلین :۔ مولوی رضی الدین بدایونی (نظامی پریس، بدایوں ۱۹۴۵ء)
(۶۵) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان (اردو ترجمہ) مرزا محمد اختر دہلوی (سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشرز بمبئی والے، لاہور)
(۶۶) تذکرہ اہل دہلی :۔ مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی (انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۵ء)
(۶۷) تذکرۂ خندۂ گل :۔ مولوی عبدالباری (نگار مشین، لکھنؤ ۱۹۲۹ء)
(۶۸) تذکرۂ روز روشن :۔ محمد مظفر حسین (مطبع شاہجہانی، بھوپال ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء)
(۶۹) تذکرۂ ریختہ گویاں :۔ فتح علی حسینی گردیزی (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) ۱۹۳۳ء)
(۷۰) تذکرۂ شاہ ولی اللہ :۔ مولانا مناظر احسن گیلانی (دوآبہ پریس، لاہور ۱۹۴۶ء)
(۷۱) تذکرۂ شعراء :۔ ابن امین اللہ طوفان (مرتبہ قاضی عبدالودود) (آزاد پریس، پٹنہ ۱۹۵۴ء)
(۷۲) تذکرۂ شعرائے اردو :۔ میر حسن دہلوی مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (مطبوعہ دہلی ۱۹۴۰ء)
(۷۳) تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی :۔ سید احمد قادری (آزاد پریس، پٹنہ ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۰ء)
(۷۴) تذکرۂ عزیزیہ :۔ قاضی بشیر الدین احمد میرٹھی (مجتبائی پریس، میرٹھ، ۱۹۳۴ء)
(۷۵) تذکرۂ علمائے فرنگی محل :۔ مولوی محمد عنایت اللہ (لکھنؤ ۱۹۳۰ء)
(۷۶) تذکرۂ علمائے ہند :۔ مولوی رحمان علی (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۹۱۴ء)
(۷۷) تذکرۂ غوثیہ :۔ (حالات و ملفوظات شاہ غوث علی پانی پتی) مرتبہ مولوی گل حسن (تعلیمی پرنٹنگ پریس۔ لاہور)
(۷۸) تذکرۂ کاملان رام پور :۔ حافظ احمد علی خاں شوق (ہمدرد پریس، دہلی ۱۹۲۹ء)
(۷۹) تذکرۂ ہندی :۔ غلام ہمدانی مصحفی (مرتبہ مولوی عبدالحق)، (دہلی ۱۹۳۳ء)
(۸۰) تذکرۂ مولوی ذکاء اللہ :۔ سی۔ ایف۔ اینڈریوز (اردو ترجمہ ضیاء الدین برنی (تعلیمی مرکز، کراچی ۱۹۵۲ء)
(۸۱) تراجم علمائے اہل حدیث :۔ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی (جید برقی پریس، دہلی ۱۹۳۸ء)
(۸۲) تراجم الفضلاء (فارسی معہ انگریزی ترجمہ و حواشی) مولانا فضل امام خیرآبادی (ترتیب مفتی انتظام اللہ شہابی، ترجمہ و حواشی اے۔ ایس بزمی انصاری) (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۵۶ء)

(۸۳) تسہیل الستار :- مرزا رحیم بیگ (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۹۱۳ء)
(۸۴) تصنیف رنگین (قلمی) سعادت یار خاں رنگین (مملوکہ محمد ایوب قادری)
(۸۵) تفسیر عزیزی معروف بہ وعظ عزیزی۔ مرتبہ محمد امام الدین حنفی (مطبع انصاری، دہلی)
(۸۶) تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی :- شاہ عبد العزیز دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی)
(۸۷) تفسیر مظہری :- قاضی ثناء اللہ پانی پتی (جید برقی پریس، دہلی - ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء)
(۸۸) تقویۃ الایمان (قلمی) :- شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (۱) (مملوکہ محمد ایوب قادری)
(۸۹) تقویۃ الایمان معہ تذکیر الاخوان :- (۲) مطبع احمدی دہلی
(۹۰) تقویم عیسوی ہجری :- ابو النصر خالدی (انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۴ء)
(۹۱) تکمیل الایمان :- شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱) (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)
شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۲) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء)
(۹۲) تلامذۂ غالب :- مالک رام، (مرکز تصنیف و تالیف، نکودر ۱۹۵۷ء)
(۹۳) تنبیہ الضالین وہدایت الصالحین :- (مجموعہ فتاوے علمائے دہلی و حرمین شریفین در جواز تقلید)
(مطبع سید الاخبار، دہلی، ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء)
(۹۴) تواریخ ڈھاکہ :- حکیم رحمان علی طیش (مطبع اسٹار آف انڈیا پٹنہ ۱۹۱۰ء)
(۹۵) جماعت مجاہدین :- مولوی غلام رسول مہر (علمی پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۵۵ء)
(۹۶) جواہر فریدی :- محمد علی اصغر چشتی (اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور)
(۹۷) حدائق حنفیہ :- فقیر محمد جہلمی (نول کشور، لکھنؤ ۱۹۰۶ء)
(۹۸) حدیقۃ المرام :- مولوی مہدی واصف (مطبع مظہر العجائب، مدراس ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء)
(۹۹) حیات اجمل :- قاضی عبد الغفار مراد آبادی (انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ)
(۱۰۰) حیات حضرت امیر خسرو :- خان بہادر نقی محمد خاں (کراچی ۱۹۵۶ء)
(۱۰۱) حیات آفتاب :- حبیب اللہ خاں (اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، علی گڑھ ۱۹۴۲ء)
(۱۰۲) حیات حافظ رحمت خاں :- سید الطاف علی بریلوی (نظامی پریس، بدایوں ۱۹۳۳ء)
(۱۰۳) حیات شیخ عبد الحق :- پروفیسر خلیق احمد نظامی (خواجہ برقی پریس، دہلی ۱۹۵۳ء)
(۱۰۴) حیات طیبہ :- (سوانح عمری شاہ محمد اسمٰعیل (دہلوی) مرزا حیرت دہلوی (اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور)

(۱۰۵) حیات عزیزی :۔ شیخ رحیم بخش دہلوی (مطبوعہ)
(۱۰۶) حیات العلماء :۔ مولوی عبدالباقی سہسوانی (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۹۲۲ء)
(۱۰۷) حیات غالب :۔ شیخ محمد اکرام (فیروز سنز، کراچی)
(۱۰۸) حیات ولی :۔ شیخ رحیم بخش دہلوی (مطبوعہ)
(۱۰۹) خاندان برکات :۔ مولوی محمد میاں مارہروی (حسنی پریس بریلی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء)
(۱۱۰) خزینۃ الاصفیاء :۔ مفتی غلام سرور لاہوری (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۹۱۴ء)
(۱۱۱) خزینۃ الانساب :۔ مولوی ابوالعلا نظر احمد افسوں سہسوانی (نظامی پریس، بدایوں ۱۹۵۹ء)
(۱۱۲) خطبات گارساں دتاسی :۔ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) ۱۹۳۵ء
(۱۱۳) خطوط غالب (جلد اوّل و دوم) مرتبہ مولوی غلام رسول مہر (لاہور ۱۹۵۱ء)
(۱۱۴) خیر المجالس :۔ ملفوظات شاہ نصیر الدین چراغ دہلی مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ، ۱۹۵۹ء)
(۱۱۵) دریائے لطافت :۔ انشاء اللہ خاں انشا (انجمن ترقی اردو ہند، اورنگ آباد)
(۱۱۶) دلی کا دبستان شاعری :۔ ڈاکٹر نور الحسین ہاشمی (انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی ۱۹۴۹ء)
(۱۱۷) دلی کی سزا :۔ مرتبہ خواجہ حسن نظامی (دلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۴۶ء)
(۱۱۸) دلیل العارفین :۔ (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء)
(۱۱۹) دو نایاب زمانہ بیاضیں اور ان کا انتخاب :۔ مرتبہ عبدالباری آسی (ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد ۱۹۴۳ء)
(۱۲۰) دہلی اور اس کے اطراف :۔ (ایک سفرنامہ اور روزنامچہ) مولوی حکیم عبدالحئی۔ (کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۵۸ء)
(۱۲۱) دہلی کا آخری سانس :۔ مرتبہ خواجہ حسن نظامی دہلوی (دلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۲۵ء)
(۱۲۲) دیوان درد :۔ خواجہ میر درد دہلوی (نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۳ء)
(۱۲۳) دیوان مرزا مظہر جانجاناں و خریطۂ جواہر :۔ مرزا مظہر جانجاناں (مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء)
(۱۲۴) دیوان معروف :۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف (مرتبہ مولوی عبدالحامد قادری بدایونی) (نظامی پریس بدایوں)

(۱۲۵) دیوان نیاز :- شاہ نیاز احمد بریلوی (مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۲ء)

(۱۲۶) ڈھاکہ پچاس برس پہلے :- حکیم حبیب الرحمٰن (اتحاد پریس لاہور ۱۹۴۹ء)

(۱۲۷) ذکر غالب :- مالک رام (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۵۵ء)

(۱۲۸) ذکر میر :- میر تقی میر (مرتبہ مولوی عبدالحق) (انجمن ترقی اُردو (ہند) اورنگ آباد دکن ۱۹۲۸ء)

(۱۲۹) رسالہ تجہیز و تکفین :- ملا محمد عمران رام پوری (مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء)

(۱۳۰) رسالہ دانشمندی :- شاہ ولی اللہ دہلوی۔ (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۹۱۸ء)

(۱۳۱) رسالہ در بیان عدم جواز رفع سبابہ :- (قلمی) مولوی محبوب علی دہلوی (مخزونہ کتب خانہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی)

(۱۳۲) رسالہ فخر البراہنیہ :- مرتبہ ڈاکٹر دراز علی (مطبع نامی الہ آباد ۱۹۰۲ء)

(۱۳۳) رود کوثر :- شیخ محمد اکرام (لاہور ۱۹۵۸ء)

(۱۳۴) روضات - فارسی (قلمی) :- شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۳۵) روضۃ القیومیہ :- (جلد اوّل)، کمال الدین محمد احسان (لاہور ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷ء)

(۱۳۶) رہنمائے قلعہ دہلی :- مرتبہ مولوی ظفر حسن (دلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۲۰ء)

(۱۳۷) ریاض الفصحاء :- غلام ہمدانی مصحفی (مرتبہ مولوی عبدالحق) (دہلی ۱۹۳۴ء)

(۱۳۸) سر طامس مٹکاف کی ڈائری :- (شائع کردہ خواجہ حسن نظامی، دہلی ۱۹۰۵ء)

(۱۳۹) سروِ آزاد :- غلام علی آزاد بلگرامی (مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء)

(۱۴۰) سعادت یار خاں رنگین :- ڈاکٹر صابر علی خاں (انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کراچی ۱۹۵۶ء)

(۱۴۱) سفر نامہ مخلص :- آنند رام مخلص، (مرتبہ ڈاکٹر اظہر علی (ہندوستانی پریس، رام پور ۱۹۴۶ء)

(۱۴۲) سفیر اودھ :- مولوی مسیح الدین کاکوروی (الناظر پریس، لکھنؤ ۱۹۲۹ء)

(۱۴۳) سفینۃ الاولیاء :- شہزادہ داراشکوہ (اُردو ترجمہ مولوی محمد علی لطفی) (انٹرنیشنل پریس کراچی ۱۹۵۹ء)

(۱۴۴) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات :- پروفیسر خلیق احمد نظامی (الجمعیتہ پریس دہلی ۱۹۵۸ء)

(۱۴۵) سودا :- شیخ محمد چاند ایم۔ اے۔ (شائع کردہ انجمن ترقی اُردو (ہند) اورنگ آباد)

(۱۴۶) سوانح حیات امیر خسرو :- پروفیسر محمد حبیب (اُردو ترجمہ حیات اللہ انصاری) (ہندوستانی اکیڈیمی الٰہ آباد ۱۹۲۸ء)

(۱۴۷) سوانح عمری حضرت شاہ بولاقی مراد آبادی :۔ احمد حسین (مطبع سعیدی، رام پور ۱۳۱۳ھ / ۱۹۰۱ء)

(۱۴۸) سوانح عمری شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی :۔ (مطبوعہ دہلی)

(۱۴۹) سیر الاولیاء :۔ محمد مبارک العلوی معروف بامیر خورد (مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء)

(۱۵۰) سیر العارفین :۔ حامد بن فضل اللہ جمالی (مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء)

(۱۵۱) سیر المتاخرین :۔ (فارسی) غلام حسین طباطبائی (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

(۱۵۲) سیرت سید احمد شہید :۔ ابو الحسن علی ندوی (مطبوعہ ۱۹۳۹ء)

(۱۵۳) سیرت فریدیہ :۔ سر سید احمد خاں بہادر (مطبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۶ء)

(۱۵۴) شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک :۔ مولانا عبید اللہ سندھی۔
(دین محمدی پریس، لاہور ۱۹۴۳ء)

(۱۵۵) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات :۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڈھ، ۱۹۵۰ء)

(۱۵۶) شجرہ نواب دوندے خاں بہادر :۔ (قلمی، مملوکہ ظہور النبی خاں، مراد آبادی)

(۱۵۷) شرح دیوان میر درد :۔ خواجہ محمد شفیع دہلوی (فاروقی پریس، دہلی)

(۱۵۸) شعر العجم (حصہ دوم) مولانا شبلی نعمانی (اعظم گڈھ ۱۹۴۷ء)

(۱۵۹) صراط مستقیم، شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی۔ (مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی)

(۱۶۰) صیانۃ الایمان (قلمی) :۔ مولوی محبوب علی دہلوی (مخزونہ کتب خانہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی)

(۱۶۱) طبقات الشعراء :۔ قدرت اللہ شوق (تلخیص۔ ابو اللیث صدیقی) (علیگڈھ ۱۹۳۸ء)

(۱۶۲) عجالہ نافعہ :۔ شاہ عبد العزیز دہلوی (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء)

(۱۶۳) عربی قصیدہ غیر منقوطہ :۔ مولوی غلام جیلانی رفعت رام پوری (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۶۴) علمائے ہند کا شاندار ماضی :۔ (جلد اول) مولانا محمد میاں (دلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۴۳ء)

(۱۶۵) علمائے ہند کا شاندار ماضی :۔ (جلد دوم) مولانا محمد میاں (الجمعیۃ پریس دہلی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء)

(۱۶۶) عمل صالح :۔ محمد صالح کمبوہ (بہ تصحیح ڈاکٹر غلام یزدانی) (کلکتہ ۱۹۲۳ء)

(۱۶۷) عین الانسان :۔ (فارسی) قاضی علی احمد محمود اللہ بدایونی (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء)

(۱۶۸) غدر کی صبح و شام :۔ (شائع کردہ خواجہ حسن نظامی، ہمدرد پریس دہلی ۱۹۳۶ء)

(۱۶۹) غدر کے علماء :۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (مطبوعہ، دہلی)

(۱۷۰) غرایبت نگار :- مولوی عبدالحق دہلوی (اکمل المطابع، دہلی ۱۸۷۶ء)

(۱۷۱) غلام قادر روہیلہ :- سید الطاف علی بریلوی (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ)

(۱۷۲) فخر الطالبین :- نورالدین حسین فخری - (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء)

(۱۷۳) فہرست کتب :- (شیفتہ کلیکشن) مرتبہ مولانا ابوبکر شیث جونپوری (مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڈھ ۱۹۳۳ء)

(۱۷۴) قیصر التواریخ :- (جلد دوم) کمال الدین حیدر حسینی (نول کشور پریس ۱۹۰۷ء)

(۱۷۵) قیامت نامہ فارسی :- شاہ رفیع الدین دہلوی (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۱۷۶) کارنامہ راجپوتان :- مولوی حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری (کارخانہ روزنامہ اخبار پنجابی گزٹ بریلی)

(۱۷۷) کشکول ملا فقیر :- (فارسی) (قلمی، مملوکہ سید احسان الحق مرادآبادی)

(۱۷۸) کشکول کلیمی :- شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲۳ء)

(۱۷۹) کلام دلدار علی مذاق :- شاہ دلدار علی مذاق بدایونی (وکٹوریہ پریس، بدایوں ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء)

(۱۸۰) کلمات طیبات :- مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی (بہ تصحیح حافظ فضل الرحمان) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

(۱۸۱) کلیات سودا :- مرزا محمد رفیع سودا (نول کشور پریس، لکھنؤ)

(۱۸۲) کلیات مومن :- حکیم مومن خاں مومن (نول کشور پریس لکھنؤ)

(۱۸۳) کلیات نثر غالب :- اسداللہ خاں غالب (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۱ء)

(۱۸۴) کنز التاریخ :- مولوی رضی الدین بدایونی (نظامی پریس، بدایوں ۱۹۰۷ء)

(۱۸۵) گل رحمت :- (قلمی) نواب سعادت یار خاں - (مخزونہ کتب خانہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)

(۱۸۶) گل رعنا :- مولوی حکیم عبدالحئی (دارالمصنفین اعظم گڈھ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

(۱۸۷) گلزار اولیاء :- مولوی مظفر حسین (مطبع سبحانی، حیدرآباد دکن ۱۲۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

(۱۸۸) گلستان بے خزاں :- حکیم قطب الدین باطن (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء)

(۱۸۹) گلستان رحمت :- (قلمی) نواب مستجاب خاں (مملوکہ مولوی محمد سلیمان بدایونی)

(۱۹۰) گلستان سخن :- مرزا قادر بخش صابر دہلوی (دہلی ۱۲۹۹ھ)

(۱۹۱) گل عجائب یعنی تذکرہ شاعران :- اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۶ء)

(۱۹۲) گلشن بے خار :- نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ (نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۸۷۴ء)
(۱۹۳) گلشن ہند :- مرزا علی لطف (مرتبہ مولانا شبلی نعمانی) مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء)
(۱۹۴) لکھنؤ کا دبستان شاعری :- ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء)
(۱۹۵) مآثر الکرام (دفتر اوّل) غلام علی آزاد بلگرامی۔ (مفید عام آگرہ، ۱۹۱۰ء)
(۱۹۶) مالابد منہ :- قاضی ثناء اللہ پانی پتی (اردو ترجمہ محمد نور الدین ولد محمد اشرف چاٹگامی (ابوالعلائی اسٹیم پریس آگرہ ۱۹۲۴ء)
(۱۹۷) مبدا و معاد :- شیخ احمد سرہندی (مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی)
(۱۹۸) مجمع الاخبار :- (قلمی) ہر سکھ رائے ولد جیون کھتری (مخزونہ کتب خانہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)
(۱۹۹) مجموعہ حالات عزیزی، ظہیر الدین سید احمد ولی اللٰہی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)
(۲۰۰) مجموعہ قصائد مومن :- مرتبہ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی (الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۵ء)
(۲۰۱) مختصر تاریخ خاندان برکات :- مولوی محمد میاں مارہروی (مطبوعہ ادبی پریس لکھنؤ)
(۲۰۲) مختصر تاریخ ریاست رام (ٹائپ شدہ) :- مولوی حکیم نجم الغنی رام پوری (مخزونہ کتب خانہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی۔)
(۲۰۳) مختصر سیر ہندوستان :- حکیم محمد وحید اللہ بدایونی (مطبع احمدی - ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء)
(۲۰۴) مرحوم دہلی کالج :- مولوی عبدالحق، (مفید عام پریس لاہور، ۱۹۱۵ء۔
(۲۰۵) مرقع اکبر آباد :- سعید احمد مارہروی۔ (آگرہ ۱۹۳۱ء)
(۲۰۶) مرقع دہلی :- نواب درگاہ قلی خاں (بہ تصحیح حکیم مظفر حسین (تاج پریس، حیدر آباد دکن۔
(۲۰۷) مسدس رنگین :- سعادت یار خاں رنگین (مرتبہ تحسین سروری (ادارہ ترقی ادب، کراچی ۱۹۵۲ء)
(۲۰۸) مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت :- (جلد اول و دوم) مولانا مناظر حسن گیلانی (ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء)
(۲۰۹) مضامین عظمت اللہ :- محمد عظمت اللہ خاں۔ (حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء)

(۲۱۰) مطلع العلوم مجمع الفنون :۔ واجد علی ساکن ہوگلی (کلکتہ) (مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۰ء)

(۲۱۱) مفتاح العاشقین (ملفوظات شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی) مرتبہ خواجہ محب اللہ — (اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور)

(۲۱۲) مقالات شروانی :۔ نواب صدریار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی (مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ)

(۲۱۳) مقامات مظہری :۔ شاہ غلام علی دہلوی۔ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)

(۲۱۴) مکاتیب شریفہ شاہ غلام علی دہلوی :۔ (مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء)

(۲۱۵) مکتوبات امام ربانی (جلد اول تا سوم) (نول کشور پریس لکھنؤ)

(۲۱۶) مکتوبات کلیمی :۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء)

(۲۱۷) ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی :۔ (اردو ترجمہ عظمت الٰہی میرٹھی)۔ (ہاشمی پریس میرٹھ ۱۸۹۷ء)

(۲۱۸) مناقب المحبوبین :۔ حاجی نجم الدین چشتی — (مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء)

(۲۱۹) منتخب التواریخ :۔ ملا عبدالقادر بدایونی (اردو ترجمہ احتشام الدین مرادآبادی) (نول کشور پریس لکھنؤ)

(۲۲۰) منتخب اللباب (حصہ دوم) محمد ہاشم خاں المخاطب بہ خافی خاں (مطبع مظہر العجائب کلکتہ ۱۸۷۴ء)

(۲۲۱) موجِ کوثر :۔ شیخ محمد اکرام (مطبوعہ فیروز سنز، کراچی)

(۲۲۲) مولانا فضل حق و عبدالحق :۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (مطبوعہ نظامی پریس بدایون)

(۲۲۳) مولانا فیض احمد بدایونی :۔ محمد ایوب قادری (پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۷ء)

(۲۲۴) مونس الارواح (قلمی) :۔ جہاں آرا بیگم (مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۲۲۵) میرے زمانہ کی دلی :۔ ملا واحدی دہلوی (مشہور پریس، کراچی ۱۹۵۶ء)

(۲۲۶) میر تقی میر — حیات اور شاعری :۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ ۱۹۵۴ء)

(۲۲۷) نواب امیر خاں :۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (لکھنؤ ۱۹۳۱ء)
(۲۲۸) نواب نجیب الدولہ اور جنگ پانی پت :۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (کراچی ۱۹۵۸ء)
(۲۲۹) نجوم السماء :۔ مرزا محمد علی (جعفری پریس، لکھنؤ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء)
(۲۳۰) نجیب التواریخ (قلمی) :۔ مرزا نصیر الدین (مملوکہ سید الطاف علی بریلوی)
(۲۳۱) نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (جلد ششم) مولوی حکیم عبدالحئی ——— (دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء)

(۲۳۲) نزہۃ الناظرین :۔ مولوی معین الدین نزہت (مطبوعہ اہل سنت برقی پریس، مراد آباد)
(۲۳۳) نفحۃ الیمن :۔ شیخ احمد یمنی شروانی (بہ تصحیح و حاشیہ مولانا محمد احسن نانوتوی) (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۶ھ)

(۲۳۴) نقوش سلیمانی :۔ سید سلیمان ندوی (کلیم پریس، کراچی ۱۹۵۱ء)
(۲۳۵) نکات الشعراء :۔ میر تقی میر (مرتبہ مولوی عبدالحق) (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۵ء)

(۲۳۶) نور مدائح حضور (حصہ اوّل) مولوی غلام شبیر بدایونی (امیر الاقبال پریس، بدایوں ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء)
(۲۳۷) واقعات دار الحکومت دہلی (جلد اوّل تا سوم) مولوی بشیر الدین احمد دہلوی (شمسی پریس آگرہ ۱۹۱۹ء)

(۲۳۸) وزیر نامہ :۔ محمد امیر علی (مطبع نظامی پریس کانپور ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء)
(۲۳۹) وسیلۂ نجات :۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی (اردو ترجمہ موسوم بہ احسن النجات۔ مولوی محمد احسن نگرامی) (مطبع نظامی دہلی، ۱۹۱۰ء)
(۲۴۰) وصیت نامہ :۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (حاشیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی) (مطبوعہ بمبئی)
(۲۴۱) ہدایت المومنین (قلمی) مولانا احسن قنوجی (مملوکہ محمد ایوب قادری)

(۲۴۲) ہدایۃ الطالبین و مرقاۃ السالکین :- شاہ ابو سعید مجددی (مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفے خاں) (اعلیٰ کتب خانہ کراچی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء)

(۲۴۳) ہدیۂ سعیدیہ :- مولانا فضل حق خیرآبادی (مطبوعہ، کانپور)

(۲۴۴) ہنٹر پر ہنٹر :- سرسید احمد خاں بہادر (لاہور ۱۹۴۹ء)

(۲۴۵) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں :- ابو الحسنات ندوی (مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء)

(۲۴۶) یادگار دہلی :- سید احمد ولی اللہی (مطبوعہ)

(۲۴۷) یادگار شعراء :- (فہرست کتب خانہ شاہان اودھ اسپرنگر) (اردو ترجمہ طفیل احمد بی اے) (ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد ۱۹۴۳ء)

(۲۴۸) یادگار غالب :- خواجہ الطاف حسین حالی (عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور ۱۹۳۲ء)

(۲۴۹) مناقب الحسن رسول نما :- اردو ترجمہ نوائح العرفان مصنفہ سید محمد ہاشم مطبوعہ مطبع گلزار ہند اسٹیم پریس لاہور ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء)

(۲۵۰) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان :- از غلام علی آزاد بلگرامی (طبع بمبئی)

(۲۵۱) تذکرہ مصنفین اہل دہلی :- از شیخ عبد الحق (مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری) (حیدر آباد دکن ۱۹۳۶ء)

(۲۵۲) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک :- مرتبہ صلاح الدین عبد الرحمن۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء)

(۲۵۳) تاریخ مدرسۂ عالیہ :- از مولوی عبد الستار (مدرسۂ عالیہ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء)

رسائل

(۱) "العلم" (کراچی) ... جنوری تا مارچ ۱۹۵۴ء

(۲) "العلم" (کراچی) ... اپریل تا مئی ۱۹۵۷ء ... (جنگ آزادی نمبر)

(۳) "العلم" (کراچی) ... جولائی تا ستمبر ۱۹۵۹ء

(۴) الفرقان (بریلی) ... ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء ... (شاہ ولی اللہ نمبر)

(۵) القرآن (کراچی) ... مئی ۱۹۵۳ء

(۶) روزنامہ انجام (کراچی) ... ۱۱ مئی ۱۹۵۷ء ... (جنگ آزادی نمبر)

(۷) برہان (دہلی) ... مئی ۱۹۵۹ء

(۸) برہان (دہلی) ... جون ۱۹۵۹ء

(۹) برہان (دہلی) ... جولائی ۱۹۵۹ء

(۱۰) برہان (دہلی) ... اگست ۱۹۵۹ء

(۱۱) برہان (دہلی) ... ستمبر ۱۹۵۹ء

(۱۲) برہان (دہلی) ... اکتوبر ۱۹۵۹ء

(۱۳) برہان (دہلی) ... نومبر ۱۹۵۹ء

(۱۴) برہان (دہلی) ... دسمبر ۱۹۵۹ء

(۱۵) حیاتِ نو (پانی پت) ... جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۶) سوادِ اعظم (لاہور) ... جون ۱۹۵۹ء

(۱۷) نوائے ادب (بمبئی) ... فائل ۱۹۵۳ء

(۱۸) نیا دور (لکھنؤ) ... اپریل ۱۹۵۹ء

(۱۹) ماہِ نو (کراچی) ... اکتوبر ۱۹۵۹ء

انگریزی کتب

1. A History of the Freedom Movement Vol I (Pakistan Historical Society, Karachi, 1957)
2. A History of the Freedom Movement Vol. II (Pakistan Historical Society, Karachi, 1960)
3. A History of Urdu Literature, by Graham Bailey, (London, 1932)
4. Dacca, by Ahmad Husain Dani, (Dacca, 1956)
5. Delhi, its Monuments and History, by T.G.P. Spear, (Bombay, 1945)
6. District Gazetteer of the United Provinces of Agra and Oudh Vol. XV by H.R. Nevill, (Allahabad Government Press, 1907)
7. District Gazetteer of the United Provinces of Agra and Oudh Vol. XVI by H.R. Nevill, (Allahabad Government Press, 1907)
8. Encyclopaedia Britannica, Vol. XIII (1955)
9. -do- Vol. XIV (1955)
10. -do- Vol. XVI (1955)
11. -do- Vol. XX (1955)
12. Encyclopaedia of Islam, Vol. I

13. Fall of the Mughal Empire, by Sir Jadunath Sarkar, Vol. III (Calcutta, 1952)
14. Glimpses of old Dhaka, (S.M. Taifoor, Dacca).
15. Hastings and the Rohilla War, by Sir John Strachey, (London, 1892)
16. History of Indian and Eastern Architecture, by James Fergusson, (London, 1899).
17 Life and Correspondence of Charles Lord Metcalf, by John William Kaye, Vols 1 & 2 (London 1858).
18. List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. I. (Calcutta, 1916)
19. List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II. (Calcutta, 1919)
20. List of Mohammadan and Hindu Monuments, Vol. III. (Calcutta, 1922)
21. List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. IV. (Cacutta, 1922)
22 Loyal Mohammadans of India. (parts 1, 2 and 3), by Sir Syed Ahmad Khan, Meerut, 1860-61).
23 Private Journal of Marquess of Hastings, Vol. I (London, 1818).
24 Press Lists of Old Records in the Punjab

Secretariat, vol. I, (Delhi Residency and Agency, 1806-1857). (Lahore, 1915).

25. Press Lists of old Records in the Punjab Secretariat, vol. II, (Lahore, 1915).

26. Records of the Delhi Residency and Agency (Lahore 1911).

27. The History of Bengal, by Charles Stewart. (Calcutta 1910)

28. The Cambridge History of India, vol. IV (London, 1929).

29. The Cambridge History of India, vol. V (London, 1929).

30. The History of the Reign of Shah Aulum, by W. Francklin, (London 1934).

31. The Life and times of Sheikh Fariduddin, by Khaliq Ahmad Nizami, (Aligarh 1955).

32 The Proceedings of the Pakistan History Conference (Third Session, held at Dacca, 1953). (Karachi, 1955).

33. The Romance of Eastern Capital, Birt, F.B. Bradley, (London, 1906).

34. Twilights of the Mughuls, Percival Spear, (London, . 1951)

35. Two Native Narratives of the Mutiny in Delhi, (Tr. by Charles Theophilus Metcalfe) London, 1898).

36. Islamic Culture (Hyderabad Deccan, April, 1946)



اشاریہ

(الف)

ب

پ

ز

ش

ص

ض

ط

ظ

ق

و

ہ

ی

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۱۸	بکوید	بگوید
۱۸	۱۱	پانی	پائی
۳۰	۲	غار تنگری	غارتگری
۳۳	۱۲	اصلات	اصلاحات
۴۴	۲	اختیاط	احتیاط
۴۵	۱۰	سقیم	سقم
۵۳	۱۵	امیرخاں	محمد یارخاں امیر
۵۵	۸	غلام	علام
۶۱	۱۰	وشنودی	خوشنودی
۶۱	۲۲	ساکھ	ساکھا
۶۷	۱	چاہتے	چاہیئے
۸۳	۱۲	یاست	بابت
۸۹	۲۰	حاپہونچے	جاپہونچے
۱۰۰	۶	پچھڑاایوں	پچھڑیوں
۱۱۱	۷	روانکی	روانگی
۱۱۳	۹	حتم	ختم
۱۱۹	۱۴	نقب	لقب
۱۳۲	۳	جاوانی	جاودانی
۱۴۴	۱۸	حامی	جامی
۱۴۸	۳	سید رمق	سد رمق
۱۶۱	۲	جیہہ الدین	وجیہہ الدین
۱۶۲	۱۳	ہاج الدین	وہاج الدین
۱۶۸	۱۲	فیضل	فصیل
۱۷۲	۳	مسو !	مبسوط
۱۷۵	۱۸	پہنوائی	پہنچائی
۱۷۶	۲۳	سنہ ۳۵-۱۸۳۰	سنہ ۳۵-۱۸۳۲
۱۷۶	۲۳	رزیڈنٹ	ایجنٹ
۱۷۹	۱۱	او بکار	روبکار
۱۸۷	۱	ہماازورہ	ہمارا زورہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۹	۱	محمدوح	ممدوح
۲۰۵	۱۷	سیدالعارفین	سیرالعارفین
۲۲۴	۱۷	سنہ ۱۰۷۲ھ ۱۶۶۱	سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء
۲۴۷	۱۵	عجابہ نافعہ	عجالہ نافعہ
۲۴۸	۱۴	عمابہ نافعہ	عجالہ نافعہ
۲۴۹	۸	متبابہ	تمیامخہ
۲۵۰	۷	یہ سلب	بہ سبب
۲۵۹	۳	تبعلم	تعلم
۲۶۵	۱۶	مردار	مزار
۲۷۱	۹	موجو	موجود
۲۷۵	۱۲	پدرارم	پدردارم
۲۷۶	۱۳	ہوکی	ہوگی
۲۷۷	۹	محلسبہ	محاسبہ
۲۸۲	۹	دورے	دوڑے
۲۸۹	۱۴	سامن	ساکن
۲۹۳	۸	رقیقہ	دقیقہ
۲۹۴	۲۱	جھوٹے بیچے	جھوٹے بچے
۳۰۱	۲۱	سکن چند	سگن چند
۳۰۵	۵	الجاد	ایجاد
۳۱۰	۳	کچھوبہ	کچھواہہ
۳۱۵	۳	احمد بخش جان	احمد بخش خان
۳۱۶	۱۴	یانی	باقی
۳۱۸	۳	نبیے سنگھ	بنے سنگھ
۳۲۶	۱۸	نواب محمد خاں نے	نواب محمد علی خاں کے
۳۴۲	۱۵	موبود	موجود
۳۴۲	۲۴	کرہ	کوہ
۳۵۳	۱	لوپاموی	گوپاموی
✱	★	☆	☆

مطبوعاتِ کانفرنس اکیڈیمی

(۱) " ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں " مؤلفہ علامہ سید سلیمان ندوی — قیمت دو روپے اٹھ آنے

(۲) " " (انگریزی ترجمہ از مرزا عاشق حسین ایم اے و ڈاکٹر زبید احمد ایم اے ۔ بی ایچ ، ڈی) — زیر طبع

(۳) " " (بنگالی ترجمہ از مولانا غلام محی الدین ایڈیٹر " آج " ڈھاکہ) قیمت — تین روپے

(۴) " اسلامی نظامِ تعلیم " مؤلفہ پروفیسر سعید احمد رفیق " — تین روپے

(۵) " مسلم خواتین کی تعلیم " مؤلفہ مولوی محمد امین زبیری " — دو روپے

(۶) " ثقافت و انتشار " (میتھو آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب کلچر اینڈ انارکی کا اردو ترجمہ) از انعام عظیم برنی ایم اے و اخلاص حسین ایم اے " — چھ روپے

(۷) " مادری زبان کی تعلیم " مصنفہ پروفیسر یونس حسن فروغ علوی ایم اے ۔ " — تین روپیہ

(۸) " مشاہیر کے تعلیمی نظریئے " مؤلفہ محمد حسین خاں زبیری ایم ، اے (علیگ) " — چار روپیہ

(۹) " پُراسرار کائنات " (سر جیمس جینس کی کتاب " مسٹریس یونیورس " کا اردو ترجمہ) از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ " جنگ " " — چھ روپے

(۱۰) " جمہوریت اور تعلیم " حصہ اول ۔ (جان ڈیوی کی تصنیف " ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن " کا اردو ترجمہ) از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ " جنگ " " — پانچ روپے

(۱۱) " جمہوریت اور تعلیم " حصہ دوم ۔ " " " — پانچ روپے

(۱۲) " ارتقائے انسانی " (جدید سائنس کی روشنی میں) مؤلفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) قیمت — دو روپے

(۱۳) " مقاصد تعلیم " (اے ، این وہائٹ ہیڈ کی تصنیف ایمس آف ایجوکیشن کا اردو ترجمہ) از سید محمد تقی ۔ ایڈیٹر ۔ روزنامہ " جنگ " کراچی — قیمت پانچ روپے

(۱۴) " طالب علم کی ڈائری " مصنفہ سید الطاف علی بریلوی ، بی ، اے ، (علیگ) — قیمت ے؍

(۱۵) " تجدد امثال " " سید ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی ۔ " — عار

(۱۶) " مکاشفاتِ کشفی " " خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی ۔ " — عار

(۱۷) " حیات مابعد " " سید ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی " — عہ؍

(۱۸) " اصولِ تدریس " (رائبرن اور فوسج کی کتاب " پرنسپلس آف ٹیچنگ " کا اردو ترجمہ) از اخلاص حسین ایم اے قیمت پانچ روپے

(۱۹) "اصول و اساسِ تعلیم" (سر پرسی نن کی عالمانہ تصنیف "ایجوکیشن ڈاٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" کا اُردو ترجمہ) از انعام عظیم برنی، اخلاص حسین، محمد حسین خاں زبیری، سید بدر الحسن اور سید اظہر حسین رضوی ایم، اے — قیمت سات روپے

(۲۰) "قدیم شہنشاہیاں" مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) — " تین روپے

(۲۱) "رومن رسم الخط اور پاکستان" " سید عبد القدوس ہاشمی ندوی — " آٹھ آنے

(۲۲) "مقتدر انسانی" (لی کامت ڈو نوائے کی تصنیف "ہیومن ڈسٹنی" کا اُردو ترجمہ) از پروفیسر عبد المجید قریشی — " آٹھ روپے

(۲۳) "جان ڈوی کا فلسفۂ تعلیم" (ڈاکٹر روتھ اسپنس آرنٹ کی تالیف "جان ڈیویز فلاسفی آف ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ) از سید عین الدین علوی، ایم، اے — " دو روپے آٹھ آنے

(۲۴) "تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ" از پروفیسر عبد الحق صدیقی سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علی گڈھ و سید منیر الدین احمد ایڈوکیٹ۔ — " چار روپے

(۲۵) "چند علمائے جماعت کے کارنامے" (انگریزی تصنیف ہاکرجب ہنٹرز کا اُردو ترجمہ) از پروفیسر عبد المجید قریشی۔ — " آٹھ روپے

(۲۶) "ذکر و فکر" سیدہ انیس فاطمہ بریلوی — " بارہ آنے

ILM-O-AMAL

(Waqa'a-i-Abdul Qadir Khani)

Vol. II

A Rare Autobiography of

A 'Man of Action and Learning'

of the Early 19th Century



Translated by :

Maulvi Moinuddin Afzalgarhi

Edited by :

Mohd. Ayub Qadri B.A.

Foreword by :

Dr. Nawab Sadaryarjang
M. Habibur Rahman Khan, Sherwani

Academy of Educational Research
All Pakistan Educational Conference
KARACHI.